پیامِ مُرشدِ کامل

دریائی لال کپوُر

رادھا سوامی ست سنگ بیاس

پیامِ مُرشدِ کامل

دریائی لال کپُور

ناشر :

سیوا سنگھ

سیکریٹری،

رادھا سوامی ست سنگ ، بیاس

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ

ضلع امرتسر (پنجاب)

بار اول	1989	5000
بار دوم (ترمیم شدہ)	1997	3000

Laser setting done at Radha Soami Satsang Beas, NOIDA

Printed at : Sartaj Printing Press, Joshi Estate, Tanda Road, Jalandhar.

نذر

مرشدِ کامل حضور مہاراج

بابا ساون سنگھ جی

کی

مقدس یاد میں

پُرخلوص و پُرعقیدت

نذر

'باغ سبز است تحفۂ درویش'

اے مالک! اس مفلس کے پاس ایک سبز پتے کے
سوائے تجھے بھینٹ کرنے کیلئے اور کچھ نہیں ہے

دریائی لال

فہرستِ مضامین

ناشر کی طرف سے 7

تعارف 9

دیباچہ 17

تصویر جس کا بیان نہیں کر سکتی 27

1 حضور مہاراج جی کی مختصر سوانحِ حیات 29

2 ان کی روحانی تعلیم کا خُلاصہ 43

3 گفتگو کا آغاز 45

4 کرشمات 72

5 ایک ست سنگ 89

6 مُرشدِ کامل 116

7 سنت مت کے روحانی عمل 138

8 یہ آخری باب ہو سکتا تھا 175

9 شبد 197

10 ایک گنہگار اور سگورو 225

11 نجات کے طریق 239

12 گفتگو ختم ہوتی ہے 273

13 آخری دیدار 279

وصیت 288

ناشر کی طرف سے

یہ کتاب دیوان دریائی لال کپور کی مشہور ہندی تصنیف ''سنت سماگم'' کا اُردو ترجمہ ہے۔

کتاب میں حضور مہاراج ساون سنگھ جی کی اس بات چیت اور تعلیم کو اکٹھا کیا گیا ہے، جو حضور نے مختلف متلاشیانِ حق اور روحانیت کے کھوجیوں کے سوالوں کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس میں انسانی زندگی کا اصل مقصد، پرماتما اور اس سے ملاپ کے وسائل، یوگ، ویدانت جیسے مُشکل اور پیچیدہ مضامین کی بہت سادہ اور دلچسپ ڈھنگ سے وضاحت کی گئی ہے۔

سنت یا فقرائے کامل اس دنیا میں کوئی نیا مذہب چلانے نہیں آتے۔ وہ بیرونی اعمال، مذہبی رسومات اور شریعت کی پابندیوں میں اُلجھے ہوئے لوگوں کو مالک کے وصال کی حقیقی راہ بتانے کیلئے آتے ہیں۔ ہماری روح اس مالک رُوپی سمندر کا ایک قطرہ ہے، جو کہ اپنے اصل سے جُدا ہو کر یہاں، نفس اور مادیت کے رابطہ میں آ کر، نہایت میلی ہو چکی ہے۔ اسے سچا سکون اور ابدی سرور واپس لوٹ کر اپنے اصل میں سمانے پر ہی میسر ہو سکتا ہے۔

مالک ہمارے اندر ہے۔ کہیں باہر نہیں۔ باہر سے نہ وہ کبھی کسی کو ملا ہے، نہ مل سکے گا۔ لوگ باہر کے نو دروازوں میں اس کی تلاش کر رہے ہیں۔ اندر جانے کا بھید، دسویں گلی کی کُنجی، سنتوں کے ہاتھ میں ہے۔ سنتوں سے یہ بھید حاصل کر کے روحانیت کے متلاشی اس امر کی حقیقت کا خود، جیتے جی تجربہ کر سکتے ہیں۔

زمانہ قدیم سے سنتوں یا فقرائے کامل کا یہ مارگ چلا آرہا ہے۔ کبیر صاحب، گورو نانک صاحب، تلسی صاحب، پلٹو صاحب، داڈو صاحب، مولانا روم، حضرت شمس تبریز، سوامی جی مہاراج، بابا جیمل سنگھ جی وغیرہ سنتوں کا یہی مارگ رہا ہے۔ سنتوں کی اس عظیم روائیت میں بیاس میں حضور مہاراج ساون سنگھ جی ہوئے ہیں۔ جنھوں نے پینتالیس برس تک، ست سنگ، اور 'نام دان' کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کی راہ نمائی کی اور انھیں ابدی نجات کا راستہ دکھایا۔ ان ہی کی مانند پُر نور اور روحانی جاہ و جلال سے بھرپور مہاراج چرن سنگھ جی آج ان کا عظیم کام جاری رکھے ہوئے ہیں 1۔

کتاب کے مصنّف دیوان صاحب موصوف کو تقریباً اڑتیس سال تک حضور مہاراج ساون سنگھ جی کے مقدّس قدموں میں بیٹھنے اور ان کی بلند پایہ روحانی تعلیم کو، ان کی اپنی زبان مبارک سے سُننے کا شرف حاصل ہُوا ہے۔ اس دوران انھوں نے 'سنت مت' کا گہرا مطالعہ کیا اور ساتھ ساتھ روحانی شغل اور سیوا کا کام بھی جاری رکھا۔ حضور مہاراج کے مختلف ست سنگوں اور بات چیت کے دوران جو نوٹ انھوں نے لئے، انہیں کی بنا پر یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں سنت مت کی تعلیم کے ہر پہلو پر اختصار اور باریک بینی سے روشنی ڈال کر، درحقیقت، کوزہ میں سمندر بند کر دیا ہے۔

ایس ایل سوندھی
سکریٹری
رادھا سوامی ست سنگ۔ بیاس

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ
ضلع امر تسر (پنجاب)
1989

---

1 حضور مہاراج چرن سنگھ جی 1 جون 1990 کو اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

تعارف

یہ میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ میں ہندوستان میں (رادھا سوامی ست سنگ بیاس میں) مجسّم مُرشدِ کامِل کی صحبت میں آیا اور مجھے ان کے قدموں میں بیٹھنے کا نایاب موقعہ میسّر ہوا۔ اسی مقصد کو لئے میں 1955 سے اب تک تین بار رادھاسوامی کالونی، بیاس (ڈاک خانہ ڈیرہ بابا جیمل سنگھ) آچکا ہوں۔ میں اس کے متعلق بلاشبہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ امن اور سکون کا ایک بہشت ہے، جہاں مُرشدِ کامِل کی راہ نمائی میں کوئی بھی متلاشیٔ حق نادر روحانی ترقی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

اپنی پہلی زیارت کے دوران ہی مجھے جناب دریائی لال، جج صاحب سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ انہوں نے اس کتاب میں حضور مہاراج، بابا ساون سنگھ جی کے اقوال و لوگوں کے ساتھ اُن کی گفتگو کو درج کیا ہے۔ ان کا ترجمہ اور تالیف کیا گیا ہے۔ حضور مہاراج جی ان مُرشدانِ کامِل میں سے تھے، جو وقت وقت پر اس دنیا کی بہبودی کے لئے جلوہ افروز ہوتے رہتے ہیں۔ جناب دریائی لال کو قریب نصف صدی پہلے 1910 میں خود بڑے حضور مہاراج جی نے نام دان بخشا تھا۔ انہیں 38 سال تک مہاراج جی کے مقدّس قدموں میں رہنے کی خوش نصیبی اور نادر موقعہ مِلا تھا اور یہ تمام عرصہ انہیں نے سنت مت کا صحیح مکمل اور گہرا مطالعہ کرنے اور عملی تجربات حاصل کرنے میں گزارا۔ انہیں حضور مہاراج جی کے جانشین، سردار بہادر جگت سنگھ جی مہاراج کی خدمت کا بھی فیض حاصل رہا

اور آج کل آپ موجودہ مرشدِ کامل، حضور چرن سنگھ جی [1] مہاراج کے ذاتی سیکریٹری (پرسنل سیکریٹری) کے طور پر خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

حضور بڑے مہاراج جی کے ان اقوال کو انگریزی میں کتاب کی شکل دے کر جناب دریائی لال نے ست سنگیوں، متلاشیانِ حق اور خاص طور پر مغربی ممالک کے ست سنگیوں اور متلاشیانِ حق کی حقیقی خدمت کی ہے، جس کے لئے ہم سب ان کے مشکور ہیں۔

کتاب کے مصنف قانون اور آرٹ دونوں کے گریجویٹ ہیں اور اس کتاب کی تصنیف کے کام کو سر انجام دینے کے ہر طرح سے قابل بھی ہیں۔ ان کا ان گفتگوجات کا یہ انگریزی ترجمہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ بطور جج انہیں ہر چیز کو انصاف اور حقیقت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے کی عادت تھی۔ اور ان کی اسی عادت نے اس کتاب کو بھی بالکل صحیح اور مستند بنا دیا ہے۔

ایک دوسرے دوست پروفیسر جگ موہن لال نے اس کام کو "کوزہ میں سمندر" کی مثال دی ہے۔ ایک طرح سے یہ علمِ روحانیت کا مخزن علوم (Encyclopaedia) ہے۔ اس کتاب میں متلاشیانِ حق کے دل میں پیدا ہونے والے مختلف مسئلہ جات اور سوالات پر ایک مرشدِ کامل کے پُر اختیار قول اور ان کی مستند رائے دی گئی ہے۔ حضور مہاراج جی نے روح، خدا اور مادے کے متعلق ان دماغ سوز مضامین کو مفصل اور واضح طور پر سمجھایا ہے، جو ہر دلیل پسند، عقلمند انسان کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے ایک شاغل کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلات و رکاوٹوں کو دور کرنے کے طریق بھی بڑے آسان ڈھنگ سے بتائے ہیں۔

---

[1] حضور مہاراج چرن سنگھ جی 1 جون 1990 میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

یوگ، ویدانت وغیرہ فلسفہ کے مُختلف طریق اور عیسائی مذہب کی روحانی تعلیمات پر نئی روشنی ڈالی گئی ہے۔لیکن ان سب سے بڑھ کر 'سُرت شبد یوگ' کا بہت آسان طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔اسے انجیل میں 'ورڑ' یا 'لوگاس' کہا گیا ہے۔عیسائی مذہب کے ماحول میں پلے ہوئے ناظرین کو یہ کافی حد تک خیال کو جوش دینے والا لگیگا۔ کیونکہ یہ کتاب خاص طور پر اہلِ مغرب، جو عیسائی مذہب کا علم رکھتے ہیں، کے لئے لکھی گئی ہے، اسی لئے مصنف نے اس کتاب میں حضور مہاراج جی کی اس گُفتگُو کو شامِل کیا ہے، جو یورپ یا امریکہ کے متلاشانِ حق کے ساتھ ہوئی تھی۔ یا ان باتوں کو شامِل کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے اہلِ مغرب کے لئے باعث دلچسپی ہو سکتی ہے۔

ان مذاکرات کا مضمون وہی ہے، جو ہر ملک اور زمانے کے مُرشدانِ کامِل کا مضمون ہوتا ہے۔ مضمون کبھی نہیں بدلتا کیونکہ خدا وہی، انسان وہی، اور مُرشدانِ کامِل بھی وہی ہے، اور ان کی باتوں کا مقصد بھی وہی ہے۔ پھر ان گُفتگُوؤں کا مضمون دُوسرا کیسے ہو سکتا ہے۔

مُرشِدانِ کامِل اللّٰہ تعالیٰ کے فرزند ان عزیز ہوتے ہیں۔ اُن کو رحم و کرم کا پیامبر بنا کر بھیجا جاتا ہے تا کہ وہ اس درد و غم کے جہان میں کراہتے و چِلّاتے ہوئے لوگوں کو نجات دلا کر اپنے اس اصل مقام میں لے جائیں جو روحانی بیداری، بقا اور سرُورِ دوامی کی دائمی جائے قیام ہے۔ وہ کوئی نیا گرجا، مذہب، ذات پات یا فِرقہ نہیں بناتے۔ ان کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، اور نہ ہی ان کو کسی قسم کے رسم و رواج یا روایات سے کوئی دلچسپی ہے۔ وہ تو ایک صاف اور سیدھی بات کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کا اصل مقصد تلاشِ حق ہے اور یہ تلاش انسانی زندگی میں ہی کامیابی سے کی جا سکتی ہے۔

روئے زمین پر موجود چوراسی لاکھ قِسم کے جانداروں میں سے صِرف انسان ہی کو

وصال حق کی قوت یا صلاحیت بخشی گئی ہے۔ چرند و پرند، پیڑ و پودے یا دیگر نچلے درجے کے جانداروں کو خدا سے وصال کا علم نہیں ہو سکتا۔ دیوی دیوتاؤں اور فرشتوں کو بھی یہ خوش نصیبی حاصل نہیں ہو سکتی۔ انسانی زندگی کے گنتی کے دن ہی وہ موقعہ ہے، جب کے تلاشِ حق کی جا سکتی ہے۔ اس جستجو کے لئے انسان کو کہیں باہر نہیں جانا پڑتا۔ ہمارا جسم ہی وہ تجربہ گاہ ہے، جس کے اندر جا کر یہ تلاش کی جا سکتی ہے۔ خدا کو ہمیں اپنے باطن میں ہی تلاش کرنا ہے۔ خدا کی بادشاہت ہمارے اندر ہی ہے۔ ہمارا جسم ہی وہ مندر ہے، جس میں خدا مکین ہے، اور اسے وہیں تلاش کرنا چاہئے۔

خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے ہمیں ایک راہ نما کی اشد ضرورت ہے۔ بغیر کسی تجربہ کار ملاح کی مدد کے، ہم روحانیت کے ان جانے بحرِ بے کراں کو عبور نہیں کر سکتے۔ اگر ہماری کشتی کا ملاح اس سمندر اور اس کے طوفان سے خوب واقف ہے تو بلاشبہ ہم صحیح سلامت اس پار پہنچ جائیں گے۔ لیکن افسوس! ہماری حالت کیا ہے؟ ہماری کشتی شکستہ ہے اور اس کا کوئی ملاح نہیں! بغیر پتوار و بادباں کے وہ زندگی کے طوفانی سمندر میں آندھی اور لہروں کے تھپیڑوں میں اِدھر اُدھر ہچکولے کھا رہی ہے۔ ایسی نازک حالت میں وہ اس وسیع سمندر کو عبور کر کے محفوظ و پُر سکون مقام تک کیسے پہنچ سکتی ہے!

ہر انسان نے خواہ عورت ہو یا مرد اپنی زندگی کی کشتی کو درد و گناہ کے بارِ گراں سے بُری طرح بھر رکھا ہے اور یہ خوفناک بحرِ ظلمات اس قدر گہرا اور چوڑا ہے کہ اسے عبور کرنے کی کوششِ ناکام میں لاکھوں اس میں ڈوب چکے ہیں۔ فقط وہی بچ سکتے ہیں، جن کی طوفان میں ڈگمگاتی کشتی پر کسی جہاز کے تجربہ کار ناخدا کی نگاہِ کرم پڑ جائے، جو ہاتھ پکڑ کر اُن کو اُوپر اٹھا لے اور اپنے محفوظ جہاز میں پناہ دے دے۔ فقرائے کامل ہی ایسے ناخدا ہوتے ہیں۔ اور دنیا ان سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ اپنے اصل مقام واپس جانے کی تڑپ

رکھنے والوں کی امداد و راہ نمائی کے لئے وہ ہمیشہ اس دنیا میں موجود رہتے ہیں۔

فقرائے کامل کبھی تبدیلی مذہب یا گھر بار ترک کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ ان کا فرمان ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے، بال بچوں اور رشتہ داروں کے تئیں فرائض ادا کرتے ہوئے، وصالِ حق کے لئے کوشش کرو۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کسی خاص دلیل یا بحث کی ضرورت نہیں کہ روحانیت کی سائنس کو سیکھنے کے لئے استاد یا مُرشد کی اتنی ہی ضرورت ہے، جتنی کہ کسی دوسرے علم کو حاصل کرنے کے لئے۔ بغیر کسی راہبر کے اس انجانی راہ پر کوئی گامزن نہیں ہو سکتا۔ وہ راہ نما ایک ایسا کامل فقیر یا مُرشدِ کامل ہونا چاہئے جو ہمیں اس بالاترین روحانی طبقے میں لے جا سکے، جو فنا اور قیامت سے پرے ہے اور جہاں پہنچ کر ہمیں دوبارہ اس دنیا میں نہ آنا پڑے۔ عہدِ گزشتہ کے فقرائے کامل آج ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے جیسے کوئی مدرّس، جو وفات پا چکا ہے، آج کے طالب علم کو پڑھا نہیں سکتا۔

ہر ملک و زمانہ میں فقرائے کامل کے ذریعہ سکھایا جانے والا روح اور خدا سے وصل کا طریقہ یا ذریعہ ہمیشہ ایک سا اور یکساں رہا ہے، اور آئندہ بھی رہے گا۔ اسے "سُرت شبد یوگ" کہتے ہیں۔ مُرشدِ کامل اپنے مُرید کی روح کو اس شیریں ندائے سُلطانی سے مِلا دیتے ہیں، جو ہر انسان کے باطن میں متواتر گونج رہی ہے۔ اس ندائے سلطانی کا نزول سیدھا رب العالمین کی جائے قیام سے ہو رہا ہے، اور اس کے ساتھ مِل کر مُرید واپس وہیں پہنچ سکتا ہے، جہاں سے یہ ندا آرہی ہے۔

ہماری روح مالک کُل کے سمندر کا ایک قطرہ ہے، اس عظیم زندگی کے سورج کی ایک کِرن ہے۔ لیکن من (نفس) اور مایا (مادیت) کے تعلق میں آکر اتنی میلی اور گندی ہو گئی ہے کہ اسے اپنی اصلیت کا کوئی علم نہیں رہا۔ یہ بھول چکی ہے کہ یہ مالکِ کُل کا ایک جزو ہے۔ کائنات کے آغاز سے ہی ہم خدا سے جُدا ہوئے ہیں اور اس بحرِ ظلمات کے گرداب میں

چکر کھا رہے ہیں۔ کثیف (ستھول)، لطیف (سُوکشم)، لطیف اللطیف(کارن) و وجُودوں کے سیاہ غلافوں نے روح کی اصل روشنی کو دھندلا کر دیا ہے ۔مُرشدِ کامل ہمیں ان غلافوں کو ہٹانے کی تعلیم دیتے ہیں۔یہ غلاف دور ہو جانے پر روح اپنی ذاتی روشنی میں دمکنے لگتی ہے اوراپنے اصل کی طرف چڑھائی کرنے لگتی ہے ۔یہ کام صرف انسانی زندگی میں ہی ممکن ہے۔مبارک ہیں وہ لوگ جو اس نایاب انسانی وجود کی قیمت کو جان گئے ہیں، اور جِس مقصد کے لئے یہ انسانی زندگی بخشی گئی ہے، اس کی تکمیل کے لئے پُر زور کوشش کرتے ہیں۔

فقرائے کامل کی تعلیم یا "سنت مت" کی تبلیغ یورپ اور امریکہ میں ایک طرح سے نئی ہے یعنی بمقابلہ ان مشرقی ممالک کے نئی ہے جہاں "سنت مت" سینکڑوں سالوں سے رائج ہے۔ یہ تعلیم جسے اکثر "سنت مت" یا "سنتوں کا مارگ" کہا جاتا ہے۔ گہری رُوحانی سائنس سے پُر ہے۔ آج مغربی ممالک میں ایسے متلاشیان حق کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، جنھوں نے اس سائنس کو اِنسانی زندگی کے حقیقی مقصد کو سمجھنے، خُود شناسی اور وصالِ حق کی آزمودہ اور صحیح راہ پر لگنے کے لئے بہت مددگار پایا ہے۔یہ کوئی مذہب، مت یا فرقہ نہیں ہے۔یہ تو اپنے اندر موجود خدا کی بادشاہت میں جیتے جی داخل ہونے اور اس کا تجربہ کرنے کا ایک سائنسی طریقہ ہے ۔دنیا کی سب مذہبی کُتب نے اس سائنس کا ذکر کیا ہے، اور ہر زمانہ کے فقرائے کامل مرشدانِ حق اور پیغمبران اس راہ کو جانتے تھے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔

ہمیں صدیوں سے بتایا جا رہا ہے کہ" انسان خدا کا چلتا پھرتا مندر ہے ۔" لیکن کوئی خدا رسیدہ مُرشدِ کامل ہی ہمیں اس مندر میں داخل ہونے کا راستہ بتا سکتا ہے ۔ وہ اس مندر کی کُنجی دیتا ہے اور اس کُنجی سے متلاشی یا شاغل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے۔تمام دنیا حقیقی اور دائمی لُطف و سکُون کی متلاشی ہے لیکن دنیا اور اس کی چیزوں میں کسے کو بھی سچا سُکھ نہیں ملا۔ابدی سکون، سچا سکھ یا دائمی سُرور تو تبھی مِل سکتا ہے، اگر انسان اس درِ نجات

سے داخل ہو کر خدا کو جا ملے، اور اپنی لافانی مقام پر پہنچ جائے۔ جس کی خاصیت ہی ابدی زندگی اور دائمی سرُور ہے۔

اس سائنس میں کسی دقیانوسی خیال یا اندھا دُھند عقیدہ کا دخل نہیں ہے۔ یہ روحانی ترقی حاصل کرنے اور مقامِ حق کی جانب بڑھنے کا مقررہ و مؤثر طریقہ ہے۔ کوئی بھی سچا متلاشی خود آزما کر دیکھ سکتا ہے۔ قدیم مذاہب کے بنیادی اصول اور "سنت مت" کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر ہے بھی تو بہت کم۔ اپنے مذہب کے اصلی اور بنیادی اصولوں میں متلاشی کے لئے جو کمی رہتی ہے، یہ سائنس اس کو پُورا کرتی ہے۔ اس سائنس کا مقصد کسی مذہب کے ذریعے حاصل شُدہ چیز کو ختم کرنا نہیں، بلکہ اس پر اور روشنی ڈال کر اسے عملی شکل دینا ہے۔

مُرشدِ کامل اپنی بسر اوقات کے لئے اپنے مُریدوں سے کچھ نہیں لیتا اور نہ ہی مُریدوں کو بیعت ہونے (نام دان لینے) کے لئے کسی قسم کی فیس، معاوضہ، نذر یا تحفہ دینا ہوتا ہے۔ جو مُرشد کسی قسم کا نذرانہ یا تحفہ مانگتا ہے یا قبول کرتا ہے، وہ حقیقی مُرشد نہیں ہے۔ بیعت ہونے والے انسان کو صرف اتنی تیاری کرنی ہوتی ہے کہ وہ گوشت خوری و شراب نوشی ترک کرے، اور نیک و پاک زندگی بسر کرے۔ من (نفس) کو یکسو کر کے روح کو باطن میں اس دروازے تک، جسے عیسٰی مسیح نے "دستک دو۔ اور وہ کھل جائے گا" کہا ہے، کس طرح پہنچایا جائے، اور روحانی عمل کیسے کیا جائے، یہ سب مُرشدِ کامل بیعت کرتے وقت اپنے مُرید کو بہت اچھی طرح سمجھا دیتے ہیں۔

رُوحانی ترقی کا یہ عمل بہت آسان اور سیدھا ہے۔ اس میں جسم کو کسی طرح کی تکلیف دینے کی ضرورت نہیں، اور نہ جسم کے کسی عضو کو اکڑانے یا اس پر دباؤ ڈالنے کی ہی ضرورت ہے۔ چھ سال کا بچہ اور نوے سال کا بوڑھا بھی اس عمل کو باآسانی کر سکتا ہے۔

عالم بیداری میں ہمارے من اور روح کا مرکز ہماری پیشانی پر ابروؤں کے درمیان ہے یا اگر اس کا اور بھی صحیح پتہ بتانا ہو تو یہ اس مقام سے ایک ڈیڑھ انچ اندر کی جانب ہے۔ اسی مقام سے ہمارا من اور اس کے ساتھ ہماری روح نو دروازوں سے ہو کر باہر ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ یہ نو دروازے، دو آنکھیں دو کان کے سوراخ، دو ناک کے سوراخ، منہ اور دو نیچے کے سوراخ ہیں۔ ابروؤں کے درمیان اس مرکز سے ہی سب خیالات پیدا ہوتے ہیں۔

مُرشدانِ کاملِ ہمیں سب سے پہلے اپنے بھٹکتے ہوئے من کو واپس اسی مرکز پر لانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ کام اس مرکز پر توجہ رکھتے ہوئے مُرشد سے بخشش شُدہ ناموں کے سُمرن سے ممکن ہوتا ہے۔ سمرن کے بعد دھیان (تصوّر) کا عمل آتا ہے۔ سمرن کے ذریعے ہماری باہر پھیلی ہوئی توجہ، دنیا اور جسم سے سمٹ کر، آنکھوں کے درمیان اس مرکز پر یکجا ہوتی ہے۔ "دھیان" کے ذریعہ وہ باطن میں اس مقام پر ٹھہرتی ہے، اور باہر بھٹکنے سے رُک جاتی ہے اس کے بعد ہماری روح اس "انحد شبد" یا "ندائے سلطانی" کو پکڑتی ہے جس کے ساتھ مُرشد نے بعیت کرتے وقت جوڑا تھا۔ یہ انحد شبد روح کو اُونچے روحانی طبقات میں لے جاتے ہوئے بالآخر اپنے اصل مقام پر لے جاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کو ایسے مُرشدِ کاملِ نصیب ہو جاتے ہیں۔

جوزف لیمنگ

مکان نمبر 9115 سڑک نمبر 85

وڈ ہیمن، 21، نیویارک (امریکہ)

دیباچہ

اِس کتاب کی تصنیف کیسے ہوئی ، اس بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ ہر ملک ، مذہب اور قوم کے لوگ حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی سے شرف ملاقات حاصل کرنے آیا کرتے تھے ۔ کچھ لوگ شوق و جستجو کے تحت آتے تھے تو کچھ ان کی تعلیمات کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے ، اور کچھ لوگ آتے تھے ان سے "سنت مت" کی روحانی راہ پر بیعت ہونے (نام دان لینے) کے لئے ۔ اس کتاب میں جو گفتگو دی گئی ہے ، وہ حضور مہاراج جی کے وہ اقوال زریں ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً آنے والے متلاشیان حق کے سوالات کے جواب میں ارشاد فرمائے ۔

میرے پاس یہ قیمتی تحریر کیسے آئی ؟ مجھے 30 دسمبر 1910 کو نام دان بخشا گیا تھا ، تب میری عمر 20 برس تھی اور میں لاہور کے لاء کالج کا سال اول کا طالب علم تھا ، اور حضور مہاراج جی ملٹری انجینئرنگ سروس میں ملازمت پر تھے ۔ وہ اپریل 1911 میں ملازمت سے سُبکدوش ہو کر ، 9 اپریل ، 1911 کو ڈیرہ میں مُستقل رہائش کے لئے تشریف لائے تھے ۔ آپ نے ملازمت سے سُبکدوشی سے کچھ روز پیشتر ہی مجھے اپنے قدموں میں بلا لیا تھا ۔

حضور مہاراج جی نے یکم مئی 1911 سے ڈیرہ میں ہر اتوار کو باقاعدگی سے ست سنگ دینا شروع کیا ۔ میں شکروار کی شام کو لاہور سے بیاس کے لئے روانہ ہوتا اور اتوار کی شام یا سوموار صبح تک واپس لاہور آجاتا ۔ (لاہور بیاس سے تقریباً 60 میل کے فاصلہ پر ہے) معاف کیجئے میں نے جو یہاں ' میں ' لفظ کا استعمال کیا ہے ، وہ غلط ہے ، میں نہیں آتا تھا بلکہ مجھے کوئی طاقت کشاں کشاں لے آتی تھی ۔ میں نے حضور مہاراج جی کے دیدار ، بیعت

عالم بیداری میں ہمارے من اور روح کا مرکز ہماری پیشانی پر ابروؤں کے درمیان ہے یا اگر اس کا اور بھی صحیح پتہ بتانا ہو تو یہ اس مقام سے ایک ڈیڑھ انچ اندر کی جانب ہے۔ اسی مقام سے ہمارا من اور اس کے ساتھ ہماری روح نو دروازوں سے ہو کر باہر ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ یہ نو دروازے، دو آنکھیں دو کان کے سوراخ، دو ناک کے سوراخ، منہ اور دو نیچے کے سوراخ ہیں۔ ابروؤں کے درمیان اس مرکز سے ہی سب خیالت پیدا ہوتے ہیں۔

مُرشدانِ کامِل ہمیں سب سے پہلے اپنے بھٹکتے ہوئے من کو واپس اسی مرکز پر لانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یہ کام اس مرکز پر توجہ رکھتے ہوئے مُرشد سے بخشش شُدہ ناموں کے سُمرن سے ممکن ہوتا ہے۔ سمرن کے بعد دھیان (تصوّر) کا عمل آتا ہے۔ سمرن کے ذریعے ہماری باہر پھیلی ہوئی توجہ، دنیا اور جسم سے سمٹ کر، آنکھوں کے درمیان اس مرکز پر یکجا ہوتی ہے۔ "دھیان" کے ذریعہ وہ باطن میں اس مقام پر ٹھہرتی ہے، اور باہر بھٹکنے سے رُک جاتی ہے اس کے بعد ہماری روح اس "انحد شبد" یا "ندائے سلطانی" کو پکڑتی ہے جس کے ساتھ مُرشد نے بعیت کرتے وقت جوڑا تھا۔ یہ انحد شبد روح کو اُونچے روحانی طبقات میں لے جاتے ہوئے بالآخر اپنے اصل مقام پر لے جاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کو ایسے مُرشدِ کامِل نصیب ہو جاتے ہیں۔

جوزف لیمنگ

مکان نمبر 9115 سڑک نمبر 85

وڈ ہیمن، 21، نیویارک (امریکہ)

دِیباچہ

اِس کتاب کی تصنیف کیسے ہوئی، اس بارہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ہر ملک، مذہب اور قوم کے لوگ حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی سے شرف ملاقات حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ کچھ لوگ شوق و جستجو کے تحت آتے تھے تو کچھ ان کی تعلیمات کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے، اور کچھ لوگ آتے تھے ان سے "سنت مت" کی روحانی راہ پر بیعت ہونے (نام دان لینے) کے لئے۔ اس کتاب میں جو گفتگو دی گئی ہے، وہ حضور مہاراج جی کے وہ اقوال زریں ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً آنے والے متلاشیان حق کے سوالات کے جواب میں ارشاد فرمائے۔

میرے پاس یہ قیمتی تحریر کیسے آئی؟ مجھے 30 دسمبر 1910 کو نام دان بخشا گیا تھا، تب میری عمر 20 برس تھی اور میں لاہور کے لاء کالج کا سال اول کا طالب علم تھا، اور حضور مہاراج جی ملٹری انجینئرنگ سروس میں ملازمت پر تھے۔ وہ اپریل 1911 میں ملازمت سے سُبکدوش ہو کر، 9 اپریل، 1911 کو ڈیرہ میں مُستقل رہائش کے لئے تشریف لائے تھے۔ آپ نے ملازمت سے سُبکدوشی سے کچھ روز پیشتر ہی مجھے اپنے قدموں میں بلا لیا تھا۔

حضور مہاراج جی نے یکم مئی 1911 سے ڈیرہ میں ہر اتوار کو باقاعدگی سے ست سنگ دینا شروع کیا۔ میں شکروار کی شام کو لاہور سے بیاس کے لئے روانہ ہوتا اور اتوار کی شام یا سوموار صبح تک واپس لاہور آجاتا۔ (لاہور بیاس سے تقریباً 60 میل کے فاصلہ پر ہے) معاف کیجئے میں نے جو یہاں 'میں' لفظ کا استعمال کیا ہے، وہ غلط ہے، میں نہیں آتا تھا بلکہ مجھے کوئی طاقت کشاں کشاں لے آتی تھی۔ میں نے حضور مہاراج جی کے دِیدار، بیعت

ہونے (نام لینے) سے پہلے کبھی نہیں کئے تھے۔ اس سے پہلے مجھے فقرائے کامل و سنتوں کی عظمت کی کچھ خبر نہ تھی۔ مجھے اس بات کا تصوّر ہی نہ تھا کہ مُرشدِ کامِل روئے زمین پر چلتا پھرتا، خود خدا ہی ہوتا ہے۔

تب میں یہ نہیں مانتا تھا کہ خدا شکلِ انسان اختیار کر کے آسکتا ہے یا آتا رہا ہے۔ جب میں نے سُنا کہ حضور مہاراج جی 9 اپریل کو ڈیرہ پہونچ گئے ہیں تو میں بھی ڈیرہ چلنے کی اپنی دلی تمنا کو روک نہ سکا۔ جب میں ڈیرہ میں ہوتا تو حضور جہاں بھی جاتے میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چلتا۔ نہ جانے وہ کون سی طاقت تھی، جو مجھے ان کی طرف کھینچے ہوئے تھی۔ میں صرف یہ چاہتا تھا کہ ہمیشہ ان کے ہمراہ رہوں۔ صاف و شفاف دستار و سفید خوبصورت داڑھی سے سجے ہوئے ان کے نورانی و پُرسکون مبارک چہرہ کے دِیدار متواتر کرتا ہی رہوں۔

میں سنیچر - اتوار و بیساکھی کی رُخصتوں کو ملا کر کوئی چار پانچ روز ڈیرہ میں ٹھہرا۔ اس کے بعد میں ہر ہفتہ کے آخر میں وہاں جاتا رہا۔ ہفتہ کے آخر میں وہاں جانے کا خیال متواتر میرے دل پر چھایا رہتا تھا، کیونکہ یہ دو دن ان کے نُورانی دِیدار اور صحبت کے سرُور میں بہت خوب گزرتے تھے۔

میرے والد صاحب، میرے ہر ہفتہ وہاں جانے سے بہت ناراض ہوتے تھے، کیونکہ نہ تو وہ 'سنت مت' سے کچھ دِلچسپی رکھتے تھے اور نہ ہی ان کو اس بارے میں کچھ علم تھا۔ والد صاحب سے کسی نے کہہ دیا کہ میں ہر سنیچر و اتوار بیاس جاتا ہوں اور وہاں دو تین دن برباد کر کے آتا ہوں۔ میرے والد صاحب نے حضور کے پاس اس معاملہ کی شکایت کا کسی خاص شخص کے ہاتھ پیغام بھیجا۔ جب والد صاحب کا خط پڑھا جا رہا تھا تو خوش قسمتی سے میں بھی وہاں موجود تھا۔ والد صاحب نے خط میں تحریر کیا تھا کہ ایک ماہ کے بعد امتحان ہونے والے ہیں۔ اگر لڑکے نے متواتر مطالعہ نہ کیا تو اس قدر مشکل امتحان میں کامیاب کیسے ہو سکے گا؟

حضور نے خط لانے والے سے فرمایا" کامیاب تو وہ ضرور ہوگا۔ اس کے والد صاحب سے کہہ دیجئے، اس بارے میں فکر نہ کریں اور میں نے بھی لڑکے کو محنت سے مطالعہ کرنے کی تلقین کر دی ہے۔"

میں نے بھی والد صاحب کا اس بات کے لئے شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے حضور مہاراج جی سے میری کامیابی کا قول دلوا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے امتحان کی تیاری کی رخصتوں کا ایک مہینہ بھی حضور کی خدمت اقدس میں ڈیرہ میں ہی گزارا۔ بے شک میں نے بڑے زور سے مطالعہ کیا لیکن صرف 'سنت مت' کی کتب کا۔ اپنی نصابی کتب (قانون کی کتب) تو میں ڈیرہ میں لایا تک نہ تھا۔ اس دوران حضور مہاراج جی نے مجھ سے کچھ نہ کہا، صرف ایک دو بار اپنی مسکراتی، نور برساتی آنکھوں سے مجھ پر نگاہ کرم ڈالی۔ اوہ ان کی وہ نورانی مسکراہٹ! وہ تو میری روح کی تہہ میں سما گئی اور اسے بھی سدا کے لئے گلزار بنا گئی۔

جب امتحانات کے نتائج کا اعلان ہوا تو پرنسپل اور پروفیسر صاحبان تک بے حد پریشان ہو گئے، کیونکہ اس سال بڑی تعداد میں طالب علم ناکامیاب ہوئے تھے۔ فقط 27 فی صد ہی کامیاب ہو پائے تھے۔ میں اس وقت ڈیرہ میں تھا۔ مجھے میرے والد صاحب نے بذریعہ تار اطلاع دی کہ میں بڑے اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گیا ہوں۔ اگلے سال میں نے ایل. ایل. بی کے امتحان میں بھی کامیابی حاصل کر لی۔

یکم اکتوبر 1912 کو جالندھر میں وکالت شروع کرنے اور اس کے بعد ریاست کپورتھلہ کی ریاستی ملازمت (سول سروس) میں چلے جانے کے بعد بھی میرا ہر ہفتہ ڈیرہ جانا بدستور جاری رہا۔ ڈیرہ میری زندگی کا ایک حصہ بن گیا تھا۔ جب ہر ہفتہ ہونے والا 'ست سنگ' پندرہ دن بعد اور پھر ماہانہ ہونے لگا، تب بھی میں اپنی تمام رخصت ڈیرہ میں ہی گزارتا تھا۔ ایسے مواقع پر سردار بہادر جگت سنگھ جی، سردار بھگت سنگھ، رائے صاحب منشی رام،

رائے بہادر مُنالال ، پنڈت لال چند ، اور کچھ دیگر لوگ بھی وہاں موجود ہوا کرتے تھے ۔

ہر ماہ ہونے والے ست سنگوں و بھنڈاروں پر سنگت میں اس قدر اضافہ ہونے لگا کہ جولائی 1926 میں متواتر بڑھتی ہوئی سنگت کا بندوبست کرنے ، دیکھ بھال کرنے اور اس کی ذمہ داری کو سیواداروں میں بانٹنے کے لئے حضور نے ہم سب کو (مندرجہ بالا اصحاب اور بندہ کو) اپنی بیٹھک میں بلایا ۔ تب سردار بہادر جگت سنگھ جی کو لنگر کا بندوبست سونپا گیا ۔ یہاں سب کو مفت کھانا مِلتا تھا ۔ رائے ہرنارائن جی کو خط و کتابت اور عام انتظام ، پروفیسر جگ موہن لال کو غیرملکیوں سے خط و کتابت اور سردار بھگت سنگھ کو قانون کا کام دیا گیا ۔ جب میری باری آئی تو مہاراج جی نے رحمت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر (میں ان کے مبارک قدموں میں زمین پر بیٹھا ہوا تھا) فرمایا "اسے میرے پاس چھوڑ دو ۔ یہ یہاں ہی کام کرتا رہے گا" اس دن سے سب لوگوں نے مجھے حضور کا ذاتی خادم مان لیا ۔

اس طرح 38 سال تک ان کی خدمت کا شرف حاصل کرنے کے بعد حضور کے فراق کا صدمہ بڑا دِل شِکن تھا ۔ 2 ، اپریل 1948 کو اس روئے زمین پر نوے سال تک کام کرنے کے بعد انھوں نے اپنے جسمِ خاکی کو جو ہم گُناہگاروں کی نجات کے لئے اختیار کیا تھا ، ترک کر دیا اور غیر متشکل ہو کر واپس اپنے رحمت و شفقت کے لامحدود سمندر میں جا سمائے ۔

حالانکہ یہ درست ہے کہ مُرشدِ کامِل کبھی نہیں مرتا ، وہ ہمیشہ ہمارے پاس رہتا ہے ۔ تاہم حضور مہاراج جی کی رحلت کے بعد میری حالات بڑی دردناک ہو گئی اور میرا دل پارہ پارہ ہو گیا ۔ پیارے قارئین ، آپ محسوس نہیں کر سکتے کہ حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے پر ست سنگیوں پر کیا بیتی ۔ میں اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں کہ آپ میں سے چند ایک کو اپنے عزیز و اقارب کی جُدائی پر گہرا صدمہ پہنچا ہو گا لیکن جو عِشق ، حضور نے ہمارے دِلوں میں پیدا کیا تھا ، وہ لاثانی تھا اور اس کا مقابلہ اور کوئی محبت نہیں کر ہی سکتی ۔

حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے کے بعد مجھے زندگی میں کوئی دلچسپی نہ رہی۔ آپ 1910 میں اس وقت میری زندگی میں آئے تھے، جب میں نے ابھی اپنا دنیاوی کاروبار شروع بھی نہیں کیا تھا (میں نے 1912 میں وکالت شروع کی تھی) میں 1947 میں ملازمت سے سُبکدوش ہوا اور آپ اپریل 1948 میں رحلت فرما گئے۔ اب میری زندگی میں رہ ہی کیا گیا تھا؟ وہ میری زندگی تھے، وہ میری جان تھے۔ میں دِن بھر ان کے خیال میں گُم رہتا اور رات کو ان ہی کی یاد میں غلطاں۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک میں ڈیرہ بھی نہیں گیا۔ موسم گرما میں پہاڑ پر شملہ میں چلا گیا لیکن مجھے کہیں بھی چین نہیں آ رہا تھا۔ زرد چہرا و خشک گال لئے برسات میں واپس نیچے میدان میں چلا آیا۔ اب بھی ان کی شفقت و رحمت و کرم کی یاد آتے ہی میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ میں ایک رات اسی طرح روتے روتے سو گیا۔ حضور مہاراج جی ظاہر ہوئے اور بڑی محبت سے دریافت کرنے لگے۔ "اب تم ڈیرہ کیوں نہیں آتے؟"

میں نے عرض کیا "اب میں کس کے پاس آؤں؟"

انھوں نے ارشاد فرمایا" میرے پاس! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں کہیں چلا گیا ہوں؟"

ان کے رحلت فرمانے کے بعد پہلی دفعہ مجھے اُن کے دیدار ہوئے تھے۔ یہ دسمبر 1948 کی بات ہے۔

دوسرے دن صبح میں اور میری اہلیہ ڈیرہ پہونچے۔ لیکن ڈیرہ چلنے کی تیاری میں جو لطف اس سے پہلے آیا کرتا تھا، وہ اب محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس لطف و مزہ کی جگہ اب ہماری آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ مقامات جہاں ہمارے پیارے مُرشد گھومتے پھرتے تھے، سونے سونے اور خالی خالی معلوم ہو رہے تھے۔ ہم نے ایک سیوادار سے سردار بہادر جگت سنگھ جی مہاراج کے متعلق دریافت کیا۔ ان کو حضور مہاراج جی اپنا جانشین مقرر فرما گئے تھے۔

سیوادار نے بتلایا کہ وہ دفتر میں کچھ لوگوں سے مصروفِ ملاقات ہیں ۔ دفتر پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ وہاں سردار بہادر مہاراج جی نہیں بیٹھے ہوئے بلکہ حضور مہاراج جی (بابا ساون سنگھ جی) دفتر کے بر آمدہ میں آرام کرسی پر حسب معمول تشریف فرما ہیں۔ وہ وہاں اکیلے تھے ۔ہم آنسو نہ روک سکے اور آنکھوں میں آنسو لئے روتے ہوئے ان کی طرف دوڑ پڑے ۔وہ کھڑے ہو گئے، مجھے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور بڑے پُر شفقت انداز میں، اسی شیریں آواز میں میری خیر و عافیت دریافت کرنے لگے ۔میں بُری طرح روتا رہا ۔ وہ بھی ایک دو منٹ کے لئے خاموش رہے ۔ پھر اپنی کرسی کے پاس اس دیوان پر بیٹھنے کے لئے اشارہ کیا، جس پر میں ان کے وقت میں بیٹھا کرتا تھا ۔میری بیوی بھی ان کے قدموں پر سجدہ کر کے، اسی دیوان کے ایک کونہ پر بیٹھ گئی ۔

"جج صاحب، آپ اتنے دنوں تک آئے نہیں، کہاں چھپے رہے ؟ "اُنھوں نے پوچھا ۔ اور ـــ جب میں نے جواب دینے کے لئے آنکھیں اوپر اٹھائیں تو دیکھا کہ وہ سردار بہادر جی کی شکل میں تبدیل ہو گئے تھے ۔ میری آنکھیں اب بھی آنسو بہا رہی تھیں ۔ سردار بہادر مہاراج جی نے فرمایا ۔ " جج صاحب ! آپ خوش قسمت ہیں، آپ آنسو تو بہا سکتے ہیں، مجھے تو اس کی بھی اجازت نہیں۔ "

سردار بہادر جی اور میں پرانے دوست تھے ۔ شروع شروع میں ڈیرہ میں ہم دونوں ایک ہی کمرہ میں رہا کرتے تھے ۔ وہ مجھ سے بڑی اُنس اور محبت رکھتے تھے ۔انھیں معلوم تھا کہ حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے سے میرے دل کو کتنا گہرا صدمہ پہنچا ہے ۔ اس لئے وہ مجھے اپنے کمرہ میں لے گئے اور وہاں مجھے ایک گھنٹہ تک حوصلہ دیتے رہے ۔ آخر انھوں نے فرمایا" آپ حضور مہاراج جی کی گفتگو اور ست سنگیوں کے نوٹ لیا کرتے تھے ۔ان کو سلیقہ سے لکھ کر کتاب کی شکل کیوں نہیں دے دیتے؟ اس سے آپ کی توجہ رنج و غم سے ہٹ

جائے گی۔اس کے علاوہ ست سنگیوں اور متلاشیان حق کی یہ ایک بہت بڑی خدمت بھی ہوگی۔"

میں نے عرض کیا، "حضور آپ جانتے ہیں۔ وہ تو پنسل سے لکھی عام یاد داشتیں ہیں۔ کبھی تو ان کو اخبار کے کناروں پر لکھ لیا کرتا تھا، کبھی جو کتاب بھی ہاتھ میں ہوتی اسکے اگلے پچھلے صفحات پر لکھ لیتااور کبھی کبھی میں حضور مہاراج جی کے اقوال کے کچھ خوبصورت الفاظ یا امثال کو چٹھیوں کی پشت پر ہی لکھ لیا کرتا تھا۔ نہ وہ کبھی شائع کرنے کے ارادے سے لکھی گئی اور نہ ہی ایک جگہ رکھی گئی ہیں۔ اس لئے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو تلاش بھی کر پاؤں گا یا نہیں۔ اور اگر مل بھی گئیں تو ان سے کوئی چیز تیار بھی کر پاؤں گا یا نہیں۔"

انھوں نے زور دیا، "حضور مہاراج جی کی ہر بات بہت قیمتی ہے۔ ان کو ضرور تلاش کیجئے۔"

میں نے کچھ پرانے گرد سے بھرے کاغذات تلاش تو کر لئے، جن پر چھوٹے چھوٹے نوٹ لکھے تھے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر کو سمجھنا مشکل تھا۔ مجھے ان کو نئے کاغذات پر، سیاہی میں نقل کرنے اور بالترتیب کرنے میں قریباً دو ماہ سے زائد عرصہ لگا۔ اس کے بعد میں نے ان کو کتابوں کی الماری میں ایک طرف رکھ دیا اور وہ وہیں پڑے رہے، حتیٰ کہ ایک دن پروفیسر جگموہن لال کے ہاتھ لگ گئے۔

سردار بہادر مہاراج جی کا یہ کام میرے سپرد کرنے کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو گیا میرا غم کافی حد تک ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ مجھے برابر سمجھاتے رہتے تھے کہ حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے کا اس طرح رنج کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ حضور مہاراج جی در اصل کیا تھے۔ اور "گورو" لفظ کا اصل مطلب کیا ہے۔ انھوں نے پوچھا۔ "کیا مُرشد وہ جسم تھا کہ جس کے خاتمہ پر اتنا آہ و زاری کر رہے ہو؟ یاد رکھیئے، مُرشد کبھی نہیں مرتا۔ آپ

کے مُرشد ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے اندر ہیں ۔ دروازہ کھولو اور انھیں دیکھو 1۔جتنی تمنا اور شوق سے آپ ان کے دیدار کے خواہشمند ہیں ، اس سے کہیں زیادہ تمنا اور شوق سے وہ آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں۔"

پہلے یہ خیال تھا کہ اس کتاب کو حضور مہاراج جی کی گفتگو کے دوران آئے مضامین کے مطابق ، الگ الگ نام سے کئی ابواب میں بانٹا جائے ۔ان میں سے مندرجہ ذیل عنوان کا انتخاب کیا گیا اور علیحدہ علیحدہ ہوئی گفتگو کے سب مضامین کو یکجا کر دیا۔

گفتگو کے مضامین

1- 'سنت مت ' کے متعلق
2- موجودہ مذاہب سے 'سنت مت' کا مختلف ہونا
3- مُرشدِ کامل کی ضرورت
4- لامحدُود ۔ محدُود کیسے بن سکتا ہے
5- لابیانی کا بیان (اکتھ کتھا)
6- یوگ اور ویدانت
7- چھ چکر
8- گیتا اور اپنشد
9- کرشمے
10- عاملان کے لئے صحیح غذا و خوراک

---

1 دل کے آئینہ میں ہے تصویرِ یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

11- تین گُن

12- انسانی زندگی کا مقصد

13- 'سنت مت' کی فضیلت

14- حقیقی عیسائی مذہب وغیرہ وغیرہ

دوبارہ غور کرنے پر میں نے محسوس کیا کہ اس طریق سے بات چیت کی کانٹ چھانٹ سے ان کی خوبصورتی، قدرتی پن اور تسلسل قائم نہ رہ سکے گا۔ لہذا اس کتاب میں بات چیت کو بعینہٖ اسی شکل میں درج کیا گیا ہے جیسی کہ حضور مہاراج جی کی ملاقاتیوں سے ہوئی تھی۔

ان گفتگو جات کی صحیح تاریخ تو مجھے یاد نہیں البتہ میرا خیال ہے کہ سوائے بعد کی ایک دو یادداشتوں کے یہ سب قریب دس بارہ سال میری الماری میں بند پڑی رہیں۔ حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے کے قریب ایک سال بعد میرے عزیز دوست، آنجہانی پروفیسر جگموہن لال نے ایک دن اچانک میری کتابوں کی الماری پر چھاپہ مارا، اور یہ کاغذات ان کے ہاتھ لگ گئے۔ وہ ان کو اٹھا کر لے گئے۔ اور یہ کاغذات ان کے بستر میں تکیئے کے نیچے قریباً پانچ سال تک 'آرام' کرتے رہے۔ ان کا کمرہ ہی ان کا دفتر، کتب خانہ اور ڈرائنگ روم، سب کچھ تھا اور اس میں تکیہ ہی، ان کی سب سے عزیز جگہ تھی۔ وہ ایک بار میری سالگرہ کے دن، صبح ہی صبح ان کاغذات کو ایک ریشمی رومال میں لپیٹ کر لے آئے۔

انھوں نے کہا، "میں تمہاری سالگرہ پر ایک بیش قیمت تحفہ لایا ہوں۔ تم اسے چائے دانی میں سمندر' کی طرح پاؤگے۔"

میں نے جواب دیا، "میں چائے نہیں پیتا، لہذا مجھے کیتلی (چائے دانی) کی ضرورت نہیں۔"

انھوں نے جواب دیا۔ "واقعی، اگر تم نامنظور کر دوگے تو میرے لئے باعث مسرت ہو گا۔"

بات چیت کا یہ مجموعہ ان کو بے حد پسند آیا اور انھوں نے نہ صرف مجھے مشورہ ہی دیا بلکہ مجھ پر زور بھی دیا کہ میں ان کو ایک کتاب کی شکل دوں ۔ میں نے ان یادداشتوں کو اس کتاب کی شکل دی اور کتاب کے قلمی مسودہ کو ایک بار پھر پڑھنے کے لئے ان کو دے دیا۔

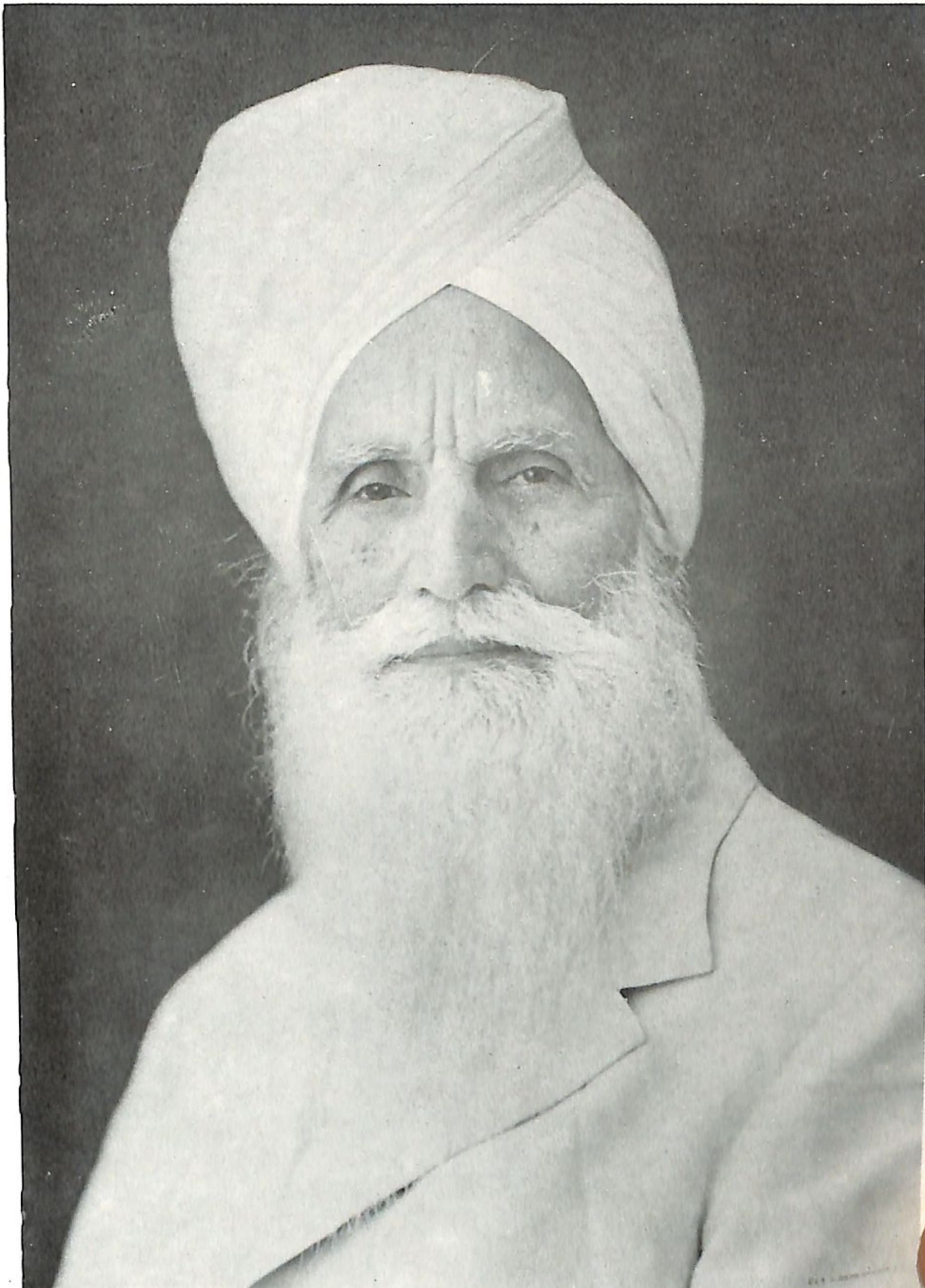
ایک دفعہ پھر ان کاغذات کو ان کے کمرہ کے گوشہ تنہائی میں لمبی قید کاٹنی پڑی ۔ 1959 میں اپنی وفات سے دو ہفتہ پہلے یہ کاغذات مجھے واپس کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ " تمہاری یہ امانت تمہیں واپس کر رہا ہوں۔ لیکن نہیں، اب تو یہ میری امانت ہے ۔ اسے اپنے پاس ہی نہ رکھ لینا۔" اس کے بعد اپنی بات کی دُرستی کرتے ہوئے فرمایا، "یہ نہ تو تمہاری امانت ہے، نہ میری۔ یہ حضور مہاراج جی کی امانت ہے ۔ جس کی ہے، اسی کو سونپ دو۔ کہیں بھول نہ جانا۔" اور اس کے بعد پھر ہم کبھی نہ مل سکے ۔

اب اس کتاب کو میں اپنے مالک موجودہ مُرشد کامل کے مقدس قدموں میں پیش کرتا ہوں۔ وہ جیسا مناسب ہو اس کا استعمال کریں ۔

میرا مجھ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تور
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے گا مور
(کبیر صاحب)

دریائی لال کپور

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ
یکم اکتوبر 1963



تصویر جس کا بیان نہیں کر سکتی

درویش کامل، پرم سنت، حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی کی تصویر، جو اس کتاب میں دی گئی ہے، اُن کے ساتھ انصاف نہیں کرتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی تصویر یا فوٹو ان کے شہنشاہی اور رُوحانی جلال سے جگمگاتی ذات کی عکاسی نہیں کر سکتی۔ وہ شہنشاہ درویشاں تھے۔ ہمیشہ شیریں مسکراہٹ لئے، دلپذیر و پُر کشش چہرہ پر نور اور شفقت و مہر سے بھرپور ان کی ذات کو کوئی کیمرہ معکوس نہیں کر سکتا۔ ان کی روحانی جلال سے پُرنور آنکھوں کی نگاہ پُر حیات کی کون تصویر اتار سکتا تھا۔ نہیں، خدا کو کاغذ پر کوئی شکل دینا ممکن نہیں۔

لمبے، دبلے، اونچے قد اور لمبے بازوؤں کے ساتھ ان کی شان ہی نرالی تھی۔ جب وہ پاس سے گزرتے تو ناواقف لوگ بھی ان کی پُر کشش ذات کو دیکھنے کے لئے یکایک رُک جاتے۔ ان کی چمکتی پیشانی، سانچے میں ڈھلے جسم، لہراتی ہوئی سفید خوبصورت داڑھی، گلابی آمیزش لئے گندمی رنگ، چوڑے سینے اور کندھے کا تو کچھ بیان کیا بھی جا سکتا ہے۔ لیکن ان کی نورانی آنکھوں سے نکلنے والی محبت، شفقت اور رحمت کی مسلسل لہروں کی کون تصویر اتار سکتا ہے! (عکاسی کر سکتا ہے) ان کی زبان مبارک سے کبھی کسی نے کڑوے الفاظ نہ سنے تھے۔ ان کی مہر و رحمت لامحدود تھی۔ وہ بڑے سے بڑے گنہگار کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ مرد عورت اور بچے سب یہی کہتے تھے کہ حضور مجھے ہی سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔

ایک بار ایک ماہر فوٹو گرافر نے حیران کُن لہجہ میں مجھ سے کہا:-

"میں نے بڑے بڑے راجاؤں مہاراجاؤں مہارانیوں، بیگموں، شاہزادوں، راجکماروں،

وائسراؤں، گورنروں اور سیاسی و مذہبی راہ نماؤں کے فوٹو لئے ہیں۔ لیکن حضور مہاراج جی کے اندر کوئی ایسی چیز ہے، جسے میرا کیمرہ کبھی پکڑ ہی نہیں پاتا۔ میں کہہ نہیں سکتا، وہ چیز کیا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسی چیز ہے، جسے فوٹو میں اتارنے میں میری امریکہ اور یورپ کی ساری ٹریننگ ناکام ثابت ہو رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ کوئی جسمانی یا مادی چیز نہیں ہے بلکہ ضرور ہی کوئی رُوحانی یا نوری عنصر ہے، جسے میرا کیمرہ پکڑ نہیں پاتا ہے۔"

حضور مہاراج جی کی مختصر سوانح حیات

حضور مہاراج ، بابا ساون سنگھ جی کی پیدائش موضع جٹانہ ، ضلع لدھیانہ ، پنجاب کے ایک معزز گریوال ، جاٹ خاندان میں ، 20 جولائی 1858 کو ہوئی تھی ۔ حضور کے والد محترم سردار کابل سنگھ ہندوستانی فوج میں صوبیدار میجر تھے ۔ ان دنوں انگریزی راج میں ہندوستانیوں کے لئے یہ سب سے اُونچا عُہدہ تھا ۔

بچپن سے ہی حضور میں ذہانت ، تیز فہم اور عشقِ الہی کے آثار دکھائی دینے لگے ۔ وہ اپنے والد کے ساتھ ، گاؤں میں آنے والے ہر سادھو ، فقیر سے ملنے جایا کرتے ۔ انھوں نے دس سال کی عمر میں ہی گرنتھ صاحب کا ایک پاٹھ پورا کر لیا تھا ۔ وہ بچپن ہی میں گورو نانک صاحب کے جپ جی اور گورو گوبند سنگھ جی کے جاپ صاحب ، کو زبانی سُنا سکتے تھے ۔ اپنے دادا سے ملی خاندانی روایات کی تعلیم کے مطابق وہ اپنے بلند اخلاق ، فراخ دِلی اور محبت الہی کے لئے جلد ہی مشہور ہو گئے ان اوصاف کے علاوہ قدرت نے انھیں بہت ہی خوبصورت اور تندرست جسم عطا کیا تھا ۔ وہ رُڑکی انجینئرنگ کالج سے انجینئر کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہندوستانی فوج کی انجینئر نگ سروس میں ملازم ہو گئے ، جہاں انھوں نے قریب 28 سال تک ملازمت کی ۔ حالانکہ ریٹائر ہونے میں ابھی وقت تھا ، تاہم اپنے انگریز افسران کی ترغیب و خواہش کے باوجود ، قبل از وقت اپریل ، 1911 میں ریٹائر ہو گئے ، تاکہ دنیا کی آگ میں تڑپتی رُوحوں کو رُوحانی آرام و سکُون کی راہ پر لگانے کا اپنا اصلی کام سر انجام دے سکیں ۔

وہ اوائل عمر میں ہی ماہر استادوں کی زیر نگرانی ویدانت اور یوگ شاستر کا مطالعہ کر چکے

تھے ۔ ان کے پاس دولت ، عزت ، صحت ، اچھی ملازمت اور وہ سب کچھ تھا ، جس کی ایک انسان آرزو یا تمنا کر سکتا ہے ۔ لیکن باوجود ان کے ، وہ اپنے اندر ایک ایسی چیز کی کمی محسوس کر رہے تھے ، جو انھیں حقیقی سکون و مسرت بخش سکے ۔ ان کی رُوح کو ایک ایسی چیز کی تلاش تھی ، جو اس مادی دنیا میں نہیں ملتی ۔ وہ اپنے مالک سے وصال کے لئے بے تاب تھی ۔ ان کی یہ رُوحانی پیاس کہیں بجھ نہیں پا رہی تھی ۔

اپنی ملازمت کے سلسلے میں حضور کئی برس مری پہاڑ پر رہے ۔ وہاں انھیں مختلف فرقوں اور مذاہب کے سادھوؤں اور فقیروں سے ملاقات کا موقعہ ملا ۔ مری کشمیر میں مشہور تیرتھ ستھان ، امر ناتھ کے راستے میں واقع ہے ۔ ہر سال ، ہر فرقے کے فقیر و سادھو امر ناتھ جاتے ہوئے مری سے ہو کر گزرتے تھے ۔ حضور کے گھر پر ہر وقت کوئی نہ کوئی سادھو ، سنیاسی یا فقیر ٹھہرا ہی رہتا تھا ۔ ان کا گھر امر ناتھ جانے والے فقیروں اور سادھوؤں میں بنا پیسے کے گیسٹ ہاؤس یا ریسٹ ہاؤس کے طور پر مشہور تھا ۔

ایک بودھ بھکشو سے انھوں نے بودھ اور جین مذہب کی کتب کا مطالعہ کیا لیکن تسلی نہ ہوئی ۔ وہ تو جیتے جی اپنی آنکھوں سے خدا کا دیدار کرنا چاہتے تھے ۔ بعد از موت نجات کی بات انھیں جچتی نہ تھی ۔ اگر وہ خالق سب کا باپ ہے اور سب انسان اس کی اولاد ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ اسے اپنی زندگی میں نہ دیکھ پائیں یا اس سے بات نہ کر سکیں ۔ ایک امریکن پادری نے جس کے ساتھ انھوں نے بائیبل کا مطالعہ کیا ، ان کے سامنے یہ اعتراف کیا کہ وہ بھی ایسا کوئی راستہ یا طریقہ نہیں جانتا ، جس کے ذریعہ خدا کو جیتے جی پایا جا سکے ۔ انہیں دیگر لوگوں نے بھی اپنے اپنے فرقے اور اپنے اپنے رسم و رواج کی طرف کھینچنے کی کوشش کی ۔ وہ تبت کے لاماؤں سے بھی ملے لیکن ان کا طریق عبادت بھی انہیں پاتنجلی کے "یوگ مارگ" سے اُونچا لیجانے والا نہ معلوم ہوا اور "پاتنجلی یوگ" کا مطالعہ وہ پہلے ہی کر چکے تھے ۔

یہ واقعہ ان کی تلاش حق کے دوران، 1894 کا ہے۔ ان کے ایک دوست بابو کاہن سنگھ نے ان کو بتایا کہ ایک بہت بڑے فقیر، بابا جیمل سنگھ جی مری آئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے آپ سے کہا، " آپ ہمیشہ ایک خدا رسیدہ، مرشدِ کامل کی تلاش میں رہے ہیں۔ میرے ساتھ چلئے میں آپ کو ایسے درویش کامل سے ملاتا ہوں۔ "

بابا جیمل سنگھ جی کے ساتھ ہوئی تین چار ملاقات میں ہی حضور کے سب شبہات مٹ گئے اور انہیں پوری تسلی ہو گئی۔ انہیں محسوس ہوا کہ جو کچھ وہ چاہتے تھے، انہیں مِل گیا ہے۔ بابا جی نے انہیں "سُرت شبد یوگ" یعنی "سلطان الاذکار" کا درس دیا، جس کا ذِکر و بیان انہوں نے گرنتھ صاحب اور دوسرے فقیروں اور سنتوں کی بانیوں و کلام میں پڑھا تھا۔

حضور مہاراج جی کو "نام دان" دیتے وقت یعنی بیعت کرتے وقت بابا جیمل سنگھ جی نے فرمایا کہ وہ ان کے (ساون سنگھ جی مہاراج کے) لئے ہی اتنی دُور چل کر مری آئے ہیں۔ انہوں نے کہا "ان کی ایک امانت میرے پاس رکھی تھی وہ آج میں نے انہیں سونپ دی۔"

حضور مہاراج جی اس وقت چھتیس برس کے تھے اور مری پہاڑ پر فوج میں بطور انجینئر ملازم تھے لیکن ملازمت سے ان کا دِل اچاٹ ہو گیا تھا اور دنیاوی زندگی سے بھی اداس ہو چکے تھے۔ انہوں نے کئی بار بابا جی سے عرض کی کہ وہ انہیں ڈیرہ 1 میں اپنے مبارک قدموں میں رہنے کی اجازت دیں لیکن ان کی یہ عرض ہر بار یہ کہہ کر نامنظور کر دی جاتی تھی،

---

1 یہ وہ چھوٹی سی بستی تھی، جہاں بابا جیمل سنگھ جی رہتے تھے۔ یہی اب ڈیرہ بابا جیمل سنگھ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ دریائے بیاس کے مغربی کنارے پر ہے اور شمالی ریلوے کے بیاس اسٹیشن سے پانچ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی ملازمت سے سُبکدوش ہو کر یہیں رہے۔ آج یہ ایک بڑی کالونی ہے اور اسے رادھا سوامی کالونی، بیاس ہی کہتے ہیں۔

"وقت آنے دو، آپ جی بھر کر ڈیرہ میں رہو گے۔"

1911 اپریل کے پہلے ہفتہ میں حضور ریٹائر ہوئے اور اس کے بعد روز رحلت یعنی 2 اپریل 1948 تک ڈیرہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ اس دوران انہوں نے ایک لاکھ چھبیس ہزار روحوں کو "نام دان" بخشا۔ جب انہوں نے باقاعدہ ڈیرہ میں ست سنگ شروع کیا، اس وقت پنجاب میں ست سنگیوں کی کُل تعداد قریباً دس ہزار تھی اور سالانہ بھنڈاروں میں تقریباً دو تین سو آدمیوں سے زیادہ جمع نہیں ہوتے تھے (آج کل بھنڈاروں لاکھوں کی تعداد میں سنگت آتی ہے)

بابا جیمل سنگھ جی مہاراج نے صرف چوبیس سو لوگوں کو "نام" بخشا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عظیم درویش جسے دراصل کام کرنا ہے، میرے بعد آئے گا۔ وہ کئی بار کہا کرتے تھے کہ وہ مجھ سے دس گُنا طاقت، مہر اور بخشش لے کر آئے گا۔

جب حضور مہاراج نے پنجاب میں روحانی کام کا آغاز کیا، اس وقت یہ دس گوروؤں کی سر زمین، سنتوں اور فقیروں کی روحانی تعلیم کو قطعئی فراموش کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے عالم و فاضل بھی گورو نانک صاحب کی تعلیم کو یوگ اور ویدانت کے درجے تک مطابقت دینے میں بڑائی سمجھنے لگے تھے۔ پانچ نام کا راز بالکل پوشیدہ ہو چکا تھا "سُرت شبد یوگ" (سلطان الاذکار) اور انحد شبد کے مارگ یعنی نغمہء ربی کے طریق سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔ سنت مت کے اس بنیادی اصول: "بغیر مُجسّم مُرشدِ کامل کے کِسی کو بھی نجات حاصل نہیں ہو سکتی" کی کھلے عام مخالفت ہونے لگی تھی۔ سنتوں اور فقیروں نے بُت، پانی، درختوں وغیرہ کی، جس پرستش کی مناہی و مخالفت کی تھی، اس کی جڑیں ان پڑھ لوگوں میں گہری جم گئی تھیں۔ جو پڑھے لکھے تھے، وہ انگریزی تعلیم کے زیر اثر خدا کی ہستی سے مُنکر ہوتے جا رہے تھے۔ ایک طرف تو لوگ خدا کی ہستی سے مُنکر ہو رہے تھے اور ملک میں ان لوگوں کی

کچھ انجمنیں اور کمیٹیاں بنائی جا رہی تھیں، دوسری طرف مذہبی بحث مباحثے اور مذہبی جھگڑے زوروں پر تھے۔ خدا پر یقین قریب قریب اُٹھ چکا تھا اور لوگ تیزی سے لامذہب ہوتے جا رہے تھے۔

شاید ان تمام باتوں کی اس مالک کے رحمت کے سمندر کو لہرا کر موجزن کرنے کے لئے اشد ضرورت بھی تھی۔ ان دنوں امرتسر، لاہور، لدھیانہ، ہوشیارپور، انبالہ اور دہلی میں بہت تھوڑے ست سنگی تھے۔ جالندھر شہر میں، جہاں آج کئی ہزار ست سنگی ہیں، ان دنوں فقط سردار بھگت سنگھ جی واحد ست سنگی تھے۔

دوسرے فقیروں اور سنتوں کی مانند حضور مہاراج جی کو بھی ان دنوں چاروں طرف سے بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہندو مذہب کے ہر فرقے نے دل و جان سے مخالفت کی۔ رادھا سوامی مت کے گورو اور پیرو کاروں کے خلاف طرح طرح کی افواہیں اڑائی گئیں اور انہیں بدنام کرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی۔ انہیں "آدم پرست"، بھوت پریت پر اعتقاد رکھنے والے، جوٹھن کھانے والے وغیرہ وغیرہ کہا جانے لگا۔

لیکن وہ کیا تعلیم دیتے تھے؟ ان کی تعلیم بھی گورو نانک، کبیر، داڈو، پلٹو، تُلسی صاحب، رویداس وغیرہ سب سنتوں کی طرح بڑی صاف اور آسان تھی۔ ان کی تعلیم تھی "بغیر خدا سے ملے حقیقی صبر و سکون حاصل نہیں ہو سکتا اور خدا باہر کہیں بھی نہیں مِل سکتا۔ ہمارا جسم ہی اصلی مندر اور مسجد ہے، جس میں وہ مقیم ہے۔ کسی ایسے انسان کو تلاش کرو، جس نے اپنے اندر اس کا دیدار کیا ہو اور جو دوسروں کو بھی اندر لے جا کر 'اس' سے ملا سکے۔" اس میں کون سی قابلِ اعتراض یا غلط بات ہے؟ یہ وہی حقیقت ہے جس کا بیان عیسیٰ مسیح، محمد صاحب، زردشت، نانک، کبیر اور دیگر فقرائے کامل اور سنتوں نے کیا ہے۔ لیکن دنیا لکیر کی فقیر ہے۔ لوگ اپنے مذہب کی اصلیت کو تب تک سُننے یا سمجھے کو تیار نہیں ہوتے،

جب تک کہ ان کو ان ہی کے مذہب کے لوگ ان ہی کی پرانی رسومات، روایات، رواجات اور طور طریقوں کے مطابق نہیں سمجھاتے ۔ لیکن تب بھی حضور مہاراج جی ان کو اپنی بات سُنانے میں کامیاب ہوئے ۔

پرانا ست سنگ گھر تو دو تین سال ڈیرہ میں ہی ست سنگ کے لئے آنے والی سنگت کے لئے بہت چھوٹا ہو گیا اس کے بعد بڑا ست سنگ گھر (بابا جیمل سنگھ ہال) بھی، جسے قریب دس ہزار لوگوں کے بیٹھنے کے لئے بنایا گیا تھا، چھوٹا رہ گیا ۔اب اسے نام دان کے کام میں یا کبھی کبھی ست سنگ کے کام میں لایا جاتا ہے ۔

حضور نے ایک بار فرمایا تھا کہ کتنا ہی بڑا ست سنگ گھر بنوا لیں، آئندہ ست سنگ کُھلے میدانوں میں کرنا پڑے گا ۔ تب سے ڈیرہ میں اور باہر بھی، جہاں بھی سنگورو ست سنگ دینے جاتے ہیں، عموماً ست سنگ کُھلے میدانوں میں سینکڑوں شامیانوں کے نیچے دیئے جاتے ہیں لیکن اتنے شامیانے بھی کئی جگہ کم رہ جاتے ہیں اور لوگوں کو باہر دھوپ میں کھڑا رہنا پڑتا ہے ۔

حضور مہاراج جی کے لمبے دوروں کو بالتفصیل بتانے کے لئے کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں ۔ لوگ ان کے کرشمات کو بیان کرتے رہتے ہیں اور ان کی مہر و محبت، رحمت و شفقت اور بخشش کو، ان کے دِن رات کام کرنے کی طاقت کو متلاشیانِ حق کی رُوحانی تشنگی کو بُجھانے کے لئے آدھی آدھی رات جاگتے رہنے کو، آج بھی یاد کرتے ہیں ۔ حضور دُور دراز کے پہاڑی علاقوں کا دَورہ کرتے ۔ وہ پہاڑی لوگ بے چارے اتنے غریب ہوتے تھے کہ ان کے پاس ڈیرہ تک آنے کا پورا کرایہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اپنا آدھے سے بھی زیادہ سفر خوشی خوشی پیدل طے کرتے تھے ۔ حضور نے گورو نانک اور کبیر کی طرح (شاید سب فقیروں و سنتوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے) پشاور سے بمبئی تک اور کراچی سے کلکتہ تک سفر کیا اور خود کو بھُولے ہوئے، کُفر کی طرف بڑھتے ہوئے، توہمات میں اُلجھے ہوئے لوگوں کو غفلت کی نیند

سے بیدار کیا اور ان کے اندر عشقِ الٰہی اور اپنے مقام حقیقی (اصلی گھر) کو لوٹنے کا شوق بیدار کرنے کے لئے جگہ جگہ پر ست سنگوں کی بخشش کی۔

انہوں نے پشاور، راولپنڈی، ایبٹ آباد، کالاباغ، کوہاٹ، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، جہلم، گوجراں والہ، وزیر آباد، سیالکوٹ، جموں، لائل پور، ملتان، منٹگمری، اوکاڑہ، سرگودھا، شیخوپورہ، انبالہ، دلی، روہتک، روپڑ، حصار، ہوشیارپور، کانگڑہ، پالم پور، شملہ، فیروزپور وغیرہ اور دیگر کئی جگہوں پر ست سنگ فرمائے۔ وہ لاہور، امر تسر اور جالندھر تو اکثر ہر ماہ ست سنگ کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ کپورتھلہ، پھگواڑہ، پھلور، سلطان پور لودھی، ڈھلواں، بٹالہ، ترن تارن، گورداس پور، دسوہہ، فاضلکا، موگا، جگادھری اور دوسرے سینکڑوں قصبہ جات اور گاؤں تک میں بھی ست سنگ بخشتے رہے۔

پنجاب کے قریباً تمام بڑے شہروں میں ست سنگ گھر تعمیر ہو گئے تھے۔ راولپنڈی، ملتان، لاہور، منٹگمری (جو پاکستان میں واقع ہیں) امر تسر، جالندھر وغیرہ میں کافی خرچ سے شاندار ست سنگ گھر تعمیر ہوئے۔ آج نہ صرف پنجاب کے شہروں و چھوٹے چھوٹے قصبوں میں ہی ست سنگ گھر بنے ہیں بلکہ دور دراز پہاڑی غلاقوں میں بھی موجود ہیں۔ ان علاقوں میں حضور نے خاص ست سنگ مرکز مقرر کئے۔ پرور (پالم پور کے پاس)، کالو کی بڑ (بھروائیں بنگلے کے پاس)، بھوٹہ (اونہ کے پاس)، منڈی (مشہور پرانی منڈی ریاست) میں بڑے خوبصورت ست سنگ گھر بنے ہوئے ہیں۔ پنجاب کے مشہور صحت افزا مقام، ڈلہوزی میں بھی حضور نے تین بڑے خوبصورت مکان خریدے۔ حضور ان ست سنگ مراکز پر ہر سال کم از کم ایک ہفتہ کے لئے ضرور جایا کرتے تھے۔ حضور جب ان مقامات پر تشریف لے جاتے تو ست سنگیوں کی کافی تعداد اپنے مُرشد کی عظمت کے گیت گاتی ہوئی جمع ہو جایا کرتی تھی۔ پہاڑی لوگوں کے لئے ہر سال یہ موقعہ ایک بڑے میلے جیسا ہوتا تھا، یہاں تک کہ غیر ست سنگی

بھی اپنی دُشمنی اور مخالفت بھول جاتے تھے اور ان میں سے کئی لوگ تو سرِ عام اعتراف کرتے تھے کہ بیاس والے مہاراج جی نے کم از کم ان کی گوشت خوری، شراب نوشی اور بدچلنی کی عادات ترک کرا دی ہیں۔ یہ وہی سرزمین ہے، جہاں آج سے قریب تین سو سال پہلے 34 ریاستوں کے راجپوت راجاؤں نے گورو گوبند سنگھ جی کے پیغام کو سُننے سے انکار کر دیا تھا اور ان کے خلاف دُشمنوں کی صف میں جا شامل ہوئے تھے۔

حضور مہاراج جی نے پنجاب کے بعد ہندوستان کے دیگر صوبہ جات میں بھی 'نام' کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا۔ وہ 1930 میں دیوان تیجو مل بھوونانی کی درخواست پر سندھ کے کراچی، حیدر آباد، سکھر اور دوسرے شہروں میں بھی گئے۔ ان دنوں دیوان صاحب واحد سندھی ست سنگی تھے۔ کراچی میں پہلے دو دن ان کے بنگلے کے باغیچے میں ہی ست سنگ ہوا۔ ان دو دِنوں میں لوگوں کی تعداد بہت کم تھے۔ دیوان بھوونانی نے مشورہ دِیا کہ اشتہار چھپوا کر شہر میں تقسیم کرائے جائیں تا کہ لوگوں کو حضور کی آمد کی خبر ہو جائے۔ حضور اس طرح کی شُہرت کو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا، "دیوان صاحب، تھوڑا انتظار کیجیئے۔ آپ کا کافی پروپیگنڈا مفت ہو جائے گا۔ اور اشتہار تقسیم کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے گی۔"

تیسرے دِن کسی شخص نے کراچی کے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے اس طرح کے اشتہار بانٹے "بیاس والے سنت سے ہوشیار رہیں۔ وہ فقیروں و سنتوں کی بانی و کلام کے غلط معنی بتلاتا ہے اور لوگوں کے دماغ کو خراب کرتا ہے۔" لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن شام کو ست سنگ سننے اتنی خلقت آئی کہ اگلے دن سے ست سنگ سمندر کے کنارے کھُلے میدان میں کرنا پڑا۔

حضور اتر پردیش کے بلند شہر، خرُجہ، پساوہ، میرٹھ، سہارنپور وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں بھی گئے۔ حضور شری منت راجا صاحب سانگلی کی عرض پر مہاراشٹر میں سانگلی

ریاست میں بھی تشریف لے گئے۔ انہوں نے سانگلی تشریف لے جاتے ہوئے کچھ ست سنگ بمبئی شہر میں بھی فرمائے جو کہ دولت و مادہ پرستی کا مرکز ہے۔ انہوں نے اس دورے میں پونہ میں جنرل راجواڑے اور ان کی بیوی، رانی لکشمی بائی راجواڑے کے بنگلے پر بھی ست سنگ فرمائے۔ واپسی پر وہ امراوتی کے مشہور وکیل سر مورو پنت جوشی (جو کسی وقت گورنر کی انتظامیہ کونسل میں محکمہ داخلہ کے ممبر رہ چکے ہیں)، کے سی۔ ایس۔ آئی۔ کی عرض پر امراوتی بھی رُکے۔ ان سب مقامات پر حضور کے ست سنگ کو سننے کے لئے اتنی خلقت جمع ہو جاتی تھی کہ ہال اور شامیانے کچا کچ بھر جاتے تھے اور لوگوں کو باہر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ سانگلی میں راجہ صاحب اور رانی صاحبہ نے اپنا محل خالی کر دیا اور اپنے راجکمار اور راجکماریوں کو لے کر خیموں میں رہے۔ ہر جگہ حضور کے فرمان بڑے دھیان سے اور ہمہ تن گوش ہو کر سُنے جاتے تھے۔

حضور مہاراج جی کے ان لمبے دوروں نے "سنت مت" کے پیغام کو ملک کے کونے کونے میں میں پھیلا دیا اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ، "سنت مت" کی طرف کھنچے چلے آئے۔ ہر مذہب، ذات اور خیال کے عورت، مرد، ہندو، مسلمان، یہودی، عیسائی، پارسی، جین، بودھ، بنگالی، مدراسی، گجراتی اور مراٹھی سب ہی "سنت مت" کی طرف اپنے آپ کھنچے چلے آنے لگے۔

حضور مہاراج جی کے ڈیرہ میں کام شروع کرنے سے پہلے ایسے حالات تھے کہ رادھا سوامی ست سنگی پوشیدہ رہنے میں ہی عقلمندی سمجھتے تھے لیکن حضور نے ست سنگیوں کے دلوں میں اتنی ہمت اور دلیری بھر دی کہ وہ اس حقیقت کا بے خوفی سے اعتراف کرنے لگے اور آج اپنے آپ کو "سنت مت" کا پیرو کار کہنے میں خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ آج ست سنگیوں کے بارے میں بڑے سے بڑا نکتہ چین بھی مانتا ہے کہ یہ لوگ گوشت اور

شراب سے دُور رہتے ہیں، پاکیزہ اور ایماندارانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے دِل خدا کی عبادت اور عِشق سے سر شار ہیں۔

ایک وقت تھا جب پنجاب میں کوئی رادھاسوامی مت کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ آج ہندوستان میں شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک لاکھوں لوگ اس کے پیرو کار ہیں۔ کسی گاؤں یا قصبہ میں چلے جائیے، آپ کو ست سنگی بھائی ضرور ملیں گے۔ بمبئی میں اب ست سنگیوں کی تعداد چار ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ پچھلے دنوں وہاں ایک ست سنگ ہال بنایا گیا ہے، جو بمبئی شہر کے بڑے ہالوں میں سے ایک ہے۔ دہلی میں ہفتہ واری ست سنگ الگ، الگ سات جگہوں پر ہوتے ہیں 1۔ ان میں آنے والے لوگوں کے لئے ایک ہی مقام پر اتنی جگہ نہیں ہے اور پھر دہلی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں فاصلہ بھی بہت ہے۔

حضور مہاراج جی نے "سنت مت" کی تعلیم کی تبلیغ و اشاعت نہ صرف ہندوستان میں ہی کی، بلکہ ان کی رحمت سے "سنت مت" کا گیان غیر ملکوں میں بھی پھیل چکا ہے۔ نتیجہ کے طور پر آج انگلینڈ، امریکہ، کنیڈا، افریقہ سوئٹزلینڈ، سویڈن اور دوسرے ممالک میں ست سنگ سینٹر چل رہے ہیں۔ ہر سال موسم سرما میں دنیا کے دوسرے ملکوں سے متلاشیان حق ڈیرہ آتے ہیں اور مُرشدِ کامل کے قدموں میں باعقیدت بیٹھ کر روحانیت کا پیغام سُنتے اور گفتگو کرتے ہیں۔ دراصل ڈیرہ آج دنیا میں رُوحانیت کے مشہور مراکز میں سے ایک ہے۔

حضور نے سوامی جی کے "سار بچن وار تک" کا پنجابی زبان میں ترجمہ کیا اور خود سنتوں کے فلسفہ پر، "گورمت سدھانت" نام سے ایک کتاب، جو دو بڑے حصوں پر مُشتمل

---

1 دہلی میں آج کل 14 جگہوں پر ست سنگ ہوتے ہیں۔ چھتر پور میں ایک بہت بڑا ست سنگ گھر ہے، جہاں حضور مہاراج جی آج کل ست سنگ کرنے جایا کرتے ہیں۔

ہے اور جس کے تقریباً دو ہزار صفحات ہیں، لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ اب ہندوستان کی کئی زبانوں اور انگریزی زبان میں ہو چکا ہے۔

امریکہ کے سرجن ڈاکٹر جولین جانسن ایم اے، ایم ڈی، بی ڈی 1932 سے 1939 تک ڈیرہ رہے اور انھوں نے دو کتابیں لکھیں "ود اے گریٹ ماسٹر ان انڈیا" اور "پاتھ آف دی ماسٹرز" یہ کتابیں سنت مت کے انگریزی دان متلاشیانِ حق کے لئے سب سے اونچے درجے کا ادب بن گئی ہیں۔ کچھ ہی سال میں ان کتابوں کے تین چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کتابوں کی کتنی مانگ ہے حال ہی میں "پاتھ آف دی ماسٹرز" کا ایک ایڈیشن امریکہ میں بھی شائع ہوا ہے۔ ایک اور ست سنگی کرنل سی ڈبلیو۔ سینڈرس (جو ہندوستان میں فوجی کمیشن سلیکشن بورڈ کے صدر تھے) نے ایک بے حد معلوماتی اور پُرخیال کتاب "دی اِنر وائس" کے نام سے لکھی ہے، جس کے انگریزی اور ہندوستانی زبانوں میں کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور جرمن، فرینچ اور ہسپانوی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس سے یورپ اور امریکہ میں سنت مت کو ہر دلعزیز بنانے میں بڑی مدد ملی ہے۔

حضور مہاراج جی کی ذاتی زندگی سادگی سے بھرپور تھی انھوں نے اپنی زندگی میں کسی آدمی سے، خواہ وہ ست سنگی ہو یا غیر ست سنگی اپنے خرچ کے لئے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا۔ وہ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ انسان کو اپنی خود کی کمائی پر گذارہ کرنا چاہئے۔ ضلع حصار، تحصیل سرسہ کے سکندر پور گاؤں میں کاشت کاری کے لئے کافی زمین ان کی اپنی ذاتی ملکیت تھی۔ آپ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی ساری زمین، جائداد اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دی۔

اپنے مرحوم دوست پروفیسر جگموہن لال کے لکھے نوٹ کو دے کر اس مختصر سوانح حیات کو پورا کیا جاتا ہے:

"بیاس کے چھوٹے اور معمولی ریلوے سٹیشن سے قریب تین میل دور دنیا داری

کے فضول جھگڑے فسادوں سے پرے، تنہائی میں "بیاس کے سنت" کے نام سے مشہور ایک کامل فقیر رہتے تھے۔"

"نہ تو وہ تارک الدنیا (سنیاسی) تھے نہ ہی کوئی چلہ کش (تپسوی) آپ نہ کبھی گیروے کپڑے پہنتے تھے، نہ ان کے مُرید ہی کبھی ایسے کپڑے پہنتے ہیں، ماسوا ان کے، جو اس سے پہلے سنیاسیوں کے کسی فِرقہ میں رہے ہوں۔ وہ صاف و سفید کپڑے پہنتے تھے، جیسا کہ ان کے مُرشدِ بابا جیمل سنگھ پہنا کرتے تھے۔ پھر بھی آپ کی زندگی دنیا سے لاتعلق انسان جیسی تھی اور گوُرونانک دیوجی نے جو اصول رکھا، اس کی وہ جیتی جاگتی مثال تھے۔

جیسے جل مہِ کمل نرالم مرغائی نیسانے

سُرت سبد بھوساگر تریئے نانک نام بکھانے

"جیسے کنول پانی میں رہتا ہوا بھی بھیگتا نہیں اور مرغابی پانی میں رہتی ہے مگر جب اڑتی ہے، خشک پروں کے ساتھ، اے نانک، اسی طرح رہتے ہوئے اس دنیا کے سمندر کو (اس میں آلودہ ہوئے بغیر)، سلطان الاذکار کے عمل یعنی سُرت شبد ابھیاس کے ذریعہ سے عبور کرے۔"

"اس شعر یا بیت کے کچھ ہی الفاظ میں بڑی خوبی کے ساتھ ان کی ظاہری اور باطنی زندگی کا خلاصہ آگیا ہے۔"

"ان کے فرمان اور پیغام اتنے آسان، اور مُشکل مضامین کی وضاحت اتنی آسان ہوتی تھی کہ ایک سیدھا سادہ اور ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ سکتا تھا لیکن پھر بھی یہ فرمان اتنے گہرے اور پُر معنی ہوتے تھے کہ کئی بار بڑے بڑے عالم اور فلاسفر بھی ان کے اندرونی جذبے کی گہرائی پر حیران رہ جاتے تھے۔"

"انھوں نے کبھی کوئی نئی، نرالی یا خود ساختہ چیز ظاہر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ویسے اس دنیا میں کوئی نئی بات ہے بھی نہیں۔ نئی بوتلوں میں وہی پرانی رُوحانی شراب ہے،

جیسے کبیر، نانک، دادو، پلٹو، حافظ، مولانا روم اور شمس تبریز نے اپنے وقت میں کچھ گِنے چُنے لوگوں کو پلایا تھا"۔

حضور بابا ساون سنگھ جی مہاراج کا یہ قول تھا کہ فقرائے کامِل خود ہی ایک انجمن یا جماعتِ ہوتے ہیں۔ وہ کسی مذہب، ذات یا ملک کے پابندنہیں ہوتے۔ ایک فقیر کامِل رُوحانی کام کو جہاں چھوڑ کر چلا جاتا ہے، دوسرا فقیر کامل وہیں سے اسے سنبھال لیتا ہے۔ ان کا پیغام بنی نوعِ انسان کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

گورو نانک صاحب فرماتے ہیں :

" کھتری، برہمن، سُود، ویس، اپدیس چھوں ورنا کو ساجھا"

میرا پیغام کشتری، برہمن، شُودر اور ویش سب کے لئے یکساں ہے۔

"بابا ساون سنگھ جی مہاراج کے قریب 126000 مُرید تھے، جِن میں سب طرح کے لوگ تھے۔ سیدھے سادے دیہاتی، کسان، عام روزگار کرنے والے، عقلمند تاجر، عالِم، فاضل، پروفیسر، وزیر، راجہ اور مہاراجہ سبھی تھے۔ ہر ماہ کے آخری اِتوار کو، جب ماہانہ ست سنگ ہوتا تھا تو ملک کے کونے کونے سے لوگ اُن کے پیغام اور ان کے ذریعہ کی گئی فقرا و سنتوں کی بانی و کلام کی وضاحت سُننے کے لئے جمع ہوتے تھے۔ ان کی بات اندرونی علِم اور ذاتی تجربہ پر مبنی ہوتی تھی۔ ست سنگ میں لوگوں کی تعداد 20 ہزار سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی لیکن خاموشی ایسی جیسے کہ پتہ تک نہ ہِل رہا ہو۔"

حالانکہ ان کے ہزاروں مُرید تھے جو عقیدت و ادب سے ان کی پرستش کرتے تھے لیکن وہ خُود، عاجزی اور اِنکساری کا نمونہ تھے۔ کوئی بھی حق کا متلاشی ان کے پاس کسی وقت بھی آسکتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے سیکریٹری یا دیگر لوگوں کے منع کرنے کے باوجود، سونے اور آرام کرنے کے وقت بھی ان لوگوں کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

حضور فرمایا کرتے "آخر اس جسم کا اس سے بہتر اور کیا استعمال ہو سکتا ہے۔" اور کبھی کبھی دھیمی آواز میں مزید فرماتے، "آرام کی کمی تو خدا کے بندوں کی وراثت ہوتی ہے۔ وہ یہاں آرام کرنے نہیں بلکہ دوسروں کی خدمت کرنے اور ان کے لئے تکلیف اٹھانے آتے ہیں" اور اس طرح سب کو چُپ کرا دیتے۔

"وہ کوئی تحفہ یا نذرانہ قبول نہ کرتے تھے۔ وہ گورو نانک صاحب کے اس قول میں یقین رکھتے تھے :-

گھال کھائے کچھ ہتھوں دے نانک راہ پچھانے سے

(جو اپنی روزی خود کماتا ہے اور اس میں سے کچھ راہِ خدا دیتا ہے، نانک وہی مالک سے وصال کی راہ کو پہچانتا ہے)"

"ان کے پیرو کاروں کو بھی، جو زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھتے تھے، سخت حکم تھا کہ وہ اپنی خود کی کمائی پر ہی گزارا کریں، دوسروں کے تحفے اور خیرات پر نہ جئیں۔"

وہ قدرت اور اِنسان کے گہرے رازوں سے پُوری طرح واقف تھے۔ ہر ذات اور فِرقے سے متعلق ان کے ہزاروں پیرو کار ہندوستان میں ہی نہیں، یورپ اور امریکہ میں بھی تھے لیکن وہ حقیقی انسانیت اور اِنکساری سے اس طرح سرشار تھے کہ جس کی مثال کہیں نہیں مِلتی۔ انھوں نے بے شمار لوگوں کو علمِ باطن اور رُوحانی تجربات کی الگ الگ منزلوں تک پہنچنے میں امداد فرمائی۔ ان رُوحوں نے ان کے نوُری جلوے کے دیدار کئے اور ان سے راہ نمائی و امداد پائی۔ ان کی عظمت کا احساس کر کے لوگ ان کے قدموں میں سجدہ کر کے قدم بوسی کرنا چاہتے تھے لیکن وہ اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ وہ ہاتھ جوڑ کر مسکراتے ہوئے سب کا خیر مقدم کرتے اور کہتے تھے "میں تو ایک حقیر خِدمتگار ہوں۔ حقیر سے بھی حقیر خِدمتگار ہوں۔ آپ کی خِدمت اور مدد کرنا میرا فرض ہے۔"

ان کی رُوحانی تعلیم کا خُلاصہ

ان کی تعلیم تھی کہ انسان خود ایک بہت مقدّس عبادت خانہ ہے اور یہ عبادت خانہ ہی رُوحانیت کے متلاشی کے لئے پرستش کا مقام ہے۔اگر کوئی انسان تجربہ یا تلاش کرنا چاہے تو اس روحانی تلاش اور تجربہ کے لئے اور "اپنے آپ کو پہچاننے کے لئے" بھی سب سے بہتر تجربہ گاہ اپنے اندر ہی ملے گی۔سب فقرائے کامل نے "خدا کی بادشاہت" یا "مقام الٰہی" کو اِنسان کے اندر ہی بتایا ہے۔انسان یہ احساس تب ہی کر سکے گا جب وہ عاجزی اور صبر کے ساتھ 'کلمہ' ' شبد' یا نام کی کمائی یعنی ریاضت، میں لگے گا۔یہ وہی 'کلمہ' یا شبد ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ "وہ خدا کے ساتھ تھا۔اور خدا تھا" یہی آج بھی خدا ہے۔اور آج بھی یہ دوُر ظُلمات (کل یُگ) میں کسی کامل مُرشد کے مہر وکرم سے پایا جا سکتا ہے۔یہ 'شبد' یا 'کلمہ' نہ صرف دنیا کی بنیاد ہے بلکہ ہم سب کے اندر مسلسل گُونج رہا ہے۔گناہوں کے بوجھ سے دبی ہماری 'روح' اسی 'کلمہ' یا شبد کی کمائی سے اس بوجھ سے نجات پا کر خدا کے وصال کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہے۔

حضور مہاراج جی نے نہ کبھی کسی پر اصولوں کو زبردستی لادنے کی کوشش کی نہ انھوں نے کبھی یہ کہا کہ صرف اعتبار کر کے ہی کسی بات کو مان لینا چاہیئے۔بلکہ اس کے برعکس انھوں نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ہم ان کے اقوال کی حقیقت کی خود پڑتال کریں۔البتہ کچھ بنیادی باتوں کو عارضی طور پر مان کر چلنا ہی پڑتا ہے جیسے کام چلانے کے لئے جیومیٹری میں کچھ اندازوں کو مان کر چلنا پڑتا ہے۔

ان کا زاویۂ نگاہ وسیع تھا۔اس میں فرقہ داری کی بُو تک نہ تھی۔ وہ اپنے ست سنگوں میں اکثر آزادانہ مُسلمان کامل فقیروں اور صُوفیوں کے کلام سے مثالیں دیا کرتے تھے اور خاص طور پر قران کریم کی اس آیت پر بڑا زور دیا کرتے تھے "موتو قبل ان تموتو" یعنی "مرنے سے پہلے مرجاؤ" جب انسان ہر روز مرنا سیکھ لے یعنی جب چاہے، اپنے خیال کو پیشانی کے ایک خاص حصہ میں (دونوں آنکھوں کے درمیان) یکسو کرلے (اس وقت جسم ظاہرہ طور پر بے جان ظاہر ہوتا ہے) تب انسان موت اور موت کی تکالیف پر فتح حاصل کر لیتا ہے۔

حضور مہاراج جی کہا کرتے تھے کہ انسانی زندگی ایک قیمتی تحفہ اور نادر موقعہ ہے جو بار بار نہیں ملتا۔ ہم فقط جامہ انسان میں ہی اپنی نجات کا اہتمام کر سکتے ہیں یعنی نفس اور دنیاوی لذات و خواہشات سے چھٹکارا پا کر، اپنے اس اصل مقام، جہاں سے ہم آئے ہیں، کو واپس جا سکتے ہیں۔ اس منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے ہمیں ایک کامل مُرشد کے حکم میں رہ کر عمل کرنا ہوگا۔ وہ مُرشد کامل ہمیں نہ صرف طریقہ ہی بتائے گا بلکہ تب تک اندر راستہ دکھاتا رہے گا جب تک کہ ہم اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ جاتے ۔ ایسا مُرشدِ کامل جسم خاکی چھوڑ جانے کے بعد بھی اپنے مُریدوں کی نگاہبانی کرتا ہے۔اس بات کے ثبوت حضور کے کئی مُریدوں کے تجربے میں آئے ہیں۔

ایسے تھے، بابا ساون سنگھ جی مہاراج، جو "بیاس کے سنت" کے نام سے مشہور تھے ۔ انھوں نے 45 سال تک روحوں کی راہ نمائی کا لامثال کام کیا اور 2 اپریل 1948 کو 90 برس کی عمر میں اس جسمِ خاکی کو الوداع کہا۔"

گفتگو کا آغاز

تاریخ ماہ یا سال کا تو مجھے خیال نہیں کیونکہ ان کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ ایک بار موسم سرما کی رخصت میں لاہور کے ڈسٹرکٹ وسیشن جج رائے بہادر مُناّلال اپنے چند دوستوں کے ساتھ حسب معمول مُرشدِ کامل حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی کے مقدّس قدموں میں اپنی چھٹیاں گزارنے آئے۔ان کے ساتھیوں میں لاہور ہائی کورٹ کے مشہور وکیل بیرسٹر رائے روشن لال تھے، جو کسی زمانہ میں آریہ سماج کی پنجاب پرتی نِدھی سبھا کے صدر رہ چکے تھے۔ دوسرے تھے، لاہور کے ماہر ملیریا ڈاکٹر باوا ہر نام سنگھ جی۔ تیسرے تھے، ایک نوجوان بیرسٹر، جناب ڈھینگرہ (یا ہندرا) ۔ایک مسلمان ڈاکٹر تھے دیگر دو صاحبان کے نام مجھے یاد نہیں رہے ۔چائے وغیرہ کے بعد ان کو حضور مہاراج جی کی نشست گاہ میں لے جایا گیا اور حضور کو ان کی آمد کی اطلاع کر دی گئی۔

چند منٹ بعد حضور مہاراج جی کمرے میں تشریف لائے ۔اس وقت ان کی شان اور جلال کسی شہنشاہ سے کم نہ لگ رہی تھا۔ انھوں نے پرمحبت مسکراہٹ سے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمارے ساتھ نیچے زمین پر ہی بیٹھ گئے ۔ہم سب نے انھیں آرام کرسی پر تشریف فرما ہونے کی درخواست کی لیکن وہ ہمارے ساتھ زمین پر ہی بیٹھے رہے ۔تب بیرسٹر روشن لال اپنی عدالتی ہوشیاری کام میں لائے اور بولے "حضور، اگر آپ ذرا اونچی جگہ پر بیٹھیں گے تو ہم لوگ آپ کو اچھی طرح دیکھ اور سُن سکیں گے" ۔اس پر حضور ہنس دئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی آرام کرسی پر جلوہ افروز ہو گئے اوہ! ان کی شیریں مسکراہٹ کتنی پُر کشش اور

لُبھانے والی تھی ! اس کا بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ ان کے اُٹھنے ، بیٹھنے ، ہنسنے ، بولنے ہر بات سے بے مثال کشش و سکون جھلکتا تھا ۔

شروع میں چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد، رائے روشن لال نے وہ مُدّعا اٹھایا جو ان کے دل میں تھا ۔ انھوں نے پوچھا ۔ "حضور آپ کے مت کی کیا تعلیمات ہیں؟

پیشتر اس کے حضور مہاراج جی کچھ کہیں، نوجوان بیرسٹر بندرا درمیان ہی میں پُوچھ بیٹھے "ہم نے سُنا ہے کہ آپ خدا پر یقین نہیں رکھتے اور اس کی جگہ اپنے مُرشد کی پرستش کرتے ہیں ۔"

حضور نے جواب دیا ، "بہت شکریہ ! یہ سوال کر کے آپ نے میرا کام بہت آسان کر دیا ہے ۔ کیونکہ آپ نے ایک طرح ہمارے دو بنیادی اصولوں کی تائید کی ہے ۔ ہم خدا پر نہ صرف یقین ہی رکھتے ہیں بلکہ اس حد تک اعتقاد رکھتے ہیں کہ نجات اور حقیقی سکون تب تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ انسان کی روح اس ذات باری میں جذب نہیں ہو جاتی، جو لطف دائمی کا بے کنار سمندر ہے ، سراپا نور ہے اور علم و فضل کا چشمہ ہے ۔ سنت مت خدا سے شروع ہوتا ہے اور خدا ہی میں ختم ہوتا ہے ۔

نوجوان بیرسٹر درمیان ہی میں بول اٹھا ۔ "یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے ۔ آپ کے مت کے بارے میں چاروں طرف کتنی غلط افواہیں پھیلی ہوئی ہیں ۔"

مہاراج جی نے فرمایا ، "دوسروں کے ساتھ تو اور بھی بڑی گزری ۔ دنیا نے عیسٰے مسیح، کبیر، منصُور وغیرہ کے ساتھ کیا کیا ؟ گورو نانک دیو جی کو لوگوں نے سردی کی ٹھٹھرتی رات میں قصور شہر کے کسی مکان میں داخل نہیں ہونے دیا ۔ وہ رات ان کو ایک کوڑھی کی گھاس پھوس کی جھونپڑی میں گزارنی پڑی ۔ انھوں نے صبح ہونے تک اس کا کوڑھ دُور کر دیا ۔ سقراط کی مانند ان پر بھی لوگوں کا دماغ پراگندہ کرنے کا الزام لگایا گیا ۔"

رآئے روشن لال نے کہا، "سب مصلحان، ریفارمرز یعنی سُدھار کرنے والوں کی تقدیر میں یہی ہوتا ہے۔ آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کو بھی زہر دے دیا گیا تھا۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "رادھا سوامی لفظ کا کیا مطلب ہے؟" مہاراج جی نے فرمایا، "میں اس کی تشریح بعد میں کروں گا۔ اول مجھے 'سنت مت' کے چیدہ چیدہ اصولوں کو واضح کر لینے دیجئے۔ چلو اچھی بات ہے، میں آپ کا سوال ہی پہلے لے لیتا ہوں: رادھا سوامی 'خدا' کا نام ہے، جیسے اس کے کئی اور نام ہیں۔ 'رادھا' کا مطلب ہے روح اور 'سوامی' کا مطلب ہے کُل مالک۔ قریباً سبھی سنتوں اور فقیروں نے مالک کو سوامی کہہ کر پکارا ہے۔"

گورو نانک دیو جی فرماتے ہیں:

اُوچ اپار بے انت سوامی کون جانے گُن تیرے

اے! اللہ تعالیٰ، علم سے بالا، لامحدُود مالکِ کُل تیرے اوصاف کون جان سکتا ہے۔

کبیر صاحب نے بھی اسے سوامی کہا ہے۔ فقط 'رادھا' کا لفظ، جس سے مراد روح اور جس کا سوامی یا مالک وہ خود خدا ہے، جوڑ دینے سے یہ سب غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔"

باوا ہرنام سنگھ نے پوچھا، "آپ کے اور گورو نانک صاحب کے مت میں کیا فرق ہے؟"

حضور نے فرمایا، "کچھ بھی نہیں۔ نانک، کبیر، دادو، پلٹو، تُلسی صاحب، جگجیون، شمس تبریز، مولانا روم، خواجہ حافظ، منصُور، بابا فرید، مجددالف ثانی و دیگر سنتوں نے خواہ وہ کسی ملک، قوم یا مذہب کے کیوں نہ رہے ہوں، اسی ایک حقیقت کا پیغام دیا ہے۔ اصول، طریقے اور پیغام ہمیشہ وہی رہتے ہیں صرف "کُنجی" کچھ عرصہ بعد ایک گھر سے دوسرے گھر چلی جاتی ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مالک اپنے آپ کو کئی اشکال میں اس لئے ظاہر کرتا ہے تا کہ پرانے رسم و رواج و طریق اچھا ہونے ہوتے ہوئے بھی کہیں دنیا کو گمراہ نہ کر دیں۔ اندرونی دروازے کھولنے کی "کُنجی" پہلے کبیر صاحب کے گھر میں تھی۔ اس کے بعد وہ گورونانک صاحب کے پاس آ گئی،

جہاں وہ دس پُشت تک رہی۔اس کے بعدوہ تُلسی صاحب کے پاس پہنچی اور وہاں سے سوامی جی(سیٹھ شوِ دیال سنگھ جی) کے پاس آگئی ۔ یہ قدرت کا قانون ہے کہ کچھ عرصہ بعد تبدیلی لازمی ہو جاتی ہے ۔ آپ دیکھیں گے کہ اتنے بڑے فقرائے کامِل و سنتوں کے پیرو کار بھی ان کی اصل تعلیم کو بالکل فراموش کر چکے ہیں۔حالانکہ فقراء و سنتوں کو دنیا سے گئے کچھ ہی صدیاں گزری ہیں ۔ آج روحانی ریاضت کے اس طریقے کا ،جو ان فقرائے کامِل کی تعلیم کا نچوڑ تھا، ان کے پیرو کاروں کو ذرا بھی عِلم نہیں رہا۔

اب ذرا سنت مت کی طرف آئیے ۔ یہ کوئی نئی راہ ،مارگ یا طریق نہیں۔یہ اتنا ہی پرانا ہے ،جتنا کہ انسان خود ۔ یہ انسان کے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے۔ ہر زمانہ میں ہر ملک و ہر قوم کے لئے ،خدا سے وصال کا وہی ایک طریق رہا ہے ۔فقرائے کامِل ہر زمانے میں ،ہر ملک میں آتے رہے ہیں۔ان کی زند گی یا بُودباش کے طریقے اپنے وقت ، ملک ،رسم ،رواج ، روایات ، موسم یا دیگر ضروریات و خصوصیات کے مطابق ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں مگر ان کی تعلیم ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے ۔خواہ وہ سنسکرت میں ہو،خواہ فارسی ، ہبرو، چینی یا عربی میں ۔وہ کوئی نیا مذہب فرقہ یا سماج نہیں بناتے ،نہ وہ کسی مذہب ، کتاب یا عقیدے کے پابند ہوتے ہیں ۔ وہ لوگوں کو عام فہم زبان میں پیغام دیتے ہیں اور اپنے پیرو کاروں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسی مذہب اور سماج میں رہیں،جس میں کہ وہ پیدا ہوئے ہیں۔ تبدیلی مذہب سے خدا نہیں مِلتا ۔"

فقرائے کامِل نے کبھی کوئی مذہب نہیں بنایا۔ ان کے پیرو کار ہی ان کی وفات کے بعد اپنے آپ کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں اور نیا مذہب شروع کر دیتے ہیں ۔وہ کبھی کسی طرح کے رسم و رواج یا رسومات و روایات چلانے کا حکم نہیں دیتے اور نہ ہی کسی خاص قِسم کے لباس یا رہن سہن اختیار کرنے کے لئے کہتے ہیں۔

آپ کو دنیا ترک کرنے یا بیوی بچوں کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا جاتا ہے ۔ دنیا

میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہوئے خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا لطف لو، مگر عقل سلیم اور دانشمندی کے ساتھ۔اپنے نفس (من) کو دنیا کی فانی چیزوں کے لگاؤ میں اتنا مت اُلجھاؤ کہ ان سے علیحدگی رنج وتشویش کا باعث بن جائے۔ ان چیزوں کی اصلیت سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ آپ کی خدمت کے لئے ہیں، ان کے غلام مت بنو۔اپنی بسر اوقات کے لئے دولت کماؤ لیکن اسکی ناپائداری کو بھی یاد رکھو۔کیا مال و دولت وقت آخر آپ کی مدد کرے گی؟ کیا یہ آپ کو خدا کے کچھ نزدیک لے جائے گی؟

عیسےٰ مسیح نے کتنے واضح الفاظ میں بتلایا ہے کہ زرومال وصال خدامیں کتنی بڑی روکاوٹ ہے۔فرمایا ہے "کسی امیر آدمی کے لئے خدا کے ملک میں داخلہ پا سکنے کے بمقابلہ سوئی کے ناکےمیں سے ایک اونٹ کا نکل جانا کہیں آسان ہے۔"یہ دنیاوی اشیا کا لگاؤ ہی ہے جو ہمیں بار بار پیچھے کھینچ لاتا ہے۔اور زندگی اور موت کے چکرمیں ڈال دیتا ہے۔دنیا میں رہو مگر دنیا کے نہ بنو۔اپنے سب کام کرو مگر بے لوث رہ کر۔ ہاتھ کام کرنےمیں لگے ہوں اور دِل خدا کی یاد میں بسا ہو۔دِل کو بے لوث و بے آلائش رکھنے کی عادت ڈالو۔یہ کوئی بہت مشکل کام نہیں ہے۔ دن بھر اپنے دنیاوی فرائض ادا کرو مگر رات کو کچھ گھنٹے 'اپنے کام' کے لئے مخصوص کرو۔

نوجوان بیرسٹر نے کچھ خنداں اور کچھ سنجیدہ ہوکر پوچھا، "کیا ہم جو کرتے ہیں وہ ہمارا اپنا کام نہیں ہے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں چوبیس گھنٹے جو کچھ آپ کرتے ہیں وہ آپ کا 'اپنا کام' نہیں ہے۔ ذرا ایک لمحہ اس بات پر غور کیجئے۔آپ کا سب سے زیادہ وقت اپنے بیوی بچوں کے لئے دولت کمانےمیں گزرجاتا ہے۔ کچھ وقت اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی خدمت میں گزرجاتا ہے۔آپ روزانہ کچھ وقت اپنے جسم کی دیکھ بھال میں بھی لگاتے

ہیں ۔ مگر ایک دِن یہ جسم بھی آپ کو چھوڑ دے گا ۔ آپ یہ جسم نہیں ۔ اِس جسمِ خاکی کو ایک دن چھوڑنا ہی ہوگا اور اسے مٹی یا آگ کے سُپرد کر دیا جائے گا ۔ آپ کا 'ذاتی کام' تو اپنی نجات ہے ، اپنی روح کو جہنم کی تکالیف سے بچانا اور اسے واپس مقامِ حق پر لے جانا ہے ۔"

بیرسٹر نے پوچھا ، "کیا بہشت اور دوزخ اصل میں ہیں ؟"

مہاراج جی نے فرمایا ، "ہاں ! وہ اسی طرح اصل ہیں جیسے میری اور آپ کی یہاں موجودگی ۔"

بیرسٹر روشن لال بولے ، "میرے دوست ، آپ یہ سب بعد میں دریافت کر سکتے ہیں ، فی الحال تو ہم 'سنت مت' کے بنیادی اصولوں اور خُدا کو پانے کے لئے بنائے گئے فقرائے کامِل کے طریق کو سمجھنا چاہیں گے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا ، "سنت مت ، بہت آسان ہے ۔ یہ بتاتا ہے کہ ، ہم پر یہ سب مصیبتیں اور تکالیف اِس لئے آتی ہیں کہ ہم خدا سے جدا ہو گئے ہیں ۔ ان کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم واپس اس سے جا ملیں ۔ یہ دنیا ہمارا اصلی گھر نہیں ۔ یہ روح تو لا انتہا سکون اور بیداری کے سمندر کا ایک چھوٹا سا قطرہ ہے ۔ اسے جدا ہوئے کروڑوں برس ہو گئے ہیں ۔ یہ اس ملکِ غیر میں اجنبی کی مانند ہے یہاں اس جیسا ، اس کی اپنی ذات کا ، کچھ ہے ہی نہیں ۔ یہ نورِ خدا کی ایک شفاف و چمکدار کِرن ہے جو عالمِ آب و گِل یعنی مٹی پانی اور کیچڑ کی دنیا میں پھنس گئی ہے ۔ یوں سمجھئے کہ مٹھائی اور پتھر ایک ہی برتن میں بھر دیئے گئے ہیں ۔ یہ نابرابری ہی اس کے رنج و غم کی اصل وجہ ہے ۔"

جب تک روح واپس اپنے گھر پہنچ کر مالک سے واصل نہیں ہوتی ، تب تک اس کی بے عزتی اور مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہوتا ۔ فقرائے کامِل بڑے یقین سے فرماتے

ہیں کہ اسکے لئے آپ کو اپنے جسم سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ انسانی جسم زندہ خدا کا عبادت خانہ ہے ۔ نو دروازوں والے اس عبادت خانہ میں خدا خود رہتا ہے ۔ باہر نہ کبھی کسی نے اِسے پایا ہے، نہ کبھی کوئی پا سکے گا ۔ سب فقرائے کامل اور سنت جنھوں نے روحانیت کی تلاش کی ہے، مانتے ہیں کہ "خدا کی بادشاہت تیرے اندر ہے، تو اسے وہیں تلاش کر ۔" نجات پانے کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت نہیں ۔ انسان کا جسم خوُد ایک چھوٹی دنیا ہے جس کا بنانے والا بھی اِسی کے اندر ہے ۔ کسی ایسے انسان کی تلاش کرو، جو اس خزانے کی پوشیدہ راہ سے واقف ہو اور آپ کو مالک کے محل تک لے جا سکتا ہو ۔ اسے آپ گورو، مُرشد، راہبر، استاد یا دوست کہیں یا کسی نام سے بھی پکاریں ۔"

وہ نوجوان پھر درمیان میں بول اٹھا ۔ "یہ تو آپ 'گوروڈم' کا پیغام دے رہے ہیں ۔ کسی عقلمند اِنسان کو گوَرو یا مُرشد اختیار کرنے کی کیَا ضرورت ہے ؟"

مہاراج جی مسکرائے اور فرمایا، "بے شک آپ ایک عقلمند اِنسان ہیں لیکن کیَا سب کچھ آپ خود بخود ہی سیکھ گئے ؟ آپ قانون پڑھنے یورپ کیوں گئے ۔ انسان پیدائش سے ہی سب کچھ خود بخود نہیں سیکھ جاتا ۔ کوئی نہ کوئی اسے چلنا، بولنا، کھانا، پہننا اور کھیلنا سکھاتا ہے ۔ بچپن سے لے کر بڑا ہونے تک وہ سکھانے والوں یعنی استادوں کو اختیار کرتا رہتا ہے ۔ اس استاد کو آپ ماں، باپ، بھائی، بہن، دوست یا ہم جماعت کہہ سکتے ہیں ۔ سکول یا کالج جانے سے پہلے آپ نے سب کچھ اس سے سیکھا ۔ سکول پہنچنے پر آپ کو ایک گورُمکھی پڑھانے والا استاد ملا تو دوسرا ہندی پڑھانے والا ۔ اسی طرح اردو، فارسی، انگریزی، حساب، تواریخ، جغرافیہ وغیرہ پڑھانے والے استاد ملے ہر مضمون کے لئے آپ کو الگ الگ استاد ملا۔ جب آپ بڑے ہو گئے تو آپ کے دوست اور آپ کے افسران بالا آپ کے استاد بن گئے ۔ اس طرح جب اور سب باتیں سیکھنے کے لئے آپ کو کوئی نہ کوئی استاد اختیار کرنا ہی پڑا، پھر آپ

سب سے زیادہ مشکل مضمون یعنی روح اور خدا کو پانے کی سائنس ، کو بغیر استاد، سیکھنے کی کیسے اُمید کر سکتے ہیں ؟"

رائے روشن لال نے درمیان میں ہی کہا ، " حضور ' گُوروڈم ' نے ہمارے سماج کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے ۔ اس کا فائدہ اٹھا کر بہت سے خُود ساختہ مُرشد سادہ لوح اِنسانوں کو ٹھگتے رہتے ہیں ۔"

حضور نے فرمایا، "یہ درست ہے مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں ۔ خدا کا یہی قانون ہے ۔ سبھی سنتوں نے مُرشدِ کامِل کی ضرورت پر زور دیا ہے ۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں "یاد رکھو، گوُرو کے بِنا کوئی بھی نجات نہیں پا سکتا۔" کبیر صاحب فرماتے ہیں "بِنا مُرشدِ کامِل تمہارا خیرات وزکوٰۃ تسبیح و وِرد، دان پُن سب فضول ہے۔" مولانا روم کا قول ہے "خبردار! بغیر مُرشد کے اس راہ میں قدم نہ رکھو ۔ راہ میں بہت سے خوف وخطر ہیں ۔ تمہیں فقط مُرشد کامِل ہی بچاسکتا ہے ۔ اگر تم عقلمند ہو تو اکیلے سفر نہ کرو۔ اپنے ساتھ کوئی راہبر لے لو 1۔"

رائے روشن لال پچھلے وقتوں کے سب کائستھوں کی طرح ، فارسی کے بڑے اچھے عالم تھے ۔ انھوں نے حضور مہاراج جی کے دیئے گئے مولانا روم کے اقوال کو بے حد پسند کیا۔

حضور نے مزید فرمایا ، "اس مضمون پر مولانا روم دُوسری جگہ کہتے ہیں ۔ "اگر تو خدا کے پاس بیٹھنا چاہتا ہے تو خدا کے کسی بندے کے پاس جا کر بیٹھ 2۔ اگر تو کعبہ کے حج پر جا رہا ہے تو کسی راہ نما کو ساتھ لے ۔ کسی ایسے شخص کو ہمراہ لے جو وہاں گیا ہو خواہ

---

1 پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر   ہست بس پُر آفت و خوف و خطر
اں راہے کہ ندیدستی تو ہیچ   ہیں ۔ مرد تنہا ۔ زرہبر سر ہیچ

2 ہر چہ خواہد ہم نشینی باخدا   گوبہ نشیں اندر حضور اولیا

وہ ہندو ہو تُرک ہو یا عرب ۔ اس کے خد و خال کی طرف نہ دیکھ ۔صرف راہنمائی کی طاقت کو دیکھ ۔1۔ خدا اور رُوحانیت کا عِلم کسی خدا رسیدہ ہستی کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ۔ جو کوئی بھی اپنے اندر بالائی رُوحانی منزلوں میں داخل ہونا چاہتا ہے اور مالِک کی درگاہ میں پہونچنا چاہتا ہے، وہ ضرور کسی راہبر کی ضرورت محسوس کرے گا ۔ مگر جو اس اندرونی سفر پر روانہ ہونا ہی نہیں چاہتا، وہ اپنی حسب خواہش کچھ بھی خیالات رکھ سکتا ہے ۔"

رائے روشن لال نے کہا "یہ سچ ہے مگر دھوکے بازوں سے اکثر لوگ ٹھگ لئے جاتے ہیں ۔"

مہاراج جی نے فرمایا "اس میں کوئی شک نہیں ۔ فقرائے کامِل نے خود ہمیشہ متلاشیان حق کو ایسے لوگوں سے خبردار کیا ہے ۔مولانا روم کہتے ہیں، " شیطان اکثر کامِل فقیروں کے بھیس میں رہتا ہے ۔اس لئے اپنا ہاتھ اس راہبر کے ہاتھ میں نہ دو جو آزمایا ہوا نہ ہو ۔ جس طرح ایک چڑیمار پرندوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے چڑیوں جیسی بولیاں بولتا ہے ۔ اسی طرح بدطینت مکار اور دغاباز شخص، سادہ لوح لوگوں کو پھنسانے کے لئے فقیروں کے طریق اختیار کر لیتے ہیں اور اُن ہی کے الفاظ ۔ زبان و کلام و بانی کی چوری کرکے چالاکی سے ان کی طرح استعمال کرتے رہتے ہیں 2۔ اس لئے مُرشد کے انتخاب میں نہایت ہوشیاری

---

1 مرد حجی ہمرہی حاجی طلب   خواہ ہندو۔ خواہ ترک و خواہ عرب
مینگر اندر نقش و اندر رنگ اُو   بنگر اندر عزم و آہنگ اُو

2 اے بسا ابلیس آدم روئے ہست   پس بہر دستے نشاید داد دست
آنکہ صیاد آورد بانگ صفیر   تا فریبد مرغ را اں مرغ گیر
حرف درویشاں بدزدد مرد دوں   تا بخواند بر مسلم زاں فسوں

و سمجھداری سے کام لینا چاہئے۔"

ڈاکٹر باوا ہرنام سنگھ نے کہا " حضور میرا یقین ہے کہ انسان کو پاکیزہ زندگی بسرکرنی چاہئے اور جہاں تک ہوسکے، اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا بھلا کرنا چاہئے۔ کسی جاندار کو تکلیف یا نقصان نہیں پہونچانا چاہئے۔ ایمانداری سے اپنی روزی کمانا چاہئے۔ اور جتنا بن سکے انسان کی خِدمت کرنی چاہئے پرستش اور عبادت کا یہی بہترین اور افضل طریقہ ہے۔ میں نہیں سوچتا کہ اور کسی بھی چیز کی ضرورت ہے۔"

حضور نے فرمایا، "روحانیت کی راہ میں عامل کی چار منزلیں ہوتی ہیں۔

1 کرم کانڈ یا شریعت :- اچھے کام کرنا جیسا کہ دنیا کی مذہبی کتب میں درج ہے۔

2 اپاسنا یا طریقت :- کسی کامِل مُرشد کے حکم اور راہ نمائی کے مطابق رُوحانیت کو عملی طور پر اپنانا، نفس اور حواس پر قابو پانا۔ اپنے آپ کو یکسوئی خیال وغیرہ دُوسرے رُوحانی کاموں میں لگائے رکھنا۔

3 بھگتی یا معرفت :- خدا کی محبت میں اس قدر جذب ہو جانا کہ سوائے اس کے اور کسی بات کا فکر ہی نہ رہے۔ دِل سے دنیا اور دنیا کی لذتوں کے سب خیال دُور ہو جائیں۔ پانچوں بدیاں (وِکار) نفس، غصہ، لالچ، لگاؤ، تکبر ختم ہو جائیں۔ نفس اور حواس قابو میں آ جائیں، دنیا کے آرام اور حواس کی لذتوں کی خواہش دُور ہو جائے۔

4 گیان یا حقیقت :- سچ یا حقیقت کو جاننا اور خدا کے ساتھ ایک ہو جانا یعنی فنافی اللہ (اللہ میں جذب) ہو جانا۔

پاکیزہ اور نیک زِندگی خدا کو پانے کے لئے واقعی اہم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اور کسی چیز کی بھی ضرورت ہے اگر ایک آدمی دِن بھر طشتریوں اور پلیٹوں کو صاف کرتا رہے اور انھیں کھانے کی میز پر سجاتا رہے مگر ان میں کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ڈالے تو

کیا اُس کی بھوک مِٹ جائے گی ؟ نیک اور پُرخدمت زندگی گزارنا برتنوں کو صاف کرنے کی مانِند ہے۔اس سے نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے اور بالائی منزلوں کی چڑھائی کے قابل ہو جاتا ہے مگر نفس سے گندگی کو نکال دینا ہی زندگی کا نصب العین نہیں۔"

" نفس کو پاکیزہ کیوں کیا جاتا ہے ؟ اس لئے کہ کوئی ناپاک یا گندی چیز مالک کے دربار میں داخل نہیں ہوسکتی۔نفس کے پاکیزہ ہو جانے پر بھی اُسے اُوپر کے سفر پرے جانے کے لئے کچھ اور قدم بھی اٹھانے ہوں گے۔اس کے لئے کسی ایسی ہستی سے راہ نمائی حاصل کرنا ہوگی جو مالک سے واصل ہو چکی ہو ورنہ یہ حیات وموت کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا۔پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور نیک کام کرنے کا ثمر (پھل)۔یہی ہوگا کہ انسان اگلے جنم میں راجہ مہاراجہ رئیس یا ملک و قوم کا راہبر بن جائے گا یا دیوتا اور فرشتہ کی صورت بہشت میں داخل ہو جائے گا لیکن پھر بھی وہ رہے گا "چوراسی کا چکر" بسلسلہ تناسخ یعنی بسلسلہ موت و زندگی میں ہی۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا " کیا دیوتے اور فرشتے ہوتے ہیں ؟ "

حضور نے فرمایا "جن رُوحوں نے جسمِ انسانی میں ریاضت، قربانی، خیرات یا دیگر نیک کام کئے یا جنھوں نے سورگ پانے کے لئے وشنو، شِو یا اِندر کی پرستش کی ، ان کو اپنے نیک اعمال کا لطف اٹھانے کے لئے کئی طرح کے سورگوں میں لیجایا جاتا ہے۔یہ ہی دیوی، دیوتا ہیں۔ ان سورگوں میں، بھی اس دنیا کی طرح مختلف اقسام کی نفسانی لذتیں ملتی ہیں۔ وہاں ان کا جسم لطیف ہوتا ہے اور وہ اپنے اپنے اعمال کی مطابق کافی عرصہ تک وہاں رہتے ہیں۔ وقت مقررہ تک وہاں کے سُکھوں کا لطف لینے کے بعد انھیں واپس اس فانی دنیا میں بھیج دیا جاتا ہے ۔سارے سورگ و نرک اس "چوراسی کے چکر "میں ہی ہیں۔"

رائے روشن لال نے پوچھا" حضور ، کیا آپ کے روحانی عمل کا طریقہ یا تجلی کے پرانایام کی طرح ہے؟"

حضور نے فرمایا" نہیں، پاتنجلی کے عمل کی بنیاد سانس پر قابو پانا ہے۔یہ آج کے زمانے میں موزوں و ممکن نہیں، کیونکہ آج ہم میں گزشتہ زمانہ کی طرح صبر اور باشوق محنت کرنے کی طاقت نہیں۔ آج نفس قابو کرنے اور پاکیزہ زِندگی گُزارنے کے اصولوں کی پابندی کوئی نہیں کرتا۔لوگوں کا رُجحان عیش وعشرت کی طرف زیادہ ہے۔ آج کے کمزور و بیمار نوجوان پرانایام کے مُشکل عمل اور نیتی، دھوتی، بستی وغیرہ مُشکل یوگ کریاؤں کو کیسے کر سکتے ہیں؟ علاوہ ازیں یہ یوگ ہمیں "سہنسرار چکر" سے اوپر نہیں لے جا سکتا۔"

" گزشتہ زمانہ میں یوگیوں کو پِنڈ کے "شٹ چکروں" کو پار کرنے میں صدہا سال لگ جاتے تھے۔اتنا بھی وہ بمشکل کر پاتے تھے۔ 'اشٹ دَل کنول' ان کا سب سے اُونچا اور آخری مقام تھا، جب کہ 'سنت مت' کی شروعات ہی یہاں سے ہوتی ہے۔ روح کو نیچے کے چکروں سے اُوپر اٹھانے کے لئے یوگی لوگ پرانوں کا سہارا لیتے تھے۔لیکن چد آکاش (جسم کے اندر پہلا آسمان جو تیسرے تل یعنی نقطہء سویدا میں ہے) میں پہونچتے ہی پر ان چد آکاش میں جذب ہو جاتے تھے اور یوگی وہاں سے آگے نہیں بڑھ پاتے تھے۔انھوں نے یہ مان لیا کہ یہ چکر ہی پر ماتما کا سب سے اُونچا مقام ہے۔ایک عرصہء دراز تک وہاں قیام کے بعد ان میں سے چند ایک نے جو کُچھ زیادہ رسیدہ تھے،روشنی کی تیز کرنوں کو اُوپر سے آتے ہوئے دیکھا۔ اس روشنی کے سہارے وہ آگے بڑھے اور "ترکُٹی" تک پہونچ گئے۔یہاں آکر ان یوگیشوروں کی رفتار رُک گئی اور وہ آگے نہیں گئے۔انھوں نے اسی کمل، روحانی مقام یعنی برہم منڈل کو برہم (اللہ تعالیٰ) اور دنیا کے خالق، پروردگار اور فنا کرنے والے کا مقام کہنا شروع کر دیا۔"

نوجوان بیرسٹر نے کہا،" مجھے تو یہ کُچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔ میں تو یوگ لفظ کا مطلب تک نہیں جانتا۔"

حضور نے فرمایا، "میں آپ کو یہ سب سمجھا دوں گا مگر آپ کا یہ کہنا خود ہی مُرشد نہ ماننے کے خلاف آپ کی دلیل کا سب سے بڑا جواب ہے۔"

بیرسٹر نے کہا، "حضور، میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔"

حضور نے فرمایا "یوگ، لفظ سنسکرت زبان کے 'یج' سے بنا ہے جس کا مطلب ہے مِلانا یا جوڑنا۔ یہ رُوح کو خدا سے مِلانے یا جوڑنے کا طریقہ ہے۔"

رائے روشن لال بولے، "ریلیجن (مذہب) لفظ کا بھی یہی مطلب ہے لاطینی زبان میں 'ری' کا مطلب ہے 'واپس' اور لیگیرس، کا مطلب ہے 'جوڑنا' روح کو اس کے مالِک سے مِلا دینا یا جوڑ دینا ہی "ریلیجن" کا مقصد ہے یا ہونا چاہئے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نفس (مَن) اور اس کی طرح طرح کی حرکات ہی خدا سے وصال کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہیں۔ یوگ کا مطلب ان رُکاوٹوں کو دُور کرنا ہے۔ پاتنجلی رِشی نے اپنے مشہور گرنتھ 'یوگ سوتر' میں یوگ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ یوگ وہ طریقہ ہے، جس سے نفسانی جذبات (چِت وِرتیوں) کو رُوکا جا سکے اور نفس کی سب حرکات پر قابو پایا جا سکے۔"

بیرسٹر نے پوچھا "حضور، یہ "چِت وِرتیاں" کیا ہوتی ہیں؟"

حضور نے فرمایا، "چِت وِرتی' کا انگریزی میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے 'چِت" (اندرونی آئینہ) نفس کا وہ حصہ ہے، جس پر چیزوں کا عکس پڑتا ہے۔ 'وِرتیاں' وہ بدلتی ہوئی حالتیں یا جلدی، جلدی ہونے والی ہلچل یا لہریں ہیں، جو نفس کی سطح کو (حواس کے ذریعہ لگاتار طرح طرح کی شکلیں پیش کئے جانے کی وجہ سے) بے قرار کرتی ہیں۔ نفس کی سطح پر اُٹھنے والی اِن طوفانی لہروں کو روکنا ہی یوگ کا کام ہے۔ یہ نفس کی سب حرکات کو ٹھہرانا اور سب طرح کے اِفکار و خیالات کو روکنا ہے۔"

بیرسٹر نے کہا، "حضور، آپ سب بات کِتنی خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں اور وہ بھی کِتنی آسان زبان میں۔"

حضور نے فرمایا، "شکریہ بیٹا، مجھے خوشی ہے کہ آپ کو یہ آسان معلوم ہوئی ہے۔ دراصل یوگ بلکہ سب ہی روحانی اُمُور کو زبانی سمجھنا یا سمجھانا بڑا مُشکل ہے۔"

رائے روشن لال نے پُوچھا، "آپ کے اور پاتنجلی مارگ 'میں کیا فرق ہے؟"

حضور نے فرمایا، "ہم "سُرت شبد یوگ" کا ابھیاس کرتے ہیں۔ اس شبد کو اپنشدوں میں "انحد شبد" اور ویدوں میں 'ادگیت' (اُوپر سے آنے والا گیت) کہا گیا ہے مسلمان فقیروں نے اسے سُلطان الاذِکار (ذِکروں کا شہنشاہ) کہا ہے۔ یہ بہت آسان ہے۔ ہر ملک و مذہب کے عورت و مرد یہ عمل کر سکتے ہیں۔ اور تو اور، چھ سال کا بچہ بھی یہ عمل کر سکتا ہے۔ اِس عمل میں ہم اپنے بیرونی دروازے بند کر لیتے ہیں اور خیال و توجہ کو اِس شبد یا کلام کے ساتھ جوڑتے ہیں، جو پیشانی میں، آنکھوں کے پیچھے شیریں صدا دے رہا ہے۔ یہ نغمہ ءربّی شیریں موسیقی کی شکل میں مقامُ حق سے نِکلتا ہے۔ اور اپنی راہ میں تمام نچلی منزلوں کو حرکت و برکت دیتا ہوا، انسان کی پیشانی میں آنکھوں کے پیچھے اپنا صدر مقام بنا لیتا ہے۔ یہ خدا اور اِنسان کے درمیان سیدھی کڑی یعنی سیدھا رِشتہ ہے۔ اس ندائے سلطانی کو پکڑ کر ہم سیدھے اپنے مقامِ حقیقی پہنچ سکتے ہیں۔ کائنات کے شروع میں ہم اسی مقام سے اُتر کر آئے تھے۔"

"بائیبل میں اس شبد، دھن یا ندائے سُلطانی کو "ورڈ" کہا گیا ہے۔ ہم سینٹ جان میں پڑھتے ہیں، 'ابتدا میں 'ورڈ' (شبد) تھا۔ ورڈ خدا کے ساتھ تھا اور ورڈ ہی خدا تھا۔ سب کچھ اس نے ہی بنایا اور جو کچھ بھی بنا اس کے بغیر بنائے نہیں بنا، یورپ کے اہلِ مذہب نے

اسے "لوگاس" کہا ہے۔ گورونانک دیوجی اسے شبد کہتے ہیں 1۔ وہ فرماتے ہیں کہ "شبد نے زمین بنائی آسمان بنایا۔سورج، تارے اور چاند بنائے۔یہ ہماری دنیا کا خالق ہے اور ہمارے دل میں گونج رہا ہے۔" قرآن فرماتا ہے "کُن نے ساری دنیا کو بنایا۔"سوامی جی مہاراج فرماتے ہیں 2 "شبد نے تینوں لوک (ترلوکی) بنائے۔شبد نے انڈ برہمنڈ، نو دیپ اور نو کھنڈ کو بنایا، شبد نے ہی تین (گنوں) اور جانداروں کو پیدا کیا ہے۔شبد جسم میں گونج رہا ہے۔اپنی روح کو اس کے ساتھ جوڑ دے۔" تمام ممالک کے فقرائے کامل نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے۔"رِگ وید کا کہنا ہے کہ جہاں جہاں پرماتما ہے وہاں وہاں شبد ہے۔

اسی وقت حضور مہاراج جی کا نوکر اندر آیا اور بولا، "حضور، چند جنٹلمین (یوروپین) آئے ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔"

حضور مہاراج اس کا مطلب سمجھ گئے اور فرمایا، "مہربانی کرکے اپنے یوروپینس کو لے آؤ اور ان کے لئے کچھ کرسیاں لگا دو۔"

نوکر کچھ امریکن مشنریوں کو اندر لے آیا۔

یہ لوگ دریائے بیاس کا نظارہ کرنے اور مچھلیاں پکڑنے آئے تھے۔ان میں سے دو کرسچین کالج لاہور کے پروفیسر تھے۔حضور مہاراج جی نے کھڑے ہو کر ان کا خیر مقدم کیا اور انھیں کرسیوں پر بیٹھنے کے لئے کہا اور ساتھ ہی چائے کے لئے پوچھا۔ایک بزرگ شخص جو

---

1 سبدے دھرتی سبدے آکاس سبدے سبد بھیا پرگاس
سگی سرشٹ شبد کے پاچھے نانک سبد گھٹے گھٹ آچھے
(جنم ساکھی -19)

2 دیکھنے سار بچن چھند بند۔ بچن نوواں۔ شبد دوسرا

اس گروہ کے سربراہ تھے نے بتلایا کہ وہ صبح کا ناشتہ بیاس ریلوے اسٹیشن پر کر آئے ہیں اور اب تو وہ ڈیرہ کے مُرشد سے، جن کے متعلق انھوں نے لوگوں سے بہت تعریف سُنی ہے، ان کی تعلیم کے بارہ میں کچھ جاننا چاہتے ہیں۔"

حضور نے فرمایا،"میں 'سنت مت' کی تعلیمات کو چند الفاظ میں بتانے کی کوشش کروں گا۔ہم ابھی اسی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔فقرائے کامِل مانتے ہیں کہ خدا سب کا مہربان باپ ہے۔اس سے وصال کے بغیر انسان کی مصیبتوں کا خاتمہ نہیں ہو سکتا۔وہ کہیں باہر نہیں مِلتا۔ہمارا اِنسانی وجُود ہی وہ عبادت خانہ ہے، جس میں وہ رہتا ہے۔صرف جامہء انسانی میں ہی اس سے وصال ممکن ہے۔کسی اور جامہ کو نہ یہ طاقت اور نہ بخشش حاصل ہے۔ہمیں ایک ایسے مُرشد یا راہبر کی ضرورت ہے، جو اس نو دروازوں کے محل یعنی وجودِ اِنسانی کے اندر جانے کا راستہ جانتا ہو اور ہمارا خدا سے وصال کرا سکے۔بس چند لفظوں میں یہی 'سنت مت' کی تعلیم ہے۔"

بزرگ مشنری نے کہا،"بائیبل میں بھی لِکھا ہے "خدا کی بادشاہت تیرے اندر ہے اور تُو زِندہ خدا کا مندر ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا،"یہ حقیقت تو ہر مذہب کی تہہ میں پائی جاتی ہے۔لیکن مذہبوں کے بانیوں کے دنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد لوگ اِس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں اور خدا کو مُورتیوں، بتوں، عبادت خانوں، مندروں، پانی، سمادھوں، مقبروں اور کتابوں میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

مشنری نے کہا،"آپ کے پیرو کار کہتے ہیں کہ آپ ان کو اندر موسیقی سننا سِکھاتے ہیں۔"

حضور نے فرمایا، "سنت یا فقرائے کامِل اپنے مُریدوں کو وہ 'ورڈ' یا 'شبد' سُننا

سِکھاتے ہیں۔ جس کے بارہ میں بائیبل کا قول ہے کہ وہ شروع میں تھا، وہ خدا کے ساتھ تھا اور خدا تھا، اور اس نے سب چیزوں یعنی کُل عالم کو پیدا کیا۔"

مشنری نے کہا، "وہ 'ورڈ' ہی عیسےٰ مسیح ہے۔"

حضور نے فرمایا، "'ہے' نہیں 'تھا'۔ عیسےٰ مسیح اسمِ مجسّم (ورڈ میڈ فلیش) تھا۔ وہ اپنے وقت کا مُرشد تھا۔ جو بھی اس کی پناہ میں آئے وہ ان کو اپنے خدا کے گھر لے گیا۔ مگر کیا وہ آج آپ کو سکھا سکتا ہے کہ اپنے جسم کے اندر جا کر خدا کو کیسے پایا جائے۔ اس کے لئے آپ کو ایک زندہ مُرشد چاہئے۔ ایک جیتا جاگتا عیسےٰ مسیح، آپ جس کے پاس جا سکیں، اس سے مِل سکیں، بات کر سکیں، پیار کر سکیں، اپنی تکلیفات و مُشکلات کے بارہ میں گفتگو کر سکیں اپنے شک و شبہات دور کر سکیں اور جس سے آپ نو دروازوں کے اس مندر جس میں کہ آپ قیام پذیر ہیں یعنی اپنے جسم کے اندر جانے کا راستہ معلوم کر سکیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس جسم میں کون سے دروازے سے داخل ہونا ہے، آنکھوں کے ذریعے، ناک کے ذریعے، کان یا گلے کے راستہ یا نیچے کے دروازوں سے؟ صرف ایک زندہ، مجسّم مُرشد ہی ہماری امداد کر سکتا ہے مالک سے وصال کے لئے ترستی و تڑپتی روحوں کی مدد اور راہ نمائی کے لئے اس دنیا میں 'ورڈ' (شبد) جسم کی شکل میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔"

"لوگ یہیں غلطی کر جاتے ہیں۔ دیکھئے، ایک مُرشد جو ہزاروں سال پہلے وفات پا چکا ہے، آج نہ تو وہ بذات خود ہدایت یا تعلیم دے سکتا ہے اور نہ ہی آپ کی کوئی امداد کر سکتا ہے۔ لیکن لوگ اتنے لکیر کے فقیر ہیں کہ وہ اس حقیقت کو سُننے یا ماننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ وہ تب مانتے ہیں، جب ان کو ان کی تعلیم کے طریقہ یا ان کے اعتقاد کی مذہبی کتب کے حوالہ جات سے سمجھایا اور ثابت کیا جاتا ہے۔ خدا نے روحوں کو واپس لانے کے لئے اپنے بیٹے کو صرف دو ہزار سال پہلے ہی نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کام کے لئے وہ اپنے بیٹوں کو ہمیشہ وقتاً

فوقتاً بھیجتا ہی رہتا ہے۔ تُلسی صاحب نے کہا ہے، " سنت نہ ہوتے جگت میں تو جل مرتا سنسار۔ "

"راہ باطن اتنی پیچیدہ اور پُرخطر ہے کہ آپ کو قدم قدم پر مُرشد کی ہدایت اور مدد درکار ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں،"جو بغیر مُرشد یا راہبر کے اندر جاتا ہے، اسے شیطان کی فوج گمراہ کرکے گہرے کنویں میں ڈال دیتی ہے 1۔ جب شیطان ایک زندہ مُرشد کے پیروکاروں یا مُریدوں کو بھی ان کے مُرشد کی شکل اختیار کرکے دغا دینے اور گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر ان بے چاروں کا کیا حال ہوگا، جنھوں نے اسے مُرشد مان لیا، جس کو انھوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور جو ہزاروں سال پہلے وفات پا چکا ہے۔ کیا آپ اپنی بیماری کا علاج کسی ایسے ڈاکٹر سے کرا سکتے ہیں، جسے مرے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہو؟ کیا اس کی لکھی ہوئی کتابیں آپ کا معائنہ کرسکتی ہیں؟ آپ کو تو اس کی ذاتی رائے اور ہر وقت ذاتی نگرانی درکار ہے، کبھی آپ کو اسے آدھی رات کو بلانا پڑتا ہے کہ نہ جانے صبح تک آپ کا کیا حال ہو؟ کیا کوئی لڑکی اس مرچکے انسان سے شادی کر سکتی ہے، جس کی تصویر اس نے کسی پرانی کتاب میں دیکھی ہے؟ کیا ایک وکیل جو مر چکا ہے، آپ کو کوئی قانونی صلاح و مشورہ دینے آسکتا ہے۔ دو ہزار سال پہلے مہربان باپ نے اپنے بیٹے کو روحوں کی بھلائی کے لئے بھیجنا مناسب سمجھا تھا۔ کیا آج وہ اسے پھر نہیں بھیج سکتا؟ کیا اس کی رحمت و محبت اب نہیں رہی یا دنیا کی حالت بدل گئی ہے؟ شری رام چندر جی جو ہزاروں برس پہلے اس دنیا میں آئے تھے، کیا وہ آئندہ ہر وقت کے لئے یا ہمیشہ کے لئے کافی ہیں؟ نہیں، میرے دوستو، نہیں خدا کی محبت کا سمندر خشک نہیں ہوگیا۔ وہ ہمیشہ لہراتا اور اُمڈتا رہتا ہے۔ اس کے پیارے بیٹے، فقرائے کامل،

---

1 ہر کہ او بے مُرشد در راہ شُد   آواز غولاں گمرہ و در چاہ شُد

ہمیشہ اس دنیا میں موجود ہیں۔ دنیا ان سے کبھی خالی نہیں ہو گی۔یہی خدائی قانون ہے۔"

مشنری پارٹی کے ایک نوجوان ممبر، جن کے متعلق بعد میں معلوم ہوا کہ مشن کالج کے پروفیسر تھے، بولے، "یہ سب درست و واجب معلوم ہوتا ہے۔کیا آپ کا طریق "اشٹانگ یوگ" جیسا ہی ہے؟"

حضور نے فرمایا، "نہیں، ہمارا طریق اس سے بہت آسان ہے اور عامل کو اس سے بلند بالائی منزلوں پر لے جاتا ہے۔ہم 'پرانایام' کا عمل نہیں کرتے۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "یہ 'اشٹانگ یوگ' کیا چیز ہے، حضور؟"

مہاراج جی نے فرمایا، "پاتنجلی کے 'یوگ سادھن' کو ہی اشٹانگ یوگ کہتے ہیں۔ 'اَشٹ' کا مطلب ہے آٹھ اور انگ کا مطلب ہے حصے۔"

بیرسٹر نے عرض کیا، "کیا حضور اسے مفصل سمجھانے کی تکلیف فرمادیں گے؟"

حضور نے فرمایا، "آٹھ انگ یہ ہیں:

(1) "یم" - وہ بری عادتیں، جن کو ترک کرنا چاہئے۔

(2) "نیم" - وہ اچھی عادتیں، جن کو اختیار کرنا چاہئے۔

(3) "آسن" - بیٹھنے کے خاص طریقے یا ڈھنگ۔

(4) "پرانایام" - سانس پر قابو پانا۔

(5) "پرتیہار" - اندرونی روح والا ہونا یعنی اپنے خیالات کو دنیا سے موڑ کر، اندر سمیٹ لینا۔

(6) "دھارنا" - خیال کی یکسوئی کرنا۔

(7) "دھیان" - لگاتار ایک چیز کا خیال کرنا، توجہ جمانا (یکسوئی میں کامیابی)۔

(8) "سمادھی" - روحانی بیداری یا روحانی یکسوئی۔جسم کا سُن ہو جانا، اِس دنیا کو بھول جانا، لطف و سکون کی وہ حالت، جس میں دنیا کی ہوش یا باہری بیداری نہیں رہتی۔

پہلے پانچ بیرونی اور آخری تین اندرُونی عمل ہیں ۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں ان کو اور مفصل بیان کروں یا اتنا ہی کافی ہے ؟"

نوجوان پادری نے کہا ، " میں آج کل یوگ شاستر کا مطالعہ کر رہا ہوں ۔ براہ کرم اس معاملے پر کچھ اور روشنی ڈالیئے ۔"

حضور نے فرمایا ، " 'یم' پانچ ہیں ۔ 'یم' کا مطلب ہے 'بند کرنا' قابو کرنا یا تابع کرنا ۔ سادھنا یعنی روحانی عمل میں ان کو نشیدھ کرم (نہ کرنے کے قابل کام) کہا گیا ہے ۔ ہر ایک اِنسان ان اصولوں پر عمل کر کے فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ یہ سب مذاہب میں یکساں ملتے ہیں ۔ یہ ہیں :۔

(1) اہنسا : کِسی بھی جاندار کو عمل ، زبان اور خیال سے بھی تقلیف نہ پہونچانا ۔
(2) ستیہ : کبھی جھوٹ نہ بولنا ، سدا سچ بولنا ۔
(3) آستیہ : کبھی کِسی چیز کو نہ لینا ، نہ چرانا ۔
(4) برہمچریہ : کِسی کو نفسانی نگاہ سے نہ دیکھنا ۔ دِل ، زبان اور آنکھ سے پاکیزہ رہنا ۔
(5) اپری گرہ : ضرورت سے زیادہ چیزوں کو جمع نہ کرنا یا اُن کی خواہش نہ کرنا ۔
(6) تیاگ : خیال ، زبان اور عمل سے لالچ کو چھوڑنا ۔

"سب کو ان اچھے اور پاکیزہ اصولوں کا پابند ہونا چاہئے ۔ یہ روحانیت کے زینہ کے پہلے قدم ہیں ۔ ان کے بغیر وصالِ خدا ممکن نہیں ۔"

1- رُوحانیت میں ترقی کے لئے نیک چال چلن اور پاکیزہ زِندگی اشد ضروری ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ مندرجہ بالا خود ضبطی کے قواعد کی تائید میں کچھ کہنے کی ضرورت ہے ۔ سب مذاہب ان کی پابندی کے حق میں ہیں ۔ جو شخص بھی تشدد کرتا ہے یا کِسی کے جسم ، دِل یا جذبات کو ٹھیس پہنچاتا ہے ، وہ سخت دل ، بے رحم ، ظالم اور ناانصاف ہو جاتا ہے ۔ اس میں حیوانیت اور

جنگلی عادتیں آنے لگتی ہیں۔شکار کرنے والے جانور، جنگلی اور خونخوار ہوتے ہوئے بھی عام طور پر عادتاً بزدل ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے گھاس پھوس کھانے والے جانور سانڈ، ہاتھی وغیرہ باہمت، نڈر، بے خوف اور بے فکر ہوتے ہیں۔ زبانی تشدد (بد کلامی) چغلی، حسد، دوسروں کی بُرائی اور دماغی تشدد، حسد، دُشمنی، کسی کا بُرا سوچنا، بھی اتنا ہی بُرا ہے، جتنا کہ عمل سے تشدد کرنا۔

2- یہی حالت جھُوٹ بولنے والے کی ہے۔ وہ اپنا آئینۂ دل سیاہ کرلیتا ہے۔ وہ رُوحانی عمل کے قابل نہیں رہتا اسے بزدلی، جھجک اور ادائیگی فرض سے بھاگنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ صحیح طور پر سوچنے کی طاقت بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔

3- جو شخص دوسرے کی چیز چُراتا ہے، وہ نہ صرف اس کے بد اعمال کا بوجھ اپنے سر لیتا بلکہ اس کے گندے خیالوں، بُری عادتوں اور ان بیماریوں کو بھی اپنے سر لے لیتا ہے، جو ان استعمال شُدہ چیزوں کے ساتھ آتی ہیں۔ ایک چوری کو چھپانے کے لئے چور کئی اور گناہ اور جُرم کرتا ہے۔ بناوٹ، دھوکا اور ٹھگی اس کی فِطرت بن جاتی ہے۔

4- نفس اور نفسانی خواہشات تو روحانیت کی جڑیں ہی کاٹ دیتی ہے۔ کبیر صاحب کہتے ہیں، "جیسے روشنی اور تاریکی ایک ساتھ، ایک جگہ نہیں رہ سکتے، اسی طرح نفسانیت اور رُوحانیت دونوں ایک دِل میں، ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ جونہی نفسانیت دِل میں آتی ہے، خدا کا نام وہاں سے دُور ہو جاتا ہے۔ نفسانی خواہشات رُوحانیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں 1 ۔

5- اپری گرہ یعنی لاطمع ہونا عامل کو نہ تو خیرات پر گزر کرنا چاہئے اور نہ ہی سماج پر بوجھ

---

1 جہاں کام تہاں نام نہیں جہاں نام نہیں کام
دونوں کبھوں نہ ملیں روی رجنی اک ٹھام
(کبیر صاحب)

بننا چاہیئے - فقرائے کامل نے اپنی کمائی پر گزر بسر کرنے پر بہت زور دیا ہے -"

"اب اصولوں کی طرف آیئے ان سے مراد وہ کام یا اصول ہیں ؛ جن پر عمل کرنا چاہیئے - یہ بھی پانچ ہیں :-

1-شوچ یا صفائی :- آپ کا جسم صاف رہنا چاہیئے - آپ کی جائے رہائش اور پوشاک صاف ہونی چاہیئے- آپ کی خوراک صاف اور خالص ہونی چاہیئے- آپ کے خیالات نیک و پاک ہونے چاہیئے-

2- سنتوش یا صبر :- اپنے حصے جو آئے یا جو قسمت میں ہے 'اس پر شاکر رہنا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی ترقی کے لئے کوشش ہی نہ کرے بلکہ مراد یہ ہے کہ بے صبری و ناشُکری کے جذبات کو دور کرنا ہے دراصل ہماری ضروریات بہت کم ہیں مگر دولتمند سے دولتمند انسان بھی زیادہ سے زیادہ چیزوں کا خواہشمند ہوتا ہے -

3-تپ یا ریاضت :- جسمانی تکلیف ، سردی - گرمی ، بھوک - پیاس ، دھوپ - چھاؤں ، محبت - نفرت ، خوشی - غمی ، امیری - غریبی ، تندرستی - بیماری ، نفع - نقصان وغیرہ کو صبر و سکون سے یکساں سمجھ کر برداشت کرنا - عامل کو یہ بے حد خُود اعتمادی دیتی ہیں ، جس کے سہارے وہ مصیبت و غم میں بھی دماغی توازن بنائے رکھتا ہے -

4-سوادھیائے یا مطالعہ :- مذہبی اور رُوحانی کتب کا مطالعہ - اس میں سنتوں و فقیروں کا وعظ یا ست سنگ سُننا بھی شامل ہے -

5- اشور پرنیدھان :- خدا پر پکّا یقین رکھنا اور خود کو اس کی رضا پر چھوڑ دینا - خدا کے نوکر یا کارندہ' کی طرح کام کرتے رہنا اور اپنے اعمال کے پھل کی فکر و تمنا نہ کرنا -

حضور مہاراج جی فرماتے چلے گئے ، "بھگتی اور پریم یا عشق و بندگی کے مارگ کے انمول فوائد کی طرف نہ جا کر اگر انسان ان "یم و نیم" (کرنے یا نہ کرنے والے اعمال) پر ہی ایمانداری سے عمل کرتا چلا جائے تو وہ شخص ایک 'مکمل انسان' ' بدھ پُرش' بن جاتا ہے اور اس میں

میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے، مثلاً اگر ایک شخص ہر قیمت پر سچ بولتا ہے اور سچائی کا جذبہ اس کے جسم کے بال بال میں اتنا سما جائے کہ خواب میں بھی اس کے منہ سے سچ کے سوا کچھ اور نہ نکلے تو اسے 'واک سدھی' حاصل ہو جاتی ہے، یعنی وہ جو کچھ کہتا ہے، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔"

نوجوان بیرسٹر نے کہا، حضور، یہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ میں بھی اس کی کوشش کروں گا۔ مجھے یہ کمال کتنے عرصہ میں حاصل ہو سکتا ہے؟"

حضور نے فرمایا، "سچائی ہی آپ کی زندگی، روح اور سب کچھ بن جانا چاہئے۔ یہ کمال آپ کو تبھی مل سکے گا، جب کہ آپ کے جسم کے ہر حصہ اور بال بال میں یہ سچائی سما جائے۔"

نوجوان بیرسٹر بولا، "یہ تو بہت مشکل ہے۔ ایک وکیل اس میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ بہتر ہے میں کسی اور بات کی کوشش کروں۔ (اہنسا) یا عدم تشدد کے عمل سے مجھے کیا ملے گا؟"

حضور نے فرمایا، "درست ہے۔ تب آپ کو شیر اور چیتے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور سانپ بچھو بھی دوستوں سا سلوک کریں گے۔"

بیرسٹر بولا، "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مگر........"

حضور نے فرمایا، "اس عمل میں ایک خوبی اور بھی ہے۔ اگر آپ ان میں سے کسی بھی ایک 'یم' کو سدھ کر لیتے ہیں یعنی 'یم' پر عبور پا لیتے ہیں تو دوسری خوبیاں بھی اپنے آپ آجاتی ہیں۔" نوجوان مشنری پروفیسر نے مہاراج جی کی گفتگو کے نوٹ لینا شروع کر دیئے تھے۔ اس نے مہاراج جی سے آسنوں کے متعلق کچھ فرمانے کی درخواست کی۔

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "آسن، لفظ کا مطلب ہے بیٹھک یا نشست یعنی بیٹھنے کا طریقہ۔ ایک ہی آسن میں کافی دیر تک بیٹھے رہنا، روحانی عمل میں بڑا مددگار ہوتا ہے۔ آسنوں

کے متعلق کئی کتابیں ہیں۔ کچھ چوراسی آسنوں کا بیان کرتی ہیں تو کچھ سو آسنوں کا۔لیکن آسنوں کا خیال آپ کے دل پر چھا نہیں جانا چاہئے۔بیٹھنے کے طریقہ ہی اہم بات نہیں اہم تو یکسوئی خیال ہے۔ آسن کی اہمیت تو وہاں تک ہے، جہاں تک وہ یکسوئی میں امداد کرتی ہے۔ عامل کو کوئی بھی ایسا آسن اور آرام دہ آسن اختیار کرنا چاہئے، جس میں اسے بار بار ہلنے جُلنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔بار بار ہلنے جُلنے اور بیٹھک بدلتے رہنے سے یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی۔ 'درڑھ آسن' یعنی مضبوط اور پائدار نشست، سے جلد ہی یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ 'دھیان آسن' میں سر گردن اور ریڑھ کی ہڈی بالکل سیدھی رہنی چاہئے۔بغیر تناؤ کے، قدرتی ڈھنگ سے بیٹھنا چاہئے۔ خاموش، پُرسکوت، و تنہا جگہ میں بیٹھنا چاہئے تا کہ عمل یا ابھیاس بغیر کسی رکاوٹ کے ہو سکے۔"

نوجوان مشنری نے پوچھا،" کیا آپ نے کبھی اس یوگ کا ابھیاس کیا ہے۔"

حضور نے فرمایا،" ہاں، اپنے مُرشد سے ملاقات سے پہلے کچھ عرصہ کیا تھا۔لیکن اپنے ایک دوست کے کافی اصرار کرنے پر چھوڑ دیا۔ وہ خود اس عمل میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے بیمار رہنے لگے تھے۔"

مشنری نے عرض کیا" حضور! اگر آپ کو نامناسب نہ لگے تو کیا آپ براہ کرم کچھ آسن کر کے دِکھا سکتے ہیں؟"

حضور نے پوچھا،" آپ کو کس آسن میں دلچسپی ہے؟"

مشنری نے جواب دیا" کسی خاص میں نہیں۔"

حضور نے فرمایا"یوگی اکثر 'سدھ آسن' یا 'پدم آسن' میں بیٹھتے ہیں۔ 'پدم' کا مطلب ہے کنول۔اس آسن میں عامل زمین پر بیٹھ کر اپنی دائیں ایڑی کو بائیں ران پر اور بائیں ایڑی کو دائیں ران پر رکھتا ہے۔اس کے بعد داہنے پاؤں کا انگوٹھا پشت کے پیچھے

سے ، داہنے ہاتھ میں تھام لیا جاتا ہے اور بائیں پاؤں کا انگوٹھا بائیں ہاتھ سے۔ شروع شروع میں یہ آسن کچھ مشکل لگتا ہے لیکن تھوڑے عمل کے بعد کافی آسان ہو جاتا ہے۔یہ سارے آسن صاف اور خالی پیٹ کرنا چاہیئے۔ ' سِدھ آسن ' اس سے کچھ آسان ہے۔ اس میں عامل اسی طرح زمین پر بیٹھتا ہے لیکن بائیں ایڑی نیچے کی دو اندریوں کے دایاں پاؤں بائیں ایڑی پر رکھتا ہے اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھتا ہے۔"

"یوگ ہمیشہ کسی ایسے یوگی کی نگرانی میں کرنا چاہیئے، جو اس تعلیم سے مکمل واقف ہو اور جو یوگ کے قریب تمام طریقوں کو سکھانے کے قابل ہو یعنی کامِل ہو۔یوگیوں میں ایک پرانی کہاوت رائج ہے کہ جو صرف کتابیں پڑھ کر 'یوگ سادھنا' شروع کرتا ہے، وہ بیماریوں کو بلاوا دیتا ہے اور اپنی عمر کم کر لیتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، پرانایام ، ایک دو دھاری تلوار ہے، جو ایک طرف تو بے حد فائدہ پہنچاتی ہے اور دوسری طرف ایسا نقصان کرتی ہے جس کی کوئی تلافی نہیں کر سکتا۔میں نے اس سے فائدہ اٹھاتے بہت کم لوگوں کو ہی دیکھا ہے مگر نقصان بہت لوگوں کو ہوا ہے۔ایک دنیادار گرہستی کو اس میں نہیں الجھنا چاہیئے۔اگر کوئی شخص مجرّد (برہمچاری) نہیں تو اسے یہ عمل نہیں کرنا چاہیئے ،اس سے پھیپھڑوں کی بیماریاں ہو سکتی ہیں۔"

نوجوان مشنری نے کہا، "لوگ کہتے ہیں کہ یوگی کی عمر بہت لمبی ہوتی ہے۔"

حضور نے فرمایا ، اتنا ہی نہیں بلکہ اسے اور بہت سے کمالات حاصل ہو جاتے ہیں۔ وہ کئی کرشمات کر سکتا ہے۔وہ جہاں چاہے وہاں فوراً آ جا سکتا ہے۔جو بھی چاہے، کہیں سے بھی منگوا سکتا ہے۔ وہ بہت بھاری یا بہت ہلکا ، بہت لمبا یا بہت چھوٹا بن سکتا ہے۔ایسے اٹھارہ کمالات (سِدھیاں) ہیں۔مگر ہمارا مقصد انھیں حاصل کرنا نہیں ہے اور ان کو حاصل کرنے کا طریق بہت لمبا اور دشوار ہے۔"

مشنری بولا، "لیکن آپ تو یقیناً یہ کمالات حاصل کر سکتے تھے۔ آپ نے ان کو چھوڑ کر یہ نیا طریق کیوں اختیار کیا؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا " کیونکہ جہاں تک خدا سے وصال کا تعلق ہے، یوگ ہمیں بہت دور نہیں لے جا سکتا۔ اس یوگ کی سب سے اونچی اور آخری منزل "چیتن منڈل" میں سہنسرار ہے، جو کہ 'سنت مت' کی سب سے پہلی منزل ہے۔"

مشنری نے پوچھا "ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ ان کی آخری منزل آپ کی پہلی منزل ہے۔"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، " تمام، یوگ شاستر، اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ یوگی سب سے نچلے چکر 'مُول چکر' (گدا چکر) پر ہی خیال جماتے رہے اور اس پر عبور پانے میں اپنی تمام عمر گزارتے رہے۔ اس چکر سے اُوپر پانچ چکر اور ہیں۔ اگر یہ ان سب تک پہنچ بھی جائیں تو انھیں حقیقت کی کچھ جھلک یا سایہ ہی نظر آئے گا، اصل شے نہیں۔ یہاں ان کو جسم کی دیکھ بھال کرنے والے کچھ دیوتے ہی ملیں گے"

"ان کے اوپر 'انڈ'، کے چھ چکر ہیں (پنڈ کے نچلے چھ چکر ان کا ہی عکس ہیں) اور انڈ کے اوپر برہمانڈ کے چھ چکر ہیں۔ ان میں سب سے اونچا مقام 'مقام حق' (سچ کھنڈ) ہے، جو جاوید، لافنا، دائمی اور قیامت سے پرے، خدا کا جائے قیام ہے۔ کائنات کے آغاز میں روح یہاں سے ہی اُتر کر نیچے آئی تھی اور اب واپس وہیں جانا چاہتی ہے۔ کیونکہ روح کی بیٹھک یا قیام چھٹے چکر میں ہے، یہ اسی مقام سے اپنے گھر کی طرف چڑھائی شروع کر سکتی ہے۔ یہ کیوں اپنے مقام سے اتر کر سب سے نچلے چکر میں آئے اور کیوں نچلے چکروں کو طے کرنے والا لمبا، دشوار اور پُر تکان سفر شروع کرے؟"

چڑھائی شروع کرنے کا مقام جتنا نیچا ہو گا، سفر اتنا ہی لمبا اور دشوار ہو گا۔ چھٹے چکر سے کچھ اوپر، سہنسرار میں پہونچ کر، یوگ مارگ، کا عامل تھک گیا اور اس نے اسی مقام کو خدا کا سب سے اونچا مقام سمجھ لیا یوگی اس سے آگے جانے کے ناقابل تھے۔ فقرائے کامِل و سنت یہاں سے ہی اپنی شروعات کرتے ہیں۔ ان کا طریق بہت سادہ اور آسان ہے، جو جو عامل کو سب سے اونچی منزلوں پرے جاتا ہے۔ وہ روحانی طبقات و منڈل، قیامت کی پہنچ سے پرے ہیں۔ وہاں پہنچنا ہی ہمارا مقصد ہونا چاہئے۔ 'پنڈ' کے چھ اور 'انڈ' کے چھ اور 'برہمانڈ' کے پانچوں چکر فانی ہیں۔ کچھ قیامت (پرلیہ) میں فنا ہو جاتے ہیں تو کچھ قیامت کبیرہ (مہاپرلیہ) میں۔ فقط 'مقامِ حق' ہی لافانی ہے اور قیامت کبیرہ کی زد سے پرے ہے۔"

اتنے میں بی بی رلی آئیں اور بولیں ایک تو کب کا بج چکا اور دوپہر کے کھانے میں کافی دیر ہو رہی ہے۔ حضور نے اپنی جیب گھڑی نکالی اور فرمایا، "اوہ، وقت ایک بجے سے زیادہ ہو گیا ہے۔ مجھے آپ لوگوں کو اتنی دیر روکے رکھنے کا افسوس ہے۔" مجھ سے فرمایا "انھیں نئی کوٹھی (جسے آج کل گسٹ ہاؤس کہتے ہیں) میں لے جائیے اور ان کے کھانے کا انتظام کیجئے۔ مشنریوں اور رائے روشن لال کی طرف مڑ کر حضور نے فرمایا "ہمارا ڈیرا جنگل میں ہے۔ شہر یا دو کانوں سے دُور۔ یہاں کوئی بھی بڑھیا چیز دستیاب نہیں، اس لئے معمولی اور سادہ کھانے کی لئے آپ ہمیں معاف کریں۔

ان سب نے حضور مہاراج جی کا ان کے دلچسپ صاف اور روح کو حرکت دینے والے ارشادات کے لئے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب ان کو اس روحانی غذا کے بعد دنیاوی غذا کی بالکل بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔

کرشمات

میں نے نوجوان مشنری پروفیسر سے اپنا تعارف کرایا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے میری جان پہچان کرائی۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں بھی لاہور میں ان کے کالج کا طالب علم رہا ہوں اور وہیں سے بی اے کیا ہے۔ مشنری پروفیسر میرے ایک پرانے پروفیسر کے فرزند نکلے۔ انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ میں مشن کالج میں کون سے سال میں تھا۔ میں نے جواب دیا، "1908 سے 1910 تک"۔ وہ بول اٹھے، "اوہ، تب تو میں ایک چھوٹا بچہ تھا۔"

اس تعارف نے ہم کو ایک دوسرے کے اور قریب کر دیا۔ نئی ملاقات کی قدرتی جھجک دُور ہوگئی۔ میں نے جب کھانے کے بعد جانے کی اجازت مانگی تو پروفیسر نے پوچھا کہ کیا وہ میرے ساتھ میری رہائش گاہ پر چل سکتا ہے؟ میں فوراً راضی ہو گیا۔ حالانکہ وہ تیس سال سے کم عمر کا نوجوان تھا۔ لیکن اس نے ایسے پُر جستجو سوال کئے کہ میں جلد ہی سمجھ گیا کہ وہ کافی اچھا عالم اور عقلمند شخص ہے اور اسے حقیقت کو حاصل کرنے کی شدید طلب وتمنا ہے۔ اس میں عیسائی مذہب کے لئے کچھ طرفداری کا احساس ضرور تھا۔ عیسائی ہونے کے ناطے یہ قدرتی ہی تھا۔ اس نے اروند گھوش کے 'گیتا پر لیکچر' سوامی رام کرشن اور وویکانند کی کتابیں، ویدانت اور تھیوسافی پر کچھ ادب اور میکس مولر کے سنسکرت کی کتابوں کے چند ترجموں کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا اور ان پر اس کی نُکتہ چینی بہت عقلمندانہ تھی۔

ہم نے ہندوستانی فلسفہ کے چھ درشنوں پر گفتگو کی۔بعد ازیں گفتگو کراماتوں کی طرف چل نکلی۔اس نے حضور مہاراج جی کے کرشموں یا کراماتوں کے متعلق سوال کیا تھا لیکن حضور جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔اس لئے انھوں نے فرمایا تھا کہ اس بارے میں وہ پھر کبھی بات کریں گے۔لیکن جب ہم ان کے کمرہ سے نکل رہے تھے تو انھوں نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، "بہتر ہے، تم ہی اس مضمون پر ان سے گفتگو کرلو" ۔ چونکہ میں اس بارے میں گفتگو کرنے کے نااہل تھا، اسی لئے شاید مجھے پریشان سا دیکھ کر حضور نے اپنی تیز نگاہ سیدھی میری آنکھوں میں ڈالی ۔ وہ کیا نگاہ تھی! وہ فقط نظر ہی نہ تھی بلکہ نور کی ایک چمک تھی جو میری آنکھوں کے ذریعے میرے دماغ میں داخل ہو گئی ۔ ایسی نگاہ کیا نہیں کرسکتی! یہ ایک گونگے سے چاروں ویدوں کا پاٹھ کروا سکتی ہے ۔کیا اسی نگاہ نے کلہا گاؤں کی ان پڑھ مسلمان جولاہی حسینی کو چیمہ گاؤں ضلع امرتسر کے پنڈت رام رتن کے سامنے وید کے اس مشکل 'پد' 'ہرنیہ گربھ سم ورت تا گرے' کو مفصل سمجھانے کی طاقت نہیں بخشی تھی ۔ میری پریشانی دور ہو گئی اور حضور نے مجھ سے جو الفاظ کہلوائے وہ آگے دئے جاتے ہیں ۔

پروفیسر نے پوچھا، " کیا مہاراج جی نے کبھی کوئی کراماتیں دکھائی ہیں؟ عیسٰے مسیح نے تو بہت دکھائی تھیں ۔"

میں نے جواب دیا،" کامل مرشد کبھی دنیا میں نمائش کے لئے کرشمے نہیں دکھاتے۔ یہ ان سے کبھی کبھی قدرتاً ہوجایا کرتے ہیں لیکن وہ ہمیشہ پوشیدہ رکھے جاتے ہیں ۔"

پروفیسر نے پوچھا، " ایسا کیوں کیا جاتا ہے ؟"

میں نے جواب دیا ، " کامل مرشد کرشموں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ۔ کرشمے کے ذریعہ خدا کی رضا و موج میں دخل دینے کے بجائے ، راضی بہ رضا رہنا فقرا اور سنتوں کے

طریق میں کہیں زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ کامل فقراء و سنتوں میں اس قدر کمال اور طاقت ہے ،جس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ تو خدا کے پیارے بیٹے ہیں ،جن کو اس نے سب کچھ سونپ رکھا ہے۔ وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن وہ کرشموں و کراماتوں کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں ،جیسے کوئی بچہ صابن کے پانی میں بلبلے اٹھانے کا کھیل کھیلے۔"

پروفیسر نے کہا، "لیکن کرشمے یا کرامات دکھانا بھی تو ایک غیر معمولی طاقت کا کام ہے۔ کیا ایسا نہیں؟"

میں نے جواب دیا، "لوگ کرشمہ یا کرامات کو عزت، خوف اور تعجب سے ضرور دیکھتے ہیں مگر درحقیقت ان میں کوئی روحانی یا خدائی بات نہیں ہے۔ وہ تو من کے کھیل ہیں۔ من جب پوری طرح قابو و یکسو ہو جاتا ہے تو عجیب کمالات حاصل کر لیتا ہے۔ وہ بیمار کو تندرست، اندھے کو آنکھوں والا اور غریب کو مالدار بنا سکتا ہے، دوڑتی ہوئی ریل گاڑی کو روک سکتا ہے، بارش لا سکتا ہے اور ہوا میں اڑنے کے قابل بنا سکتا ہے، وہ جہاں چاہے وہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور بھی بہت سے غیر معمولی کام کر سکتا ہے۔ جو اپنے نفس کو جیت لیتا ہے وہ قدرت کی طاقتوں کا مالک ہو جاتا ہے۔ قدرت اور مادی نظام ایک غلام کی طرح اس کا حکم مانتے ہیں۔ ایک انسان کو اونچی روحانی منزلوں پر پہنچنے پر غیر معمولی کمالات حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ ان کمالات کو دنیاوی شان و شوکت کے لئے لوگوں کو کرشمے یا کمالات دکھا کر ان کا ناجائز استعمال کیوں کرے؟"

پروفیسر نے پوچھا، "اگر کسی شخص کو یہ کمالات حاصل ہیں تو انہیں کام میں لانے میں حرج ہی کیا ہے؟"

میں نے جواب دیا، "سنت و فقرائے کامِل ہمیشہ اپنے مُریدوں کو صلاح دیتے ہیں کہ ان کمالات کو کبھی کام میں نہ لاویں۔ ان کے استعمال میں بہت سے خطرے ہیں۔

شیطان ان کے ذریعے روحوں کو اپنے شکنجے میں پھنسائے رکھتا ہے اور اوپر کی طرف ترقی نہیں کرنے دیتا۔ اپنی روحانی چڑھائی کے دوران عامل کو یہ کمالات بہت جلد حاصل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ مگر ان کو کام میں لانا خالی از خطرہ نہیں۔ کبھی کبھی اس کی سزا بے حد سخت ہوتی ہے۔ یہ اس شخص کی نہ صرف روحانی ترقی بند کر دیتے ہیں بلکہ کبھی کبھی اسے گندی سے گندی خواہشات کا شکار بھی بنا دیتے ہیں۔ تب اس کے سب کمالات ختم ہو جاتے ہیں۔"

پروفیسر نے پوچھا، "لیکن فقرائے کامل کو تو کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا، پھر وہ ان کے استعمال سے کیوں احتراز کرتے ہیں۔

میں نے جواب دیا، "لیکن وہ ان کا استعمال کیوں کریں؟ انھیں کوئی ذاتی فائدہ تو اٹھانا نہیں ہوتا، نہ ہی وہ شان و شوکت اور عزت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ انھیں دنیا میں نمائش یا اپنے نام کی شہرت کی ضرورت نہیں۔ ان میں غرور و تکبر بال برابر بھی نہیں ہوتا۔ ایسے کام ہمیشہ اپنے ساتھ تکلیف لاتے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ملتان کے فقیر شمس تبریز کی کھال کھینچ لی گئی کیونکہ انھوں نے ایک مردہ بچے کو زندہ کر دیا تھا۔

پروفیسر نے پوچھا، " کیا عیسیٰ مسیح کو کراماتوں کی وجہ سے ہی صلیب پر چڑھایا گیا تھا؟"

میں نے کہا، "یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، البتہ فقرائے کامل کرشمات یا کرامات کی نمائش کو کبھی فروغ نہیں دیتے۔ عامل روحانی منزلوں پر جتنا اونچا چڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی وہ خود کو مالک کی رضا پر چھوڑتا جاتا ہے، راضی بہ رضا ہوتا جاتا ہے۔ اسے یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ وہ سب سے بڑا منتظم، دنیا کے ہر کام کا انتظام صحیح طور پر کر رہا ہے۔ وہ کبھی کوئی غلطی نہیں کرسکتا۔ پھر وہ اس کے کام میں فضول دخل اندازی کیوں کرے؟ وہ جو کچھ کرتا ہے، اچھا ہی کرتا ہے۔"

پروفیسر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا " ان غیر معمولی کمالات (سِدھیوں) کو حاصل کر لینا تو ایک بڑی نرالی بات ہو گی۔"

میں نے جواب دیا، " انسان کے اندر کئی طاقتیں پوشیدہ ہیں ۔ اگر کسی مُرشدِ کامل کی راہ نمائی میں وہ انھیں جگا لیتا ہے تو وہ قدرت کی سب طاقتوں پر قابو پا لیتا ہے ۔ دراصل انسان تبھی صحیح معنوں میں انسان بنتا ہے، جب وہ ان طاقتوں کو حاصل کر لیتا ہے ۔ یہ تو اس کی اپنی وراثت ہے ۔ اسے حاصل کئے بغیر انسان صحیح معنوں میں اِنسان نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ صرف ایک تھوڑا دماغی ترقی یافتہ جانور ہی کہلائے گا۔"

پروفیسر نے پوچھا، " اگر کوئی شخص ان طاقتوں کو اپنے زر و مال کے اضافہ میں استعمال کرے تو کیا کوئی نقصان ہو گا؟"

میں نے کہا، "میں آپ کو اپنے ایک رِشتہ دار کا تجربہ بتاتا ہوں ۔ وہ بہت غریب تھا ۔ بڑی مشکل سے گزارا ہوتا تھا اور بد نصیبی قدم قدم پر اس کا پیچھا کرتی تھی ۔ ایک بار میں نے اسے دو سو روپئے دیئے تاکہ وہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر سکے وہ روپئے لے کر گھر بھی نہ پہنچ پایا تھا کہ راستے میں ہی سو سو کے دونوں نوٹ کسی جیب کترے نے اڑا لئے ۔ پھر ایک بار اس کے چچا نے اسے ایک سلائی مشین دِلوا دی ۔ اس کی بیوی سلائی کے کام میں کافی ہوشیار تھی ۔ خیال تھا کہ وہ سلائی کے ذریعہ کچھ پیسے کما لے گی مگر جونہی اس کی بیوی کی سلائی مشین لینے کی برسوں پرانی تمنا پوری ہوئی، وہ ایک لمبے عرصہ کے لئے بیمار پڑ گئی ۔ اس کے شوہر کو دوا اور ڈاکٹروں کے بِل چُکانے کے لئے اس مشین کو بیچنا پڑا۔

"میرا رشتہ دار اچھا بندگی کرنے والا عامل تھا اور کافی اندرونی ترقی کر رہا تھا ۔ وہ چاہے کنگال تھا اور اس کے ماں باپ اور بیوی اُسے طعنے دیتے اور تنگ کرتے رہتے تھے مگر وہ

اپنے حال میں مست اور خوش تھا۔ ایک رات جب وہ عبادت میں بیٹھا تھا، اسے سونے کی مُہروں سے بھرا ہوا ایک صندوق پیش کیا گیا۔ غریبی سے پریشان، کمزوری کے زیرِ اثر اس نے وہ صندوق منظور کرلیا۔ شاید یہی وجہ ہوگی کیونکہ جیسا بعد میں معلوم ہوا، اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ عبادت کے وقت اگر اندر کوئی چیز دی جائے تو اسے نہیں لینا چاہئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت مالدار ہوگیا لیکن اس کے دِل سے مالکِ کی عبادت و محبت غائب ہوگئی۔ اس کے بعد وہ کبھی ڈیرہ نہیں آیا۔ میں اکثر اس سے ملتا ہوں۔ وہ ہمیشہ کہتا ہے کہ ایک دن وہ حضور مہاراج جی کے دیدار کرنے ضرور آئے گا لیکن وہ دن آج تک نہیں آیا کیونکہ وہ اپنے کاروبار میں ضرورت سے زیادہ مشغول رہتا ہے۔ ہم خدا اور دولت دونوں کی بندگی ایک ساتھ نہیں کر سکتے۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں ایں خیال است و محال است وجنوں

خدا بڑا 'حاسد محبوب' ہے۔ وہ کہتا ہے، اگر تم مجھے چاہتے ہو تو باقی سب محبت اور تمنائیں ترک کر دو، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہ کبھی کسی نے دیکھی ہیں، نہ سُنی ہیں نہ ہی سما سکتی ہیں۔"

پروفیسر نے پوچھا، "کیا آپ مجھے کسی کمائی والی یا خدا رسیدہ ہستی سے ملا سکتے ہیں؟"

میں نے کہا، "ایسے رسیدہ لوگ بہت سے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہیں۔"

میں ڈیرہ میں رہنے والے، کمائی والے لوگوں کے بارے سوچ ہی رہا تھا کہ بھائی وزیرا ہمارے کمرے کے سامنے سے نکلے۔ میں نے انہیں اندر بلایا۔ پروفیسر کھڑے ہو گئے، ان سے ہاتھ ملایا اور اپنے پاس سوفے پر بیٹھنے کے لئے کہا لیکن بھائی وزیرا جھجک اور عاجزی کے ساتھ زمین پر ہی بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ ہم کوئی بات پوچھیں یا کوئی کام بتائیں تھوڑی دیر کے لئے میں نے دونوں کو چپ چاپ رہنے دیا۔ وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھتے رہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی زبان نہیں جانتے تھے، اس لئے گفتگو کا سوال ہی نہ تھا۔

چند منٹ بعد بھائی وزیرا نے جانے کی اجازت چاہی۔ اُس کے چلے جانے کے بعد میں نے پروفیسر کو بتایا کہ یہ اچھوت ذات کا بہت غریب آدمی ہے ۔ اس کے پاس کوئی دولت جائداد نہیں ۔ بچپن سے ہی ڈیرہ میں رہ رہا ہے ۔ نام مل جانے کے بعد اس نے پُورا وقت عبادت و ریاضت میں لگایا اور باطن میں نمایاں ترقی کی ۔ یہ اس حالت میں پہنچ گیا جب کہ سب میں مُرشد ہی دِکھائی دیتا ہے ۔ یہ ایک درخت کو بازوؤں میں لے لیتا اور کہتا، "گورو دیو، میرے پیارے ستگُورو" یا ایک کتے کو گود میں لے لیتا اور کہتا، "میرے ستگُورو اس کے اندر ہیں ۔" یہ گھنٹوں تک، بڑی محبت سے، بیل کی پُشت پر ہاتھ پھیرتا اور بار بار پوچھتا رہتا، "میرے ستگورو، میرے مُرشد، آپ مجھ سے خوش تو ہیں نا؟" کبھی کبھی یہ اس زمین سے خاک اٹھا لاتا، جہاں سے حضور مہاراج جی نکلے ہوں، اور یہ کہتے ہوئے اسے اپنے چہرے اور ماتھے پر لگاتا کہ نفس کی گندگی کو دھونے کے لئے یہ ایک بڑھیا صابن ہے ۔ایک روز وہ حضور مہاراج جی کے قدموں میں گر گیا اور چلانے لگا، "میرا مُرشد خُدا ہے سب کا خالق ہے ۔" حضور نے اس کے متعلق سب باتیں سُن رکھی تھیں ۔ انھوں نے اسے کھڑا کیا اور ذرا سخت لہجے میں پوچھا، "تمہارے بارہ میں یہ سب کیا سُن رہا ہوں ؟"

بھائی وزیرا نے پوچھا، "کیا آپ سب کے بنانے والے نہیں ؟ کیا آپ سب کی زندگی نہیں ؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "راز کی باتیں ظاہر کرنا اچھا نہیں ، تمہیں اس کا نقصان اٹھانا پڑے گا ۔"

بھائی وزیرا بولا، "میں تو صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں ۔"

حضور نے اس سے پوچھا، "تمہیں یہ کرنے کے لئے کس نے کہا ہے ؟"

بھائی وزیرا بولا، "آپ نے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ٹھیک ہے، میں اپنی اجازت واپس لیتا ہوں۔"

اور فوراً سب کچھ واپس لے لیا گیا۔ بھائی وزیرا کے لئے درِ باطن (اندر کا دروازہ) بند ہو گیا۔ مالک کی بخشش واپس ہو گئی۔ عبادت و محبت کا چشمہ خشک ہو گیا۔ وہ عبادت میں ایک منٹ بھی نہ بیٹھ پاتا تھا۔ اس کا وہ جوش و خروش نہ رہا۔ اس کی لگن و مستی جاتی رہی۔ روحانی دولت کے کھونے کا صدمہ، دنیاوی دولت کے کھونے کے صدمہ سے کہیں زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ بھائی وزیرا اسے برداشت نہ کر سکا۔ وہ دن رات روتا رہتا۔ حضور مہاراج جی نے اسے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ باطنی دیدار بند ہونے کے ساتھ ہی اسے ظاہری دیدار سے بھی محروم کر دیا گیا۔ یہ سلسلہ پورا ایک ماہ تک چلتا رہا۔ بھائی وزیرا کی بھوک اور نیند سب غائب ہو گئی۔ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ چند پرانے ست سنگیوں نے اس کی طرف سے حضور سے التجا کی اور اسے حضور کے سامنے پیش کیا گیا۔

حضور مہاراج جی مسکرائے اور فرمایا، "اب کیا بات ہے، بیٹا؟"

بھائی وزیرا نے اپنے دونوں کان پکڑے اور کہا، "میرے مالک، مجھے سبق مل گیا۔ اب معاف کر دیجئے۔"

حضور نے فرمایا، "جاؤ، پھر کبھی یہ غلطی نہ کرنا۔"

کہانی ختم کرتے ہوئے میں نے کہا، "بھائی وزیرا کو اپنی گم شدہ دولت دوبارہ مل گئی۔ تب سے وہ بہت کم بولتا ہے۔ اس کے چہرے سے ہمیشہ سکون و خوشی جھلکتی رہتی ہے۔ اب لوگ اسے 'مونی وزیرا' (خاموش وزیرا) کہتے ہیں۔"

پروفیسر نے کہا، "شکریہ، یہ تو بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔"

میں کہتا چلا گیا، "میں اب آپ کو بتاتا ہوں کہ ایک سنت نے کرامات دکھانے پر اپنے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اٹل رائے جو بعد میں بابا اٹل کے نام سے مشہور ہوئے۔

گُورو ہر گوبند جی کے فرزند تھے ۔ گُورو ہر گوبند جی گُورو نانک صاحب کے سلسلے کے چھٹے گُورو تھے ۔ایک طرح سے یہ حال ہی کا واقعہ ہے ۔جب بابا اٹل چھ برس کے تھے تو موہن نامی ان کا ایک دوست مرگیا ۔وہ موہن کے گھر گئے تو وہاں ان کو موہن کے والدین و دیگر رشتہ دار بُری طرح روتے ہوئے ملِے، موہن کی ماں زار و قطار رو رہی تھی ۔ اس کی حالت ناقابلِ دید تھی ۔ اس نے اٹل رائے کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور روتے ہوئے کہا ۔"میرے بچے، تیرا دوست چل بسا!" اٹل نے کہا، "نہیں، یہ مرا نہیں، یہ تو کھیل میں میری باری نہ دینے اور مجھے نہ جیتنے دینے کے لئے موت کا صِرف بہانہ بنا کر پڑا ہے ۔ کل شام ہم کھیل رہے تھے ۔میری باری آئی کہ اتنے میں اندھیرا ہو گیا ۔ لیکن میرے ساتھ اس کی یہ چال نہیں چلے گی ۔" اٹل نے موہن کی لاش کے پاس جاکر، ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا اور کہا، "بہت دیر ہو رہی ہے، چلو ہم اپنا کھیل ختم کر لیں" اور وہ دونوں کھیل کے میدان میں چلے گئے بعد ازاں موہن کئی برس تک زِندہ رہا ۔

جب یہ واقعہ گورو ہر گوبند جی کو معلوم ہوا تو انھوں نے اٹل کو بلایا اور فرمایا، "بیٹا، تم نے یہ اچھا نہیں کیا ۔اب یہ کرامات کرنے کے بدلے یا تو تمہیں یہ دنیا چھوڑنی ہو گی، یا مجھے جانا ہو گا ۔" بابا اٹل نے اپنی نادانی کی قیمت ادا کرنا منظور کیا اور اسی وقت، وہیں زمین پر لیٹ گئے اور وفات پا گئے ۔

پروفیسر نے کہا، "لیکن یہاں تو لوگ کہتے ہیں کہ حضور مہاراج جی نے بہت سی کرامات دکھائی ہیں ۔"

میں نے جواب دیا، "ہاں، مگر کچھ دوسری قسم کی کرامات ہیں، جن کا فقرائے کامل اور سنت خوب استعمال کرتے ہیں ۔ ان کے مُریدان کا احساس روز کرتے ہیں ۔ یہاں کسی سے بھی پوچھئے وہ آپ کو اپنے کئی ذاتی تجربات سُنائے گا ۔ اگر آپ سُننا چاہیں تو میں آپ کو اپنے کچھ ذاتی تجربات سُنا سکتا ہوں ۔"

پروفیسر نے اصرار کیا، "براہ کرم ضرور سنائیے۔ یہ سب باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔"

میں نے کہا، "اچھی بات، جہاں تک میرا اپنا سوال ہے، جس دن میں بیعت ہوا، یعنی نام دان ملا، بلکہ ابھی مکمل طور پر 'نام' مل بھی نہ پایا تھا کہ مجھ پر کرامات کی بارش شروع ہو گئی۔ نام دان کے وقت ہی مجھے اپنا پہلا تجربہ ہوا۔ نام اکثر دو حصوں میں دیا جاتا ہے۔ پہلے حصہ میں مہاراج جی نے ہمیں اندر کے راستے کی کچھ باتیں، مثلاً راستے کے خاص خاص منڈلوں (طبقات) اور منزلوں کے نام بتلائے اور ان روشنیوں کا ذکر کیا جو راستے میں ہماری مدد کرتی ہیں اس، انحد ناد، دُھن یا ندائے سُلطانی کے بارہ میں بتایا، جس سے ہم علیحدہ علیحدہ طبقات کا فرق سمجھ سکیں اور اسی طرح اس طریق باطنی کی دیگر ضروری و اہم باتیں سمجھائیں۔ حضور مہاراج جی یہ سب سمجھا کر دو تجربہ کار (ست سنگیوں) کو ہمارے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کو ہمیں 'نام' یاد کرانے کا کام سونپا گیا تھا۔ ان کاموں کا ورد (جاپ) ہمارے عمل کا پہلا حصہ ہے۔ میں نے اپنے یورپین استادوں سے مشکل چیز کو آسانی سے یاد کرنے کا طریقہ سیکھ رکھا تھا۔ میں نے ان پانچ ناموں کے پہلے حروف کو جوڑ کر ایک نیا لفظ بنا لیا۔ جس کی وجہ سے مجھے ان ناموں اور تعلیمات کو یاد کرنے میں دس منٹ سے بھی کم وقت لگا۔ میرے دوسرے ساتھیوں کو اس کام میں پُورا ایک گھنٹہ لگا۔"

"ان لوگوں نے یہ سارا وقت بڑی یکسوئی سے ناموں کو یاد کرنے میں لگایا، جب کہ میں بڑی بے چینی سے اُن کے اس کام کے مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا۔ علاوہ ازیں میں جھوٹے غرور و تکبر کا شکار ہو گیا۔ دیگر لوگوں کی بہ نسبت اپنی تیز فہم اور بہتر یادداشت کا غرور میرے دِل پر چھا گیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بعد ایک گھنٹہ جب حضور واپس آئے اور انھوں نے روح کو (شبد دُھن) ندائے سُلطانی سے جوڑنے کا عمل بتایا تو میرے سب ساتھیوں نے تو اپنے باطن میں اس (شبد دھن) ندائے سلطانی کو سُنا مگر میرے پلے کچھ نہ پڑا۔

"جب حضور مہاراج جی کو یہ بتایا گیا تو انھوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اپنے سامنے

دھیان آسن پہ بٹھایا۔ اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی میرے ماتھے کے درمیان لگاتے ہوئے فرمایا، "کیا تمہیں کچھ بھی سُنائی نہیں دے رہا؟" حضور کے محض چھُونے سے ہی جیسے ندائے سلطانی (شبد شبد دُھن) کے خزانہ کا دروازہ کھُل گیا۔ گرجا گھر کے سے گھنٹے زور زور سے صاف بجنے شروع ہو گئے، اوپر کی طرف کشش ہونے لگی، روح نے جسم سے سمٹنا شروع کر دیا۔ معلوم نہیں کہ میں وہاں کتنی دیر تک بیٹھا رہا۔ مجھے تو فقط چند منٹ جیسا ہی احساس ہوا۔ اور پھر میں یکایک خود بخود کھِل کھِلا کر ہنس دیا اور آنکھیں کھول دیں۔ حضور مہاراج جی ہنس دیئے اور پوچھا، "کیا تم نے دُھن سُنی؟" میں نے جواب دیا، "جی ہاں، حضور، آپ کی رحمت سے۔" حضور نے فرمایا، "بہت اچھا، تمہارا کام بن گیا۔" بعدازاں کئی ماہ تک حضور مہاراج جی باطن میں ہمیشہ میرے ساتھ تھے اور رات دن گھنٹے کی دِلکش آواز گونجتی رہتی تھی"۔

"میرا خیال ہے کہ یہ سب پہلے سے ہی طے شُدہ تھا اور حضور مہاراج جی کی رحمت اور موج سے ایک خاص مقصد کے لئے ہی ایسا ہوا۔ مجھ جیسے، خدا سے مُنکر رُجحان والے بیس سالہ نوجوان کے لئے، جس کا دماغ مغربی تعلیم کے ذریعہ پُوری طرح مذہب کے خلاف ہو چکا تھا، یہ ضرب ضروری تھی۔ میں نام لینے یا تلاش حق کے لئے ڈیرہ نہیں آیا تھا۔ بڑے دِنوں کی رُخصتیں تھیں اور میں چند دوستوں کے ہمراہ دریائے بیاس میں کشتی چلانے کا مزہ لینے آیا تھا۔ شام کو ہم سب رخصتوں کی سیر و تفریح، موج و مستی میں محو، شوقیہ اور شغل کے طور پر حضور مہاراج جی کے ست سنگ میں گئے۔ میرے پلے کچھ خاص نہ پڑا۔

"ست سنگ شروع ہوتے ہی میرے خیال نے ادھر اُدھر بھٹکنا شروع کر دیا۔ مجھے صرف اتنا ہی یاد رہا کہ ست سنگ میں اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ اِنسانی جنم نایاب ہے۔ صِرف اِنسانی زندگی میں ہی خدا مِل سکتا ہے۔ وہ کہیں باہر اس دنیا میں نہیں مِل سکتا۔ بلکہ انسان کے جسم کے اندر ہی ملتا ہے۔ لیکن اس وقت خدا کی فکر کِسے تھی۔ اگلا دِن نام دان کا دِن تھا۔ بہت سے

لوگوں کو نام دیا جانے والا تھا ۔میرے ایک رشتہ دار ست سنگی تھے ۔ انھوں نے مجھے صبح کے ناشتے پر بلایا تھا ۔ ناشتہ کے بعد انھوں نے کہا، "تم نام کیوں نہیں لے لیتے؟ یہ موقعہ نایاب ہے ۔اسے ہاتھ سے نہ جانے دو ۔"

میں نے دل میں سوچا کہ یہ تماشہ بھی کیوں نہ دیکھا جائے؟ اور میں نے نام لینا مان لیا ۔ اسی خیال کے تحت میں نام لینے والوں میں شریک ہو گیا ۔ خدا اپنا کام کئی طرح سے سرانجام دیتا ہے، میں نادان تھا، تھوڑا تھوڑا خدا سے منکر بھی، اور کیا نہ تھا؟ لیکن حضور مہاراج جی کی نگاہ تو فقط میری روح یعنی خدا تعالی کے اس جُز پر تھی جس کی نجات کے لئے وہ آئے تھے ۔نام دان نے تو میری تمام زندگی ہی بدل ڈالی اور حضور کے میرے سر کو چھونے نے تو کوئی کسر ہی باقی نہ رکھی ۔میں اگر اپنے ساتھیوں کی طرح ابتدا میں ہی ندائے سلطانی (شبد دُھن) سُن لیتا تو میں اسے ایک عام حسب معمول ہونے والی قدرتی بات سمجھ لیتا مجھے مُرشد کامل کی لامحدود طاقت کا علم ہی نہ ہوتا اس لئے میرے لئے یہ تجربہ بہت ضروری تھا ۔ اس سے مجھے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ میرے سامنے ایک ایسی ہستی تشریف فرما ہے، جو دیکھنے میں تو معمولی انسان لگتی ہے، مگر جس میں وہ روحانی کمال ہے، جو گنہگار روحوں کو اٹھا کر ان اونچے روحانی طبقات میں لے جا سکتی ہے جہاں ندائے سُلطانی (انحد ناد) کی شیریں صدائیں گونج رہی ہیں ۔

یہ پہلا کرشمہ تھا جس کا میں نے احساس کیا، کیا یہ آج تک سنتوں یا فقیروں کے ذریعہ دکھائی گئی تمام کرامات سے افضل نہیں؟ اس کے بعد کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرا جب میں نے کوئی نہ کوئی ایسا ہی غیر معمولی کرشمۂ رحم و کرم نہ دیکھا ہو ۔

میں کچھ دیر خاموش رہا ۔ پھر پوچھا، "کیا آپ اور کچھ سننا چاہیں گے"؟

پروفیسر نے کہا، "آپ جتنا سُنا سکتے ہیں، سُنائیے ۔"

میں نے کہا، "اچھا تو میں ایک واقعہ اور سناتا ہوں، میرا لڑکا جالندھر میں وکالت

کرتا تھا۔ اس نے پنجاب سرکار میں پبلک پراسیکیوٹر (سرکاری وکیل) کی نوکری کے لئے درخواست دی، کل پانچ جگہ خالی تھیں ان میں سے تین آسامیاں مسلمان امیدواروں کے لئے مخصُوص تھیں اور ایک سکھ کے لئے، اس لئے ہندو وکیل کے لئے فقط ایک جگہ ہی بچتی تھی اس ایک جگہ کے لئے چالیس امیدوار تھے،ان میں سےایک کے لئے صوبہ کے گورنر نے سفارش کی تھی، تو دوسرے کی پشت پر ہائی کورٹ کے مُنصف اعلیٰ کا ہاتھ تھا۔ اس لئے میرے لڑکے کو یقین ہوگیا کہ اس کے انتخاب کی کوئی امید نہیں۔یوں بھی تو وہ ایک نیا وکیل تھا، اسے وکالت کا صِرف دوسال کا تجربہ تھا،اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انٹرویو دینے نہیں جائے گا،انٹرویو انبالہ میں بدھوار کو تھا،اور ہم حسب معمول اتوار کا ست سنگ سُننے ڈیرہ آئے ہوئے تھے۔

جب ہم حضور مہاراج جی سے وِداع ہونے لگے تو جالندھر کے ایڈوکیٹ سردار بھگت سنگھ صاحب نے حضور مہاراج جی کو باتوں باتوں میں یہ بات بتادی۔ میرا لڑکا ان دِنوں سردار صاحب کے پاس وکالت کا کام کرتا تھا، وہ حضور کے داہنی جانب بالکل قریب ہی کھڑا تھا، حضور نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھا اور فرمایا، "بیٹا اِنسان کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی انسان سے اُونچی بھی کوئی طاقت ہے، جاؤ، اپنی تقدیر کو آزماؤ۔ باہر نِکلتے ہی میں نے لڑکے کو مبارک باد دی اور کہا کہ بیٹا تمہارا انتخاب ہو گیا لیکن لڑکے تو لڑکے ہی ہوتے ہیں اور ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے، اسے یقین نہ آیا، اس کے خیال میں انبالہ جانا محض وقت اور روپیہ ضائع کرنا تھا، لیکن میں نے انٹرویو کے دِن اسے وہاں بھیج ہی دیا۔"

قریب ایکسو پچیس امیدوار تھے، انتخابیہ بورڈ نے ان کو پچیس پچیس کے گروپ

---

1 حکومت انگلشیہ میں سرکاری نوکریاں مذہب یا ذات کے مطابق دی جاتی تھیں اور ان دِنوں افسران بالا کی سفارش بڑی اہمیت رکھتی تھی۔

میں بلایا، اور میرا لڑکا پہلے ہی گروپ میں گیا، اور اتفاقاً پہلی قطار میں پہلے نمبر پر کھڑا ہو گیا۔ بورڈ کے صدر مسٹر ہمیلٹن ہارڈنگ نے اس کی درخواست کو بغور دیکھنے کے بعد پوچھا، تم اپنے کالج میں ٹینس کے کپتان اور ہوسٹل کے پراکٹر (قائم مقام صدر) رہے ہو، کیا یہ دونوں باتیں سرکاری وکالت کے کام میں تمہاری کچھ امداد کریں گی؟ یہ سوال کچھ ایسے طعنے اور طنز کے لہجہ میں پوچھا گیا تھا کہ میرے لڑکے کو غصہ آ گیا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس تیز طنز کا کیا جواب دے وہ کوئی ترش اور نادانی والا جواب دینے ہی والا تھا کہ بورڈ کے ایک دوسرے ممبر بول اٹھے کہ اس سے ظاہر ہے کہ اس میں طالبعلمانہ زندگی کے دوران بھی کسی کام کو سلیقہ سے کرنے اور راہ نما بننے کی قابلیت تھی۔

اس دوران میرا لڑکا پر سکون ہو چکا تھا، اس نے جواب دیا، جناب عالی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجھ میں جد و جہد کی قابلیت ہے اور میں آسانی سے ہار ماننے والا نہیں ہوں ایک وکیل میں یہ دونوں اوصاف ہونے بہت لازمی ہیں۔ بورڈ کے صدر نے کہا، لیکن تمہارا وکالت کا تجربہ تو بہت کم ہے۔" اور اس کے ساتھ ہی انٹرویو ختم ہو گیا، وہ باہر آ گیا وہ واپس گھر آنے والی پہلی گاڑی کے لئے اسٹیشن روانہ ہونا ہی چاہتا تھا کہ اس کے دوست نے، جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا اسے زبردستی روک لیا اور کہا کہ نتیجہ سن کر ہی جانا، وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رک گیا اور اکتا کر اونگھ اونگھ کر وقت گزار ہی رہا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب آئے اور اس کا کندھا تھپتھپا کر اسے جگایا وہ صاحب اس انتخابیہ بورڈ کے تیسرے ممبر تھے۔

انھوں نے پوچھا، "کیا تم سریشر لال کپور ہو؟"

سریشر نے جواب دیا، "جی ہاں۔"

انھوں نے پوچھا، "کیا تمہارے والد کپور تھلہ میں سیشن جج ہیں؟"

سریشر نے جواب دیا، "جی ہاں۔"

"وہ صاحب بولے ، ہم پرانے ہم جماعت ہیں انہیں میری طرف سے یاد کرنا۔ ان سے کہنا کہ حالانکہ ہم گذشتہ بیس برس سے نہیں ملے ، لیکن میرے دل میں ان کے لئے وہی عزت و محبت ہے جو کالج کے زمانہ میں تھی ، میں کسی دن ان سے ضرور ملنے آوں گا۔ تم میرا نام جاننا چاہو گے ، یہ لو میرا تعارفی کارڈ ، اس پر ان کا نام چھپا تھا ، (رائے بہادر...... ڈی۔ آئی۔ جی پولیس) انتخاب میں تم اول رہے ہو۔ میں اب جاکر تمہاری تعیناتی کا حکم جاری کراتا ہوں ہم تمہاری تقرری رہتک میں کر رہے ہیں ۔ بہتر ہوگا ، فوراً وہاں جاکر حاضری دو ۔ کیونکہ کبھی کبھی چند گھنٹوں کی پہل نوکری میں بڑا فرق ڈالتی ہے (اور بعد میں حقیقتاً ہوا بھی ایسا ہی) میرے ست گورو نے یہ سب کیسے کرا لیا ؟ دریافت کرنے پر سریلشر کو معلوم ہوا کہ بورڈ نے اس دفعہ تین کی بجائے صرف دو مسلمان اُمید واروں کو لینے کا فیصلہ کیا تھا اور اس طرح بچی ہوئی تیسری خالی آسامی پر گورنر کے پروردہ سفارشی ہندو کو لے لیا گیا۔"

جب پروفیسر نے اس واقعہ کو بہت دلچسپ بتایا تو میں کہتا چلا گیا ، فقرائے کامل کبھی کبھی دیگر قسم کی کرامات بھی دکھاتے ہیں مگر کسی خاص موقعہ اور وجہ سے مگر ساتھ ہی اس کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے ، میں آپ کو ایک چشم دید واقعہ بتلاتا ہوں ۔

"ایک دفعہ حضور مہاراج جی اپنا فارم دیکھ کر ، سکندر پور سے سرسہ واپس تشریف لا رہے تھے ، وہاں سے ان کو بیاس کے لئے گاڑی لینی تھی ۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے اور میاں شادی (حضور کے ایک مسلمان مُرید) میں اور دو تین دیگر ست سنگی حضور کے پیچھے پیچھے پیدل چل رہے تھے ، اس علاقہ میں بڑے زہریلے سانپ ہوتے تھے ، ان دِنوں وہاں سڑکیں بھی نہیں تھیں ، اس لئے ہم لوگ کھیتوں سے نکل رہے تھے ، یکایک میاں شادی چلایا کہ اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے ، سانپ ابھی تک وہاں ہی تھا ہم نے اسے مار ڈالا ۔ اس علاقہ میں کالے ناگ کا کاٹا ہوا آدمی پانی بھی نہیں مانگ پاتا تھا ۔ لوگوں میں یہ کہاوت مشہور تھی ، کہ سانپ اپنے شکار سے کہتا تھا کہ

تو مجھ پر نہ گر دوسری طرف جا گر۔

بھائی شادی کا رنگ یکدم بدل گیا۔ وہ چل نہیں پا رہا تھا۔ حضور مہاراج جی ہم سے چند گز آگے تھے۔ جونہی میں ان کو اس بڑے واقعہ کی خبر دینے چلا کہ شادی نے درد بھرے لہجہ میں آواز دی، "مہربانی کر کے ان سے نہ کہنا۔"

"کیوں نہیں؟ مجھے کہنا ہی چاہیئے اس میں کیا ہرج ہے؟" میں نے کہا۔

بھائی شادی بولا، "کیا ایک یہی تحفہ رہ گیا ہے، اپنے مالک کو نذر کرنے کے لئے؟ میں ان کو سانپ کا زہر پیش نہیں کرنا چاہتا۔" مجھے اس کی یہ بات غیر واجب لگی لیکن اس نے یہ بات مجھے اتنی منت، انکساری و عاجزی سے گڑ گڑا کر کہی کہ میں اس کی خواہش کے خلاف نہ جا سکا، وہ بے ہوش ہو کر گر گیا۔ شاید مر گیا۔

جب ہم لوگ کافی پیچھے رہ گئے تو حضور نے یکایک پیچھے مڑ کر دیکھا، ہمیں گھبرائے ہوئے کھڑے دیکھ کر انہوں نے اپنا گھوڑا واپس موڑا اور جہاں ہم بھائی شادی کے جسم کو گھیرے کھڑے تھے، وہاں آ گئے۔

"حضور مہاراج جی کو اس واقعہ کی تفصیل سن کر بہت غم ہوا انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ بھائی شادی کو گھوڑے پر لادیں تا کہ اسے سرسہ ہسپتال میں لے جایا جا سکے، لیکن یہ نا ممکن تھا دو آدمیوں کا سہارا دینے پر بھی بھائی شادی کا جسم گھوڑے پر نہیں ٹھہرتا تھا، اس لئے ہم نے زمین پر ایک چادر بچھائی اور اس پر اسے لٹا دیا۔ حضور نے فرمایا دیکھو، یہاں کہیں کوئی نیم کا درخت ہے؟ سنتے ہیں۔ اس کی پتیاں سانپ کا زہر ختم کرنے میں بڑی کارگر ہوتی ہیں۔" لیکن وہاں کسی طرح کا کوئی درخت ہی نظر نہیں آ رہا تھا، تھوڑی دور پر ایک جھاڑی دیکھ کر حضور نے ایک آدمی کو اس کی ایک شاخ توڑ لانے کو بھیجا۔ شاخ آ جانے پر اسے زخم پر گھماتے ہوئے حضور نے فرمایا، "میں نے سنا ہے کہ اس طرح جھاڑی کی ٹہنی گھمانے سے زہر

دور ہو جاتا ہے ۔" لیکن ہم سب جانتے تھے کہ زہر کیسے دور ہو رہا ہے ۔قریب دس منٹ بعد بھائی شادی کو ہوش آ گیا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس میں دوبارہ جان آ گئی کیونکہ وہ قریب قریب مر ہی گیا تھا ۔ اس کا جسم سر سے پاؤں تک کالا پڑ گیا تھا ۔ وہاں ایسے سانپ کا کاٹا ہوا کبھی بچتا ہوا نہیں سنا تھا ۔

بھائی شادی کو ہوش میں آنے کے بعد جب یہ سب کچھ معلوم ہوا تو وہ زار وقطار رونے لگا ۔ اور بولا" میرے مالک ، آپ نے اپنے سر پر میرے گناہ کا بوجھ کیوں لیا ؟ میرے جیسا گندگی کا کیڑا اس مہر کے قابل نہ تھا ۔" پھر شادی نے مجھ سے پوچھا ، آپ نے میرے پیارے مالک سے کیوں کہا ؟ آپ کو ایسا نہیں کرنا تھا ، میرے گلاب جیسے پیارے مُرشد کے تکلیف اٹھانے سے تو میرا مر جانا کہیں بہتر تھا ۔"

میں نے جواب دیا" شادی میں نے حضور سے نہیں کہا ۔"

مگر شادی جھنجلایا" آپ مجھے مر جانے دیتے ، میرے مالک کو یہ تکلیف تو نہ اٹھانی پڑتی ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا کہ ہم لوگ اس کے متعلق زیادہ گفتگو نہ کریں ۔ بھائی شادی پیدائش سے مسلمان تھا ، لیکن اس نے اپنے رشتہ داروں ، برادری اور ذات کے لوگوں کے غصہ اور طنز و طعنہ کی پرواہ نہ کر کے حوصلہ مندی اور دلیری سے ایک ہندو کو اپنا مُرشد بنا لیا ۔ وہ ان کی نظر میں کافر تھا ۔ بھائی شادی نے شادی نہیں کی اس لئے اپنی ساری عمر اپنے پیارے مُرشد کی خدمت میں ہی گذار دی ۔

ہم چائے پی رہے تھے اور ساتھ ساتھ یہ باتیں بھی کر رہے تھے کہ اتنے میں اطلاع ملی کہ حضور مہاراج جی شام کو چار بجے ست سنگ کریں گے ، اس وقت پونے چار بجے تھے لہذا ہم دونوں نئے ست سنگ گھر کو چل دیئے ۔ مشنری پارٹی نے بھی مچھلی کے شکار پر جانے کی بجائے ست سنگ سُننے کا فیصلہ کر لیا ۔

ایک ست سنگ

حضور مہاراج جی نے گرنتھ صاحب میں سے پانچویں گورو صاحب کی مندرجہ ذیل بانی کی وضاحت کرتے ہوئے ست سنگ شروع کیا:

گورو پرمیشر پوجیئے ، من تن لائے پیار
ست گورو داتا جیہ کا ، سبھ سے دے ادھار
ست گوڑ بچن کماونے ، سچا ایہہ ویچار
بن سادھو سنگت رتیاں ، مایا موہ سب چھار
میرے ساجن ہر ہر نام سمھال
سادھو سنگت من وسے ، پورن ہووے گھال
گورو سمرتھ اپار گورو ، وڈ بھاگی درسن ہوئے
گورو اگوچر نرملا ، گورو جےوڈ اور نہ کوئے
گورو کرتا گورو کرن ہار ، گورمکھ سچی سوئے
گورو تے باہر کچھ نہیں ، گورو کیتا لوڑے سو ہوئے
گورو تیرتھ گورو پارجات ، گورو منسا پورن ہار
گورو داتا ہر نام دیئے ، ادھرے سب سنسار
گورو سمرتھ نرنکار گورو ، اوچا اگم اپار

گورو کی مہما اگم ہے ، کیا کتھے کتھن ہار
جتڑے پھل من باچھیئے ، تتڑے سنگوُر پاس
پوُرب لکھے پاونے ، ساچ نام دے راس
سنگوُر سرنی آئیا ، باہڑ نہیں بناس
ہری نانک کدے نہ وسرو ، ایہہ جیو پنڈ تیرا ساس
(آدی گرنتھ صفحہ -52)

حضور مہاراج جی نے فرمایا ،" صرف دو ہی چیزیں ہماری پرستش کے قابل ہیں ، ایک مُرشد اور دوسرا مالک ،شاید آپ سوال کریں کہ میں نے مُرشد کو پہلا درجہ کیوں دیا ہے ۔خدا کو کیوں نہیں؟ یہ سوال قدرتی ہے جتنے بھی سنتوں مہاتماؤں فقرا اور اولیا نے روحانیت کی تحقیق کی ہے اورجن کی باطن میں رسائی ہوئی ہے ،ان سب کا یہی قول ہے کہ وہ مالک ہمارے اندر ہے ۔ لیکن بغیر مرشد کی رحمت کے کوئی اسے پا نہیں سکتا۔ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا ہے ، ہمارے اندر رہا ہے ، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس کے ہمارے اندر ہوتے ہوئے بھی ہماری کتنی بُری حالت ہو رہی ہے جب مُرشد سے ملنے کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے طریق سکھایا اور مالک کے رُوبرُو دیدار کرا دئے ۔ لہذا فوقیت کس کی ہوئی مُرشد کی ۔ اسی بات کو کبیر صاحب اپنے ڈھنگ سے کہتے ہیں ۔

گورو گووند دوؤ کھڑے کاکے لاگوں پائے
بلہاری گورو آپنے ، جن گوبند دیئو دِکھائے

دراصل اس اصول کی تائید میں کسی زبردست دلیل کی ضرورت نہیں ،خدا کے ہمارے اندر ہوتے ہوئے بھی ہم جہنم و جنت میں دھکیلے جا رہے تھے ، کیڑے ، مکوڑے ،چرند ،پرند کی شکل میں پیدا ہو رہے اور مر رہے تھے کبھی گھاس ، پھوس یا درخت کی

شکل میں پیدا ہوئے تو کبھی کیڑے مکوڑے، سانپ، خرگوش وغیرہ کے جسم میں۔ کوئی ہماری امداد کو نہیں آیا لیکن جب ہمیں مُرشد ملے تو اُنہوں نے ہمیں ان تکلیفوں سے بچا لیا اور مالک کے محل میں لے گئے۔

"بوقت موت کون ہمارا ساتھ دیتا ہے؟ اس وقت ہمیں رشتہ دار، دوست، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیٹا بیٹی، ہمسایہ وغیرہ سب چھوڑ دیتے ہیں، یہاں تک کہ جس کی بناوٹ وسجاوٹ کے لئے ہم طرح طرح کے گناہ کرتے ہیں، وہ جسم بھی دھوکا دے جاتا ہے۔ اگر بوقت موت کوئی ہماری امداد کرتا ہے اور دھرم راج کے دربار میں ہمارے ساتھ جاتا ہے تو وہ صرف مرشد ہے۔ موت کے بعد کوئی امداد نہیں کرسکتا۔ اگر خوش قسمتی سے انسان کو مُرشد کامل مل جائے اور وہ ان سے بیعت ہوکر پیار اور عقیدت سے ریاضت کرے تو یقیناً بوقت موت اس کے مُرشدِ کامل ظاہر ہوں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر مُرشد موت کی بے انتہا تکالیف کے وقت کچھ امداد نہیں کرتا تو ایسے مُرشد کا کیا فائیدہ؟ تکلیف کے اس نازک وقت میں سہارے اور امداد کے لئے ہی مُرشد کی پناہ لی جاتی ہے اگر مُرشد سے یہ مدد نہیں ملتی تو ایسے مُرشد کو ہمارا دُور سے ہی سلام! اس لئے مُرشد کے انتخاب میں بڑی ہوشیاری و سمجھ داری سے کام لینا چاہئے۔ ہمیں صرف کامل مُرشد کو ہی اختیار کرنا چاہئے۔ بوقت موت جان نکلنے میں بڑی تقلیف ہوتی ہے، جسے مُرشد نہیں ملا اس کی موت کے وقت، موت کے فرشتے آتے ہیں۔ لیکن "ست سنگی" کی موت کے وقت مُرشدِ کامل آجاتے ہیں اور تب اسے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی اپنی شادی پر بھی نہیں ہوتی۔"

اس بات پر مشنری پروفیسر نے پوچھا، "اگر مُرید نے اندر کوئی ترقی نہیں کی تو کیا مُرشد اس کی موت کے وقت بھی آئیں گے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بے شک، کیونکہ مُرشد کا مطلب ہی رحم و کرم ہے، مُرید

کو بیعت کرتے وقت ہی مُرشد یہ ذِمہ داری اپنے اوپر لے لیتا ہے، خواہ مُرید نے اپنا فرض ادا کیا ہے یا نہیں، وہ اپنا وعدہ ضرور پُورا کریں گے۔ اس پر یقین تب آتا ہے، جب انسان اپنے اندر مُرشد کی کارکردگی دیکھتا ہے میں نے ایسی کئی ماؤں کو دیکھا ہے کہ جن کا موت کے روز اپنے ننھے بچوں سے لگاؤ ختم ہو گیا اور ان کو دودھ پلانے سے انکار کر دیا۔ جب ان کی بزرگ عورتیں بچوں کو ان کے پاس لائیں تو انہوں نے بچوں کو گود میں لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اب تو وہ خود مُرشد کی گود میں ہیں 1۔

"کلو ننگل میں سوہن سنگھ نام کا ایک ست سنگی رہتا تھا۔ ڈھلتی عمر میں اس کے بچے ہوئے تھے، اس کا خیال اپنے بچوں میں اتنا زیادہ تھا کہ دوست اسے چڑایا کرتے تھے کہ موت کے وقت اس کی گردن تو اس کی اولاد کے ہاتھوں میں ہو گی اور پاؤں موت کے فرِشتوں کے ہاتھوں میں۔ لیکن جب اس کا دنیا سے وداع ہونے کا وقت آیا تو اسے چند روز پہلے ہی اپنے باطن میں اس قدر لطف و مزہ آنے لگا کہ اس نے بچوں کو ڈرانے کیلئے اپنے پاس ایک ننگی تلوار رکھ لی اور کہتا کہ جو اس کے پاس آئے گا، وہ اسے قتل کر دے گا 2۔ کلمہ (نام) تمام دنیاوی محبت کو دُور کر دیتا ہے اور باطن کی سب غلاظت کو ہٹا دیتا ہے۔ مُرشدِ کامِل بوقت موتِ مُرید کی توجہ سب طرف سے ہٹا کر باطن میں لگا دیتا ہے۔"

پروفیسر نے پوچھا، "حضور، مُرشدِ کامِل کا مِلنا بھی تو بہت مُشکل ہے۔"

---

1 اس طرح مرشد موت کی سختی و تکلیف کو کم کر دیتا ہے اور بوقت موت "ست سنگی" پوری طرح سے بے لگاؤ ہو کر جانے میں خوش ہوتا ہے۔ 2 وہ تلوار کا استعمال تو نہیں کرتا تھا، اس نے صرف اپنے بچوں کو دور رکھنے کیلئے تلوار رکھی تھی تا کہ نہ تو وہ اُسے آخری وقت پریشان کریں اور نہ ہی ان کو باپ کی وفات کا گہرا صدمہ اور رنج محسوس ہو۔

مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں یہ درست ہے۔مُرشد کبھی نہیں کہتا کہ وہ مُرشد ہے وہ تو کہتا ہے، آپ مجھے بھائی ، دوست، استاد، بیٹا، خدمت گار کچھ بھی سمجھ لیں، مگر میرا کہا مانیں اور اپنے باطن میں داخل ہوں۔ جب آپ اس میں کامیاب ہو جائیں گے تو آپ دیکھ لیں گے کہ مُرشد کامل کس مرتبہ اور طاقت کا مالک ہے تب آپ ان کو جیسا چاہیں مخاطب کر سکتے ہیں۔ کسی درویش یا فقیر کامِل نے آج تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مُرشدِ کامِل ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے آپ کو خِدمت گار یا داس کہتے ہیں۔ گورو نانک صاحب اور کبیر صاحب نے ہمیشہ اپنے کو داس ہی کہا۔

مُرشد کبھی کسی سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا۔ اگر لیتا ہے تو وہ مُرشد نہیں بھکاری ہے مُرشد داتا ہے بھکاری نہیں۔ وہ دینے کو آتا ہے، لینے کو نہیں۔ فقرائے کامِل ہمیشہ اپنی محنت، ایمانداری اور حق حلال کی کمائی کھاتے ہیں۔ وہ مزدوری کریں گے، دوکانداری کریں گے، کاشتکاری کریں گے، لیکن دوسروں کی خیرات کا سہارا نہ لیں گے، اور نہ ہی دوسروں کے سر پر بوجھ بن کر رہیں گے۔ آپ ان کی سوانح عمری پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ کبیر صاحب کے مُریدوں میں راجہ مہاراجہ اور بادشاہ بھی تھے لیکن وہ زِندگی بھر جولاہے کا کام کرتے رہے۔ ان کے گھر میں فقط دو چارپائیاں تھیں، جن کو وہ اپنے گھر آنے والے درویشوں اور فقیروں کو دے دیا کرتے اور خود سارا کنبہ زمین پر ہی رات گذار لیا کرتا تھا۔ گھر میں کھانے کی ہمیشہ کمی رہتی تھی۔ جو بھی ہوتا تھا اسے وہ سادھوؤں اور درویشوں کو کھلا دیتے تھے، اور خود مٹھی بھر چنوں پر دِن گذار لیتے تھے۔ کبیر صاحب کی زِندگی کی یہ تصویر ہمیں ان کی بیوی، مائی لوئی کے ایک گیت سے ملتی ہے۔

روی داس بڑے بلند پایہ سنت تھے۔ وہ رانی میراں بائی اور راجہ پیپا کے مُرشد تھے لیکن زندگی بھر موچی کا کام کرتے رہے۔ لوگوں کی جوتیاں گانٹھ، گانٹھ کر روزی کماتے

رہے۔سنت نامدیو نے کپڑوں کی رنگائی وچھپائی کر کے اپنا گذارہ کیا۔ گورو نانک صاحب نے کاشتکاری کی۔ میرے مرشد کامل بابا جیمل سنگھ جی فوج میں سپاہی تھے۔ اپنی معمولی پینشن پر انہوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی گذار دی۔اور سنگت کی خدمت کی۔ مالک کا بھگت ہمیشہ اپنی نیک کمائی کا کھانا کھائے گا۔ غلط طریقہ سے کمایا ہوا کھانا دل کو ناپاک بناتا ہے اور روحانی عمل میں بڑی رکاوٹ ڈالتا ہے۔

وہ شخص کتنا خوش قسمت ہے، جسے مقدر کسی ایسے سنت و مُرشد کامل سے ملا دیتا ہے۔مُرشد ہماری سنبھال کرتا ہے، ہماری زندگی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ہمارا اس سے زیادہ قریبی اور عزیز رشتہ دار یا دوست اور کون ہو سکتا ہے؟ اس لئے گورو ارجن دیو جی پرستش و پیار کے لئے مرشد کو ہی پہلا درجہ دیتے ہیں۔ لیکن مُرشدانِ کامل اپنی پرستش نہیں کراتے اور نہ انہیں ہمارے پیار کی ضرورت ہے۔ انکی اپنی محبت اور توجہ مالک کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تم بھی مالک کے ساتھ محبت کرو۔ تو پھر مُرشد کے ساتھ محبت کرنا کیوں ضروری ہے؟ صرف اس لئے کہ ہمارا خیال سب طرف سے ہٹ کر عشقِ الٰہی یا روحانیت کی طرف لگ جائے۔

اگر پانی کی ایک ٹنکی کا پانی جو کئی نلوں اور ٹونٹیوں سے بہہ رہا ہے، تمام نل بند کر کے صرف ایک نل میں سے نکالا جائے تو اس کا بہاؤ کتنا تیز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہماری روح کی رَو یا دھار، آنکھ کان ناک اور دوسرے دروازوں سے نکل کر بیوی بچوں، ماں باپ، رشتہ داروں، دوستوں اور دنیا کی دیگر جاندار و غیر جاندار چیزوں میں آلودہ ہو رہی ہے اگر اسی محبت کو ان سب سے ہٹا کر فقط مرشدِ کامل کی طرف لگا دیا جائے تو اس میں کتنی ہمت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ کیا کچھ کر سکتی ہے، اس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔

پروفیسر نے پوچھا، "حضور مُرشد کے لئے یہ محبت و عقیدت کیسے پیدا کی جاتی ہے؟

حضور نے فرمایا، "مجھے خوشی ہے کہ آپ نے یہ سوال کیا، سچی محبت و پرستش کیا ہے ؟ گورو ارجن دیو جی اسی شبد میں اس کا جواب دیتے ہیں ۔ "سگورو بچن کماونے سچا ایہو وچار" یعنی مُرشد جو بھی حکم دے اس کی پُورے یقین کے ساتھ تعمیل ہی مُرشد سے سچی محبت اور عقیدت ہے مُرشد کا حکم ہے کہ شراب کباب سے دور رہو، نیک و پاک زندگی بسر کرو، کسی کے مال دولت کی چوری نہ کرو، شہوت وغصہ ترک کرو، نفسانی خواہشات کو دِل سے نکال کر اندر روحانی منزلوں پر چڑھائی کرو۔ یہی آپ کی زندگی کا اصلی مقصد ہے ۔ سگورو کے پیار کو مکمل کرو ۔ مُرشد عشقِ الٰہی سے بھرپُور ہے ۔ اس لئے جب ہم مُرشد سے عشق کریں گے، تو عشقِ الٰہی ہمارے اندر خود بخود آجائے گا عشقِ مُرشد ہی عشقِ الٰہی ہے ۔ خدا میں جذب ہونے کا واحد یہی راستہ ہے مُرشد سے عشق وصالِ خدا کے زینہ کا پہلا قدم ہے ۔

مذہبی کتب کا مطالعہ، مقدّس مقامات کی زیارت، گنگا اشنان سے آج تک کسی کا خدا سے وصال نہیں ہوا ۔ راون نہ صرف چاروں ویدوں کا عالم ہی تھا بلکہ ان کا فاضل نقاد بھی تھا ۔ اس کی وضاحت بہترین مانی جاتی ہے ۔ لیکن اس کا کردار کیسا تھا ؟ آپ سب کو معلوم ہے کہ ہر برس ہندوستان کے ہر گاؤں اور ہر شہر میں اس کا پُتلا کیوں جلایا جاتا ہے ۔ خدا کتابوں میں نہیں ۔ وہ تو اپنے اندر ہے ۔ مقدّس کتابوں میں صِرف اس کی صِفت و ثنا ہے، وہ خود نہیں ۔ فقط ایک زندہ مُرشد ہی اس سے وصال کی راہ نمائی کرسکتا ہے ۔ کسی کامِل مُرشد کو تلاش کرو اور اس سے اندر جانے کا راز حاصل کرو جب آپ آنکھوں کے پیچھے تیسرے تِل پر پہنچیں گے تو وہاں مُرشد کو منتظر پائیں گے ۔ اس کے بعد وہ آپ کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑے گا ۔"

حضور مہاراج جی فرماتے چلے گئے، "آپ خواہ امریکہ، یورپ، افریقہ یا اور کسی ملک چلے جائیں، مُرشدِ کامِل ہر وقت اور ہر جگہ آپ کے ساتھ ہیں ۔ آپ اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں، دروازے بند ہیں، مگر جونہی آپ ان کو یاد کرتے ہیں، وہ وہیں آپ کے سامنے آجاتے ہیں آپ

ان سے کوئی بات پوچھیں، وہ جواب دیں گے۔ وہ ہر مصیبت میں آپ کی امداد کریں گے، تکلیفات و مُشکلات میں آپ کی راہ نمائی کریں گے، دریاؤں، سمندروں، پہاڑوں اور جنگلوں میں آپ کی حفاظت کریں گے، عبادت کی یہی حقیقی راہ ہے۔ باقی سب جھوٹ اور فریب ہے۔ ذرا ٹھنڈے دماغ سے غور کیجئے، اس دنیا میں ایسی کون سی دولت ہے، جو ہمیں جمع کرنی چاہیئے؟ صرف نام کی دولت ہی اس دنیا میں اور اس کے بعد ہمارے کام آئے گی۔"

پروفیسر نے پوچھا، "نام سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "نام" کا لفظی مطلب ہے، خدا کا کوئی مقدّس نام۔ مگر سنتوں یا فقرائے کامل کا 'نام' کوئی لکھا پڑھا یا بولا جا سکنے والا لفظ یا نام نہیں ہے ان کا نام انگریزی، فارسی، سنسکرت یا کسی بھی زبان میں نہ لکھا جا سکتا ہے، نہ بولا جا سکتا ہے۔ اس کا زبانوں سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نہ اسے الفاظ کے ذریعہ ظاہر کیا جا سکتا ہے، نہ زبان سے بولا جا سکتا ہے۔ اگر خدا کا نام کسی ایک ملک کی زبان میں ہوتا تو یہ دوسرے ممالک کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوتی۔ اس کا نام تو سب کے لئے ایک ہے اور برابر ہے، وہ نہ لکھا جا سکتا ہے اور نہ بولا جا سکتا ہے۔"

"اس نام کو رِشیوں، مُنیوں نے آکاش وانی ویدوں نے 'ناد' اور اپنشدوں نے ادگیت؛ کہا ہے، مسلمان فقرا نے اسے ندائے سلطانی، یا سلطان الاذکار، (ذِکروں کا بادشاہ) اور گورو نانک صاحب نے، 'شبد حکم' یا کیرتن کہا ہے بائیبل میں اس نام کو 'ورڈ' یا، لوگاس، کہا گیا ہے۔"

"اسی نام نے شروع میں دنیا کو پیدا کیا، یہی اس کی پرورش اور نگہبانی کر رہا ہے گورو نانک صاحب کہتے ہیں زمین، آسمان، سورج اور روشنی سب اسی شبد نے بنائے ہیں۔ کیا کوئی لفظ دنیا کی پیدائش کر سکتا ہے؟ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں، "تن من کھوجے تا ناؤ پائے" اس نام کا

بھید تبھی مِل سکتا ہے جب انسان اپنے جسم کے اندر داخل ہو اور اپنے دِل میں اسے تلاش کرے، مشہور مسلمان درویش، شمس تبریز اس نام کے متعلق فرماتے ہیں، "ہر وقت میرے کانوں میں ایک عجیب نرالی میٹھی دُھن آسمان سے آرہی ہے اسے ما سوائے کسی خوش قسمت کے کوئی سُن نہیں سکتا1 ۔"

"یہ درست ہے کہ کوئی بہت خوش قسمت انسان ہی 'نام' کو سُن سکتا ہے، یہ نام سب کے اندر ہے ۔ چوروں دغا بازوں، راہزنوں، ڈاکوؤں کے اندر بھی ہے مگر آنکھوں کے پیچھے پردہ لگا کر ہماری قوت بیداری (چیتن شکتی) کو باہر نکالا ہوا ہے، اس لئے انسان خدا کی اس صدا (صدائے حق) کو سُن نہیں سکتا اگر انسان کو خوش قسمتی سے مُرشدِ کامل مِل جائے اس سے 'نام' کا راز مِل جائے اور وہ مہر و کرم کرے تو چشمِ باطن (اندر کی آنکھ) اور گوشِ باطن (اندر کے کان) کھُل جاتے ہیں تب وہ خدا کی آواز صدائے حق یعنی (شبد دُھن) کو سننے لگ جاتا ہے ۔ اگر دنیا کے سب عالم و فاضل اس 'نام' کا مطالعہ و مشاہدہ کر لیں جو سب مذہبوں کے تہہ میں ہے تو کوئی جھگڑا یا فساد ہی نہ رہے ۔

"یہ مذہبی جھگڑے، یہ مذہبی بحث مباحثے کیوں ہیں؟ ناواقفیت کے باعث، لاعلمی کی وجہ سے، غور نہ کرنے کی وجہ سے، جب بھی کوئی سنت، فقیر، درویش یا پیغمبر آتے ہیں تو وہ ہماری توجہ، عام فہم زبان میں، حقیقت ازلی کی طرف دلاتے ہیں وہ کوئی نیا مذہب چلانے نہیں آتے، لیکن ان کی رحلت کے بعد لوگ اپنے آپ کو مختلف مذہبوں و ذات پات میں تقسیم کر لیتے ہیں، پیغمبر حضرت محمد صاحب ایک تھے اور قرآن شریف بھی ایک ہی ہے، لیکن

---

1 بانگ عجب از آسماں درمے رسد ہر ساعتے

مے نشنود آں بانگ را الا کہ صاحب دولتے

آج ان کے پیرو کاروں کے بہتر (72) فرقے بنے ہوئے ہیں، گورو نانک کا خیال مذہب بنانے کا کبھی نہ تھا۔ لیکن آج سکھوں کے بائیس (22) پنتھ چل رہے ہیں۔ فقرائے کامل کہتے ہیں، " ان باہر کی بے معنی باتوں کا فکر نہ کرو۔ وہ سچا نام ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی فکر کرنا لازم ہے وہ کہیں باہر نہیں تمہارے اندر ہی موجود ہے۔ اس نام یا شبد کے ذریعے چپ چاپ اپنے اصلی مقام پہنچ جاؤ۔ مگر اس کے لئے آپ کو کسی کامل مُرشد یا پُورے سَتگورو کی تلاش کرنی ہوگی۔"

حضور مہاراج جی فرماتے گئے ، " مشکل تو یہ ہے کہ دنیا میں سینکڑوں قسم کے گورو، پیر اور مُرشد ہیں جیسے یوگی، ویدانتی ، سنیاسی، اُداسی، بیراگی، نِرمل پنتھی، نِہنگ، نقشبندی، پاس انفاس، بہائی وغیرہ۔ کامل مُرشد کی پہچان کیسے ہو اور اس کا فیصلہ کیسے کیا جاوے کہ کون سا مُرشد کامل ہے ؟ اس کا جواب یہی ہے کہ خدا خود حقیقی متلاشی حق کی مُرشدِ کامل سے ملاقات میں امداد کرتا ہے، یہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے، ہمارا مقصد تو اس سب سے اعلےٰ روحانی طبقہ تک پہنچنے کا ہونا چاہئے جو فنا اور قیامت کی ذد سے باہر ہے، ہمیں ایسے مُرشد کو تلاش کرنا چاہئے جو ہمیں وہاں تک لے جاسکے، دنیا میں کامل مُرشد بہت کم ہیں لیکن سچے متلاشی کو یقیناً ملتے ہیں ،وہ ہندوؤں میں بھی ہیں اور مسلمانوں میں بھی، مگر ہیں بہت کم۔ سچے سادھو یا درویشِ حقیقی سے ملاقات اور اس کی صحبت بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔"

رائے روشن لال نے پوچھا، " گورو نانک صاحب نے فقیروں کی اتنی زیادہ تعریف کیوں کی ہے ؟ وہ یہاں تک فرما گئے ہیں کہ ہمیں سادھو، درویش پر اپنی زندگی اور جان تک قربان کردینی چاہئے ،اس کے پاؤں کی خاک میں غُسل کرنا چاہئے ،اس کے قدموں کو دھو کر پینا چاہئے ،وغیرہ وغیرہ۔"

حضور نے ارشاد فرمایا، " یہ درست ہے، لیکن آپ سادھو یا فقیر کسے کہیں گے ؟

گیروے کپڑے پہن کر بھیک مانگنے والے فقیر، درویش یا سادھو نہیں ہوتے، گذشتہ مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں پچاس لاکھ سادھو فقیر ہیں، مگر جو اصلی سادھو یا فقیر ہیں جو اندر جاتے ہیں، جو روحانی منزلوں کی رسائی حاصل کر چکے ہیں وہ بہت کم ہیں۔ میں ہندوستان کے ہر طبقہ میں گیا ہوں مگر مجھے رسیدہ روحیں بہت کم ملی ہیں۔

حضور مہاراج جی نے مزید سمجھایا، " اصلی فقیر یا سادھو وہ ہے، جس نے اپنی پانچوں کمزوریوں شہوت، غصہ، لالچ، لگاؤ، اور تکبّر کو فتح کر لیا ہے جس نے نفس پر قابو پا کر سہسر ار چکر برہم اور پار برہم کو پار کر لیا ہے، اور جو مقام حق کے طبقہ میں پہنچ گیا ہے جس طرح قطرہ سمندر میں مل کر قطرہ نہیں رہتا، سمندر ہی بن جاتا ہے، اسی طرح مُرشد کی روح بھی کُل مالک میں مل کر اپنی الگ ہستی نہیں رکھتی خدا سے مل کر وہ خدا ہو جاتی ہے، ظاہرہ طور پر مُرشد ایک عام انسان نظر آتا ہے مگر اس کے اندرونی درجہ اور طاقت کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ فقط وہی جانتے ہیں جو اندر جاتے ہیں، ایسے کامل انسان کے لئے مولانا روم فرماتے ہیں۔" وہ خدا کے محبوب فرزند ہوتے ہیں 1۔ان کو خدا کی طرف سے اتنی طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ قسمت کے چلے ہوئے تیر کو راہ میں سے ہی لوٹا سکتے ہیں 2۔ گورو ارجن دیو جی کہتے ہیں، " کوئی بات ان کی طاقت سے باہر نہیں ہے وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ "ان فقرائے کامل کی تعریف کوئی کیا کر سکتا ہے، جو سب سے اُونچے روحانی طبقات میں جاتے ہیں یا در حقیقت جو بلند ترین روحانی طبقہ سے آتے ہیں۔

نوجوان پادری نے سوال کیا، " کیا سنت اور انگریزی کے 'سینٹ' کا ایک ہی مطلب ہے ؟ "

---

1 اولیا اطفال حق اند اے پسر

2 اولیا راہست قدرت از الٰہ، تیر جستہ باز گرد اند زراہ

مہاراج جی نے پوچھا، "آپ 'سینٹ' کِسے کہتے ہیں۔؟"

مشنری نے جواب دیا، "جنھوں نے روحانی عمل کے ذریعہ یا خدا کی عنایت و کرم سے روحانی طاقتیں حاصل کیں، جنھوں نے کرامات و کرشمے دکھائے اور جن کو عیسےٰ اور مریم کے نورانی دیدار ہوئے۔ ایسے لوگوں کو عیسائی چرچ نے 'سینٹ' قرار دیا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "سنت، سادھو، گیانی اور سِکھ یہ سب در حقیقت سنت مت کی یونیورسٹی کی ڈگریاں ہوتی ہیں۔ جیسے بی۔ اے، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی وغیرہ یا آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ روحانی ترقی کے درجے ہیں، جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، جسم میں نچلے چھ چکر ہوتے ہیں اور تیسرے تِل سے اُوپر چھ کنول ہوتے ہیں جو نچلے چھ چکروں کو پار کرلیتے ہیں وہ کامل یوگی کہلاتے ہیں اور جو اوپر کے پہلے طبقہ سہنسرار پر پہنچ جاتے ہیں وہ سِکھ یا سچے مُرید کہلاتے ہیں اور جو برہم دیش میں پہنچ جاتے ہیں وہ برہم گیانی یا یوگیشور کہلاتے ہیں جو پار برہم یا دسویں دوار تک پہنچ جاتے ہیں، وہ سادھو کہلاتے ہیں اور جو منزل منتہا، مقامِ حق پہنچ جاتے ہیں، وہ سنت کہلاتے ہیں، جو اس کے بھی اوپر کی دو منزلوں کو پار کرکے سب سے اونچی منزل "انامی دیش" میں پہنچ جاتے ہیں، وہ "پرم سنت" کہلاتے ہیں، رُوحوں کو واپس اپنے اصل مقام لے جانے کے لئے سنت اسی مقام سے آتے ہیں۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "خدا نے اتنے پیچیدہ طبقات، منزلیں اور چکر بنانے کی تکلیف کیوں کی اور دراصل اس نے یہ دنیا ہی کیوں بنائی جو سراسر درد و غم، دُکھوں مصیبتوں کا گھر ہے۔"

حضور مہاراج جی مسکرائے اور فرمایا، "اس کا سب سے اچھا جواب میں ایک بزرگ درویش کے الفاظ میں دوں گا، اسی سے پوچھو جس نے یہ دنیا بنائی ہے جس وقت اس نے اس کی تخلیق کی میں اُس کے ساتھ نہ تھا۔"

بیرسٹر بولا، "تو کیا میں یہ سمجھوں کہ کوئی بھی اس کا جواب نہیں جانتا۔"

مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور تھا لیکن کچھ باتیں خود دیکھ کر، تجربہ اور احساس کے ذریعہ جانی جا سکتی ہیں۔ بحث اور دلیل کے ذریعہ نہیں۔ اس میں انسان کا علم و عقل زیادہ مدد نہیں کر سکتے ان کا دائرہ بہت محدود ہے ان سے الگ ہو کر ہمیں چشم باطن (اندرونی آنکھ) کا سہارا لینا پڑے گا، روح کی اس آنکھ کو کھولنا ہو گا، جو لطیف اور روحانی اصلیت کو دیکھ سکے اور اس آنکھ کو کھولنے کے لئے ہمیں مرشد کامل کی امداد کی ضرورت ہے۔"

بیرسٹر نے سوال کیا، "تب خدا نے ہمیں عقل کیوں بخشی؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "اس نے عقل ہمیں دنیاوی کاروبار کے لئے بخشی، اس سے آگے ہماری عقل کام نہیں دیتی اور دراصل ہماری عقل ہے ہی کیا؟ یہ تو اس مادی دنیا میں مادی حواس کے ذریعے حاصل شدہ ہمارے تجربات و احساسات کا نچوڑ و نتیجہ ہے عقل مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے، یکساں نہیں۔ انسان کے ماحول، اس کے حالاتِ زندگی اور تعلیم و تربیت وغیرہ کا اس کی عقل کو بڑھانے میں بڑا دخل ہوتا ہے، اسی لئے ہر انسان کے علم کا نتیجہ مختلف ہوتا ہے، امریکہ کے باشندے کا سوچنے کا ڈھنگ ایک افریقہ کے حبشی کے سوچنے کے ڈھنگ سے مختلف ہو گا، ایک انگریز اور ایک جرمن کے خیالات انہیں الگ الگ نتائج پر پہنچاتے ہیں تو ایک جاپانی کی دلیلیں ایک روسی کی دلیلوں سے مختلف ہوں گی۔ غصہ اور شہوت کے تابع ہمارے خیالات ویسے نہیں ہو سکتے جیسا کہ پُرسکون ماحول میں ہوتے ہیں۔ عقل ہمیشہ انسان کی عمر اور اس کے دلی جذبات و عادات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ بچپن میں عقل کچھ اور ہوتی ہے تو جوانی میں کچھ اور، غریبی میں کچھ تو امیری میں کچھ اور جب عقل کا یہ پیمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، تو کیا اس کے ناپ پر یقین کیا جا سکتا ہے؟"

نوجوان بیرسٹر نے پُوچھا، "کیا بحث مباحثہ کرنا روح کا کام نہیں ہے ؟"

مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں، یہ ہمارے دماغ کا کام ہے،ہمارا دماغ صرف انہیں باتوں کو سمجھ سکتا ہے، جن کو حواس کے ذریعہ حاصل کیاجاسکتا ہے اس مالک کو جو عقل ورسائی سے پرے ہے سمجھنا ہماری طاقت سے باہر ہے، خدا اور اس کے کھیل کو تو صرف روح ہی سمجھ سکتی ہے روح تو بالکل صاف، صاف دیکھتی ہے اور بنا کسی دلیل کے سہارے سب سمجھتی ہے۔"

بیرسٹر بول اٹھا، "یہ سب بڑی عجیب باتیں ہیں۔"

حضور نے فرمایا، "ہماری عقل کی پہنچ سے پرے اور بہت سی عجیب باتیں ہیں یہ صرف فلسفہ اوریقین کا معاملہ نہیں ہے یہ تو وہ ٹھوس حقیقت ہے جسے چشم باطن (اندر کی آنکھ) سے دیکھ کر پرکھاجاسکتا ہے۔خدا نے اس طرح کی تخلیق کیوں کی، یہ تو میں نہیں بتلا سکتا، البتہ اگر کسی کو باطن میں رسیدہ اور تجربہ والے سنتوں اور فقرائے کامل کی گواہی پر یقین نہیں تو وہ خود اندر جا کران کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔"

"میں آپ کو ایک بات اور بتلاتا ہوں۔سنسکرت ورن مالا کے 18 حروف نچلے چھ چکروں کےکملوں کی 48 پنکھڑیوں سے نکلے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کے رشیوں نے یہ حروف وہاں سے ہی حاصل کئے ہیں اور اسی لئے لوگ سنسکرت کو "دیووانی" کہتے ہیں۔ ان چکروں پر پہنچے ہوئے مسلمان فقیروں نے بھی اس بات کی تائید کی ہے، یہ بات 'تذکرہ الغوثیہ' سے معلوم کر سکتے ہیں، جس میں یہ مشہورمسلمان فقیر اپنے تجربات کابیان کرتے ہیں۔ یہ ایسا کیوں ہے، یہ تو فقط ان کا خالق ہی جانتا ہے لیکن اندرہرشخص بتلاتا ہے کہ یہ ایسا ہی ہے۔"

مشنری پروفیسر بول اٹھا، "خوب یہ تو عجیب بات ہے۔"

حضورمہاراج جی نے فرمایا، "خدا کی کائنات میں اور بھی بہت عجیب چیزیں ہیں۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "لیکن کیا یہ سب توہمات، خود فریبی یا خیالی باتیں نہیں

ہیں؟ انسان اپنے اندر وہی نظارے دیکھ سکتا ہے، جو اسے کہہ دیئے جاتے ہیں کہ اندر ہیں۔

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بے شک، یہ ہو سکتا تھا اگر یہ تجربات ایک یا دو اشخاص کے ہی ہوتے۔ لیکن اندر جانے والے مختلف ملک و مذہب کے لوگوں نے مختلف وقتوں میں بھی باطن میں ایک ہی تجربہ کیا ہے۔ فارس کے مسلمان فقیروں اور چین کے مہاتماؤں نے اندرونی تجربات کا یکساں بیان کیا ہے جب کہ ان کو نہ تو ہندو شاستروں کا علم تھا، نہ وہ سنسکرت یا ہندوستان کی کوئی دوسری زبان جانتے تھے اور نہ ہی وہ کبھی ہندو مہاتماوں سے ملے تھے۔ بیعت کرتے وقت یا "نام دان" کے وقت مُرشد کامل اندرونی روحانی سفر کی خاص باتیں مختصر طور پر سمجھا دیتے ہیں۔ لیکن اندرونی سفر طے کرنے والے سب مُرید اپنے اپنے مُرشدوں کو اندر کی ذرا ذرا سی بات کی مفصل خبر دیتے ہیں اور مُریدوں کی یہ تفصیل و بیان بالکل یکساں ہوتا ہے۔ لیکن مرید اندر کی یہ باتیں دوسروں سے پوشیدہ رکھتے ہیں اندر کے روحانی تجربات اتنے ہی سچے اور حقیقی ہیں، جتنا کہ اس باہری مادی دنیا کے حقائق۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "لیکن حضور، کیا درحقیقت خدا ہے یا یہ بھولے بھالے لوگوں کے ساتھ ایک اچھا خاصہ مذاق ہے، خدا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیا اس کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا ہے؟"

حضور مہاراج جی نے جواباً ارشاد فرمایا، "جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، کچھ باتیں ایسی ہیں جو عقل کی پہنچ سے پرے ہیں، ہم ان کو دلیل و بحث سے ثابت نہیں کر سکتے، اسی طرح خدا ہماری عقل، نفس اور حواس کی پہنچ سے پرے ہے، ویدوں کے جاننے والے رشیوں نے، یونان کے پرانے فلاسفروں نے، چین کے مہاتماؤں نے، عرب اور فارس کے زمانہ وسطیٰ کے فقرائے کامل اور درویشوں نے، روح اور خدا کے بارے میں سائنسی تحقیق اور روحانی تلاش و جستجو کی ہے اور ان سب نے ایک زبان ہو کر یہی اعلان کیا ہے کہ خدا ہے اور اس کائنات کا

وہی خالق ہے یہ دنیا بے سہارا نہیں ہے ۔ وہ مالکِ نارسا عقل کی پہنچ سے پرے لامحدُود بے حد گہرا اور لاانتہا ہے ، اس کے پوشیدہ رازوں کو نہ تو ہم جان سکتے ہیں اور نہ ہی خود اسے پہچان سکتے ہیں ۔"

"آپ کی عقل اور دلیل کی قوت صرف جسمانی حواس کے ذریعہ حاصل شدہ تجربات کا نتیجہ ہیں ۔یا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آپ کی سمجھنے کی طاقت و کارکنی کے نتائج ہیں یہ عقل اور دلیل کی طاقت دنیاوی کاموں میں ہماری راہ نمائی کیلئے ہے ، اس کا دائرہ محدُود ہے یہ وہاں کیسے کام آئے گی ، جہاں کا اسے کوئی تجربہ ہی نہیں ہوا ، جہاں کے قاعدے ، قانون اور طریق عمل کا اسے کوئی عِلم ہی نہیں ۔"

"اس محدُود عقل سے ہم ظاہری دنیا کی کئی باتوں کو سمجھ نہیں پاتے پھر حواس کے پرے کی دنیا کا تو ذکر ہی کیا ۔ مثلاً ایک بچہ اپنی ماں سے پوُچھتا ہے 'ماں' میں کیسے پیدا ہوا ؟ ماں جواب جانتی ہے لیکن کیا بچہ اسے سمجھ سکے گا ؟ اسی لئے وہ ہنس کر جواب دیتی ہے ، میں نے تجھے ایک پیسہ میں ایک خانہ بدوش لڑکی سے خِریدا تھا ۔"

نوجوان بیرسٹر بولا ، "لیکن سائنس اور عقلِ انسانی نے تو بہت بڑے بڑے کام کر دکھائے ہیں ۔"

حضور نے ارشاد فرمایا ، "ہاں ، مجھے اس سے انکار نہیں لیکن انہوں نے فقط اپنے دائرے میں ہی کام کئے ہیں ۔ سائنس ، عقل اور دلیل زیادہ سے زیادہ اندازہ خیال ہی تو ہیں جو کبھی صحیح ہو سکتے ہیں تو کبھی غلط ۔ جب بھی ہم اس خالق کے پوشیدہ رازوں کو عقل و دلیل کے ذریعہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، ہمارے نتائج کے غلط ہونے کا بڑا امکان ہوتا ہے دنیا کے ازل اور ابد کا فیصلہ سائنس دان نہیں کر سکتے ، نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیسے بنائی گئی ۔ دنیا میں بدی کیوں اور کہاں سے آئی ہے ؟ اگر آپ صِرف اپنی عقل کی طاقت پر

ہی منحصر رہیں گے، تو آپ خدا کا حقیقی علم حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ عقل فکر اور دلیل سے پرے ایک ایسا بھی راستہ ہے جس پر چل کر ہی ہم بالائی منزلیں طے کر کے مالک کا علم حقیقی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"کائنات، روح، خدا، کرموں کا قانوں، چوراسی کا چکر، پیدائش اور موت کے بعد کی زندگی وغیرہ، ایسے گہرے و مشکل مسئلے ہیں جن پر انسان کو ایک بار سنتوں اور فقرائے کامل کی شہادت کے مطابق یقین کرنا ہی پڑتا ہے، بال کی کھال اتارنے سے ہم کہیں نہیں پہنچ سکتے۔ انسان کو خود اپنے آپ اس کا تجربہ اور علم حاصل کرنا چاہئے اور اس تجربہ کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی ہے آپ اپنی روح کی آنکھ یعنی چشم باطن (اندرونی آنکھ) کھولیں ہمارے اندر وہ آنکھ ہے اور اُسے کھولا جا سکتا ہے، گورو نانک صاحب فرماتے ہیں وہ آنکھیں اور ہی ہیں جن سے مالک کو دیکھا جا سکتا ہے 1۔"

"سب سنت و فقرائے کامل یہی اعلان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے مالک کو دیکھا ہے، سنت دادوؔ جی کہتے ہیں کہ دادوؔ نے اسے آنکھوں سے دیکھا ہے، اور سب تو صرف سنی سنائی بات کہتے ہیں۔ جب ہوسؔ، غصہ، لالچ وغیرہ جیت لئے گئے تو میرا من قابو میں آ گیا میرے اندر ندائے سلطانی صدا دینے لگی اور میں نے اندر اس آب حیات کو پیا۔ نکتہ، سویدا پہنچنے پر مجھے پورا یقین آ گیا اشٹ دل کنول یا برہمانڈ میں پہنچ کر میں نے اس کے مالک کے دیدار کئے۔ جیسے دودھ میں سے گھی تبھی حاصل کیا جاتا ہے، جب کہ دودھ کو جما کر دہی بنایا جائے اور دہی کو بلو کر گھی نکالا جائے۔ اسی طرح میں نے صحیح طریق کے ذریعے محبوب خدا کے ہاتھوں رُوحانی نشہ کا پیالہ پیا ہے یہ درجہ یوگ گیان یا مُدراؤں کے عمل سے حاصل

---

1 نانک سے اکھڑیاں بین، جھنی ڈسندو ماپری (آدی گرنتھ، صفحہ 1100)

نہیں ہوتا یہ حالت تو کچھ اور ہی ہے جب میں نے اپنا دِل و جان مُرشد کامِل پر قربان کر دیا تب میں نے اپنے محبوب کے رُوبرُو دیدار کئے جِس نے اس راہ کو پہچان لیا اور اس پر چل کر اندر روحانی تجربہ حاصل کرلیا، اس نے اپنا کام سر انجام دے لیا اور اس نے زندگی کے مقصد کو پالیا 1 ۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، "سچ تو یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی ہستی پر شک کرتے ہیں انہوں نے کبھی صحیح طور سے اور صحیح مقام پر اس کی تلاش ہی نہیں کی۔ کبیر صاحب کہتے ہیں :-

---

1 دادُو دیکھا دیدا، سب کوئی کہت شنیدا
ہوا حرص اندر بس کیدا، تب یہ دل بھیا سِیدھا
انحد ناد گگن گڑھ گرجا، تب رس کھایا اُمیدا
سکھمن سن سرت محلن میں، آیا اجر عقیدہ
اشٹ کنول دل درگ میں درشن، پایا خود خودیدا
جیسے دودھ، دودھ دہی ماکھن، بن متھے بھید نہ گھیدا
ایسے تت مت ست سادھن، تب ٹک نشہ پیا پیدا
نہیں وہ جوگ گیان مُدرا تت، یہ گت اور پدیدا
جو کوئی چین لینہ یہ مارگ، کارج ہو گیا جیدا
مُرشد ست گگن گورو لکھیا، تن من کین اسیدا
عاشق یار ادھر لکھ پایا، ہو گیا دیدم دیدا
سنتوں کی بانی، صفحہ (185)

وستو کہیں کھوجے کہیں ، آوے کیہی وِدھی ہاتھ
کہہ کبیر تب پائیے ، جب بھیدی لیجے ساتھ

"اس مادی دنیا میں ہم ان کثیف آنکھوں سے صرف کثیف اشیا اور مادی دنیا کو ہی دیکھ سکتے ہیں ، ان آنکھوں سے خدا اور روحانی چیزیں دکھائی نہیں دے سکتی سب سے پہلے وہ حاصل کرو ، جو خدا کو دیکھ سکے ، خدا عقل اور دلیل کا مضمون نہیں ۔ کئی دفعہ ہم سب نے محسوس کیا ہو گا کہ دنیا کی پیچید گیوں اور الجھنوں کو سمجھنے اور سلجھانے میں عقل کی مدد پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ۔ ہم کئی بار کہہ اٹھتے ہیں : یا خدا! جانے ، میری عقل کو کیا ہو گیا ہے ؟ روح اور خدا کا مضمون تو اتنا باریک اور پیچیدہ ہے کہ انسانی عقل ان مشکلات کا سامنا کرنے میں اپنے آپ کو بالکل لاچار پاتی ہے ۔"

"لیکن ایک بات تو عام عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ یہ سب عظیم تخلیق ، سورج ، چاند ، تارے ، زمین ، پہاڑ اور سمندر حتےٰ کہ یہ تمام کائنات ، خود بخود نہیں بنی ، بلا وجہ اور بنا کیئے کچھ نہیں ہو سکتا ہر عمل کی کوئی وجہ ہوتی ہے یعنی ہر کارج کا کوئی کارن ہوتا ہے کائنات کے اس عجیب کارخانے کو دیکھیئے تو سہی کس طرح پابندی اصول کے مطابق اس کی لاکھوں مشینیں باقاعدگی سے اپنا کام کر رہی ہیں ، ہر چیز اس کارخانے کے عقلمند منتظم کے بنائے قواعد و قانون کے مطابق چل رہی ہے ، کبھی قانون شکنی نہیں ہوتی ، سب کام دنیا کو چلانے والے اس نوری شبد کے حکم کے مطابق ہو رہا ہے ، ہر روز آفتاب اپنے مقررہ وقت پر مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور دن بھر دنیا کو روشنی دیتا ہوا شام کو اپنا کام مہتاب (چاند) کے سپُرد کر کے مغرب میں غروب ہو جاتا ہے ، لیکن بعد ازاں تاروں کی جھلملاتی روشنی سے نیا آسمان جگمگا اٹھتا ہے ۔ زمین کیسے اپنے محور پر گھومتی رہتی ہے ، تاکہ سورج کی روشنی اس کے ہر حصے میں پہنچ جائے ، دیکھیئے لاتعداد تارے اور کرہ جات کس طرح اپنی راہ پر چل رہیں ہیں ۔

وہ اپنی راہ سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتے نہ کبھی آپس میں ٹکراتے ہیں۔ آپ کئی بار سنتے ہیں کہ ریل گاڑی اور جہاز جن کو آپ کے ماہر انجینئر بڑی قابلیت سے چلا رہے ہیں۔ آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ لیکن کیا کبھی کوئی ستارہ کسی دوسرے ستارے سے ٹکرایا ہے ؟ "

دیکھئے، زمین کو زرخیز بنانے کیلئے آسمان کس طرح اوپر سے پانی برساتا ہے بادل دُور کے سمندروں سے پانی لاتے ہیں اور موسمی ہوائیں انہیں چاروں طرف لے جاتی ہیں۔ دریا، آبشار اور چشمے کس طرح زمین کو سیراب کرتے ہیں، کیسے نباتات، سبزیات اور میوہ جات پیدا ہوتے ہیں۔ زمین کیسے اپنے اندر سے خوبصورت اور مہکتے پھُول پیدا کرتی ہے۔ یہ سب عقل انسانی کو چکر میں ڈال دیتے ہیں، یہ وسیع کارخانہ کائنات کتنا خوبصورت اور عظیم ہے اور اس کی ہر مشین کس طرح مسلسل باقاعدہ اور صحیح طور سے اپنا کام کر رہی ہے کیا آپ یہ کہنا چاہیں گے کہ یہ ساری مشینری بغیر کسی انجینئر کے چل رہی ہے ؟ نہیں بیٹا ایسا نہیں ہے، اس کا ایک انجینئر ہے، منتظم ہے لیکن آپ اس عظیم ماہر انجینئر کی کاریگری، صنعت کو تبھی دیکھ اور جان پائیں گے جب آپ صحیح راہنما اور صحیح پروانہ داخلہ لے کر اس کے دفتر میں اس کے مقام پر پہنچیں گے۔"

نوجوان بیرسٹر نے سوال کیا، " کیا یہ سب قدرتی قانون کے مطابق خود بخود نہیں ہو رہا ہے ؟ "

حضور مہاراج جی نے پوچھا، " آپ قدرت کِسے کہتے ہیں اور اس کے قانون کیا ہیں ؟ "

بیرسٹر نے کہا، " جیسے سورج کی فطرت گرمی اور روشنی دینا ہے اور چاند کی عادت ہے رات کو ٹھنڈی چاندنی پھیلانا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " ذرا اور آگے سوچئے۔ ان مادی عناصر کے پتلوں کو یہ قدرتی طاقت کہاں سے اور کیسے حاصل ہوئی ؟ سورج اور چاند کیسے بنے ؟ سورج ہی گرم کیوں ہے زمین اور چاند کیوں نہیں ؟ سردی اور گرمی کہاں سے آتی ہے ؟ سردی و گرمی، تاریکی و روشنی

کو بنانے کا خیال کیسے آیا اور کیسے اس خیال نے شکل اختیار کی؟"

بیر سٹر نے اعتراف کیا کہ اصل میں یہ سب باتیں دماغ چکرانے والی اور پیچیدہ ہیں۔

حضور مہاراج جی نے سمجھایا، "نہیں اس میں کوئی پیچیدگی یا اُلجھن نہیں ہے اُلجھن یا پیچیدگی تب پیدا ہوتی ہے، جب ہم نوری و روحانی طبقات کی تحقیق میں فانی و مادی دنیا کے اصولوں سے کام لیتے ہیں، مادی دنیا اور نوری روح پر یکساں قانون عاید نہیں ہوتے، روح کی بھی ایک سائنس ہے اور اسے دیگر سائنسوں کی مانند سیکھنا ہوتا ہے، ہم دنیا کی عام سائنس کے تعلیم میں 20-30 سال لگاتے ہیں اور تب بھی ان کے مختلف شعبہ جات کا مکمل مطالعہ نہیں کر پاتے، نہ ہی پورے ماہر ہو پاتے ہیں لیکن آپ دیکھیں گے کہ لوگ روحانی سائنس کا مطالعہ کئے بغیر ہی روح اور خدا کو سمجھنے اور سمجھانے کا دعویٰ کرتے ہیں، جب کہ یہ سائنس دوسری سائنسوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ مشکل ہے۔"

بیر سٹر نے اعتراف کیا، "یہ سچ ہے۔"

حضور مہاراج نے فرمایا، "آپ کے غور کے لئے میں آپ کو ایک اور بات بتاتا ہوں انسان کے جسم پر نگاہ ڈالیئے۔ پانچ عناصر (مٹی، پانی، آگ، ہوا اور آسمان) جو فطرتاً ایک دوسرے کے مخالف ہیں، انسانی جسم کی بناوٹ میں کتنی بہترین مہارت کے ساتھ ایک دوسرے سے ملا دیئے گئے ہیں۔ پانی زمین کو فنا کر دیتا ہے، آگ پانی کو سُکھا دیتی ہے، آگ کو ہوا ختم کر دیتی ہے اور ہوا کو آسمان اپنے میں سمیٹ لیتا ہے لیکن یہ پانچوں دشمن اس جسم کو چلانے کے لئے بڑے پیار سے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کیا ہمارا جسم خود بخود چلتا رہتا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ موت کے بعد یہ خاکی جسم زمین پر جُوں کا تُوں پڑا رہتا ہے اور وہ چیز جو اسے حرکت دیتی تھی، اس کے اندر سے نکل جاتی ہے، وہ کیا چیز ہے، جو اس جسم کو زندہ رکھتی ہے؟ آپ کہیں گے کہ پران لیکن پرانوں کو کون چلاتا ہے؟ من۔ من کو

کون حرکت دیتا ہے ؟ روح ، ہاں ، روح ہی ہے ۔ اور روح ، طاقت کے ایک ایسے خزانہ سے روشنی اور زندگی حاصل کرتی ہے ، جس کا غیبی ہاتھ بھید نظر نہیں آتا ، سب کام اس خالق ہی سے فروغ پاتے ہیں ۔ بغیر اس کی رضا کے دنیا میں ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا ۔"

بیرسٹر بولا ، "بہت ، بہت شکریہ حضور آپ ہر بات کس قدر آسان بنا کر سمجھا دیتے ہیں ۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا ، "درخت کا ایک ایک پتہ خدا کی ہستی کی طرف اشارہ کرتا ہے ، آپ قدرت میں کس قدر خوبصورتی ، کاریگری ، فن اور چابک دستی پاتے ہیں کائنات کی ہر چیز کتنی ترتیب باقاعدگی اور مہارت سے سجائی گئی ہے ۔ اگر کوئی منتظم نہیں تو یہ سب انتظام ، سجاوٹ اور پوری ہوشیاری سے کیا گیا نظم و نسق کہاں سے آتا ہے ؟ ذرہ ذرہ اپنے خالق کی خوبصورتی کو ظاہر کر رہا ہے ، لیکن جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں پرماتما کو پانے کی راہ میں ہماری عقل ایک بالکل گیا گزرا نکما رہبر ہے اس راہ میں ہمیں اپنی چشم باطن 'اندر کی آنکھ' کا سہارا لینا پڑتا ہے ہمیں روحانی عمل کے ذریعہ اپنی چشم باطن 'اندر کی آنکھ' کو کھولنا ہوگا ۔ جب باطن میں (اندر) مالک کا دیدار ہو جاتا ہے تب وہ باہر بھی ذرے ذرے اور پتے پتے میں نظر آنے لگتا ہے ۔ سنت اس کا دیدار ہر وقت ، ہر جگہ اور ہر شے میں کرتے ہیں ۔ کیا یہ بات حیران کُن اور عجیب نہیں کہ دنیا ڈاکٹروں ، سائنسدانوں انجینئروں کی تحقیق تجربات کے نتائج پر تو بے شک و شبہ فوراً یقین کر لیتی ہے لیکن کامل فقیروں و سنتوں پر یقین نہیں کرتی ، جب کہ وہ اپنی ذاتی تجربات کی بنا پر فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے باطن میں خدا کا دیدار کیا ہے ۔"

رائے روشن لال درمیان میں ہی بول اٹھے ، "مہاراج جی مجھ سے یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ آپ کا سمجھانے کا طریقہ اتنا صاف اور سلیس ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو بھی بہت واضح اور آسان بنا دیتے ہیں ۔"

اس کے بعد نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "حضور، آپ کے مارگ یا عقیدہ کی خوبی کیا ہے۔ یعنی دوسرے عقیدوں کے مقابلہ میں آپ کے مارگ کی خصوصیات کیا ہیں؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "صرف یہی کہ ہم 'باہر' سے 'اندر' جاتے ہیں اور واپس اپنے مقام کو لوٹ جاتے ہیں، جب کہ دوسرے لوگ 'اندر' سے 'باہر' آتے ہیں جہاں درد و غم اور پریشانی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ فقرائے کامل فرماتے ہیں کہ مالک تمہارے اندر ہے جیتے جی اندر جا کر اس کے دیدار کرو۔ موت کے بعد نجات کے وعدوں پر اعتبار نہ کرو، جیتے جی اسے حاصل کرو۔ جو زندگی میں ان پڑھ ہے وہ موت کے بعد بی اے، ایم. اے نہیں ہو سکتا۔ جو زندگی بھر چور رہا ہے وہ مرنے کے بعد مہاتما یا درویش کیسے بن جائے گا؟ موت کے بعد نجات کی باتیں سب فضول ہیں۔"

بزرگ پادری نے کہا، "کیا میں کچھ سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

حضور نے فرمایا، "بڑے شوق سے۔"

پادری نے پوچھا، "عیسیٰ مسیح کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

حضور نے دریافت کیا، "عیسیٰ مسیح کے متعلق میری رائے؟ 'میری رائے' سے آپ کا کیا مطلب ہے؟"

پادری نے کہا، "ان کی شخصیت اور ان کے مذہب کے متعلق۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "وہ ایک بہت بڑے کامل انسان تھے ان کے مذہب نے دنیا کو کئی بہت بڑے انسان دیئے ہیں۔"

پادری نے کہا، "میرا مطلب ہے مذہبی راہ نما کے طور پر ان کی کیا حیثیت تھی؟"

حضور نے فرمایا، "معاف کیجئے ہمیں کسی کی شخصیت کے متعلق گفتگو نہیں کرنی چاہئے خاص طور پر مذہبی راہ نماؤں کی شخصیت و ذاتیات کے متعلق۔ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ ان کے

پیرو کاروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے کی بجائے، ان مذہبی راہ نماؤں کو عالی و بلند مرتبہ والے ماننا کہیں بہتر ہے۔"

پادری نے پوچھا، "آپ کے عقیدہ کے مطابق کیا وہ ایک سنت تھے؟"

حضور نے ان سے کہا، "مجھے معاف کیجئے ایسی گفتگو و بحث سے کچھ حاصل نہیں۔ مجھے غلط مت سمجھئے۔"

پادری نے ضِد کی اور کہا، "اگر کوئی حقیقت جاننا چاہے تو ...."

حضور نے ارشاد فرمایا، "تو اسے یہ جستجو خود کرنی چاہئے۔ آپ کے ہم وطن ڈاکٹر جانسن نے 'سنت مت' پر ایک بہت اچھی کتاب لکھی ہے 'دی پاتھ آف دی ماسٹرز' میں آپ کو اس کی ایک جِلد دُونگا۔ یہ ایک بہت پُرخیال کتاب ہے اور اس میں روحانیت کی واقفیت بھی بہت ہے آپ اس کا بڑی احتیاط اور پر دلیل نظریہ سے مطالعہ کیجئے اور سنت مت، کا عیسائی مذہب سے مقابلہ کیجئے اس میں آپ کو اپنے سب سوالات کے جوابات مِل جائیں گے۔"

اس پر نوجوان پادری پروفیسر نے پوچھا، "عیسےٰ مسیح کی یہ تعلیم آج کے زمانے میں کہاں تک قابلِ عمل ہے کہ اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا اس کے سامنے کر دو۔ اگر کوئی تمہاری قمیض لے اُڑے تو اپنا کوٹ بھی اسے دے دو اپنے ان الفاظ سے دراصل وہ ہمیں کیا سمجھانا چاہتے تھے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "حضرت عیسے ان الفاظ سے وہی سمجھانا چاہتے تھے، جو ان کا صاف صاف مطلب نِکلتا ہے خواہ یہ باتیں آج کی مادہ پرست دنیا کو عجیب و غیر عملی معلوم ہوں مگر حقیقت کے سچے متلاشی کو تو یہ الفاظ ہر زمانے میں نہ صرف عملی بلکہ درست نصیحت معلوم ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انسان کسے زیادہ اہمیت دیتا ہے اِس دنیا کے آرام و رچین کو یا اس جہان کے لطف و سکون کو۔"

پادری : "ایک سوال اور ۔ انسان اپنے دل میں آنے والے گندے خیالات کو کیسے روکے ؟"

حضوؐر مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "یہ بہت اچھا سوال ہے لیکن اس کے جواب کے لئے کافی لمبے ست سنگوں کی ضرورت ہے مختصر الفاظ میں اگر کسی کو کوئی گندہ خیال ستائے تو اس کو چاہئے کہ اس کے خلاف اچھے خیال کی طرف اپنی توجہ لگائے اچھی کتابوں کا مطالعہ بھی کافی مدد دیتا ہے غذا ہمارے خیالات پر کافی اثر انداز ہوتی ہے (جیسا ان ویسا من) ہماری غذا ساتوِک (پاک اور سکون دینے والی) ہونی چاہیئے نہ کہ تامسک (سُستی پیدا کرنے والی) اور جذبات کو بھڑ کانے والی ۔ نوجوانوں کو اپنی غذا میں زیادہ احتیاط برتنی چاہیئے ۔ شراب اور حیوانی غذا جیسے گوشت، مچھلی، انڈہ وغیرہ کو ایک ماہ کے لئے ہی ترک کر کے دیکھیئے کہ اس کا کیا اثر ہوتا ہے، لیکن سب سے بڑی مدد مُرشد سے ملتی ہے کیونکہ وہ اپنے مُرید کو شیطان کی مکارانہ چالا کیوں سے بچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں ۔"

پروفیسر بولا، "شکریہ غذا کے متعلق آپ کا مشورہ دراصل بہت خوب ہے، میں بھی اس کی آزمائش کر کے دیکھوں گا ۔ حضور، ساتوِک غذا کیا ہوتی ہے ؟"

حضور نے فرمایا، "ساتوِک غذا وہ ہوتی ہے جس سے انسان کو آرام، صبر و سکون ملے، ایک عامل روحانیت کی راہ پر چلتے ہوئے اپنی خوراک کا اتنی جلدی اثر دیکھنے لگتا ہے کہ انجانے میں بھی غذا میں ذرا سی 'غیر ساتوِک' ملاوٹ سے اس میں 'راجسک' (بے چینی وغیرہ) اور 'تامسِک' یعنی کاہلی اور بھاری پن کی حالت پیدا ہو جاتی ہے ۔"

پروفیسر نے پوچھا، "کیا آپ ہمیں ان مختلف اقسام کی غذا کے کچھ نام بتائینگے ؟"

حضور نے فرمایا، "ہاں، میں آپ کو مفصل سمجھاتا ہوں ۔ عناصر کے 'ست' 'رج' اور 'تم' تین گُن (اوصاف) ہوتے ہیں ۔ دنیا کی پیدائش میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے ستو

گُن پیدائش کرتا ہے، رجو گُن، پرورش کرتا ہے۔ اور تمو گُن خاتمہ کرتا ہے؟ آپ تمام کائنات میں ان اوصاف (گنوں) کو ہی کام کرتا ہوا پائیں گے۔ ہندوں پرانوں میں ان طاقتوں کو برہما، وشنو اور مہیش کہا گیا ہے، برہما خالق یا کردگار ہے، وشنو رازق یا پروردگار ہے وہ ساری دنیا کی پرورش کرتا ہے، شوفنا کار ہے (پرلے) قیامت اور خاتمہ کرنے والا ہے، یہ تین طاقتیں ہی دنیا کا سب نظام چلاتی ہیں، یہ تینوں ذرہ ذرہ میں کام کرتی نظر آئیں گی۔ ان تینوں کی ملاوٹ میں کمی بیشی سے مادی اشیا مختلف قسم کی شکلوں اور صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور انہی کی وجہ سے مادی اشیا میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے ان تینوں میں سے کوئی ایک وصف ہر مادی شے میں دوسری دو سے زیادہ موجود ہوتا ہے اور وہی اس مادی شے کی اہمیت یا خصوصیت کی وجہ ہوتا ہے، باقی کے دونوں اوصاف دبے ہوئے رہتے ہیں اور اُنکا اثر زیادہ نہیں ہوتا ان کی خصوصیات میں۔ (1) امن و سکون (2) حرکت برکت (3) ٹھہراو۔ جن اِنسانوں میں ستو گن زیادہ ہوتا ہے، وہ مطمین، عقلمند، اور امن پسند ہوتے ہیں، "راجسی" طبیعت کے انسان چلبلے، محنتی اور بے قرار ہوتے ہیں۔ "تامسی" لوگ سُست، کاہل اور کم عقل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، ہم جیسی غذا کھاتے ہیں ویسی ہی ہمارے من کی خصلتیں ہوتی جاتی ہیں، جو گوشت خوری کریں گے ان کی عادتیں خونخوار اور درندگی والی بن جائیں گی۔ "ساتوک" غذا سکون چین اور محبت پیدا کرتی ہے، کچھ ساتوک اشیا یہ ہیں۔ گیہوں، جو، چاول، مُونگ کی دال، مکھن، ساگ، سبزیات اور زود ہضم پھل۔ ساتوک اشیا بھی جب ضرورت سے زیادہ کھالی جاتی ہیں تو تامسِک اثر پیدا کرنے لگتی ہیں۔ خوراک کی مقدار نہ بہت زیادہ ہونی چاہئے نہ بہت کم۔ خوراک نہ تو قابض ہونی چاہئے اور نہ بھاری پن یا بے چینی پیدا کرنے والی، ہر انسان کو خود خیال کرنا چاہئے کہ اسے کون سی اور کتنی خوراک موافق ہوگی۔ امریکن اور یورپین لوگوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ گوشت خوری و شراب

نوشی سے پرہیز رکھیں ۔

روحانیت کے عامل کو راجسی اور تامسی غذا سے گریز کرنا چاہیئے ۔ وجہ ظاہر ہے کہ گوشت خوری سے ظلم اور غصہ پیدا ہوتا ہے اور باسی کھانا انسان کو کاہل اور سُست بناتا ہے ۔ محدود مقدار میں لی گئی سادہ خوراک انسان کو نیک خیال، صابر اور پھُرتیلا اور چُست رکھتی ہے ، سادھو یا عامل جس نے دنیا سے سُبکدوش ہو کر خدا کے وصال کو اپنا مقصد بنالیا ہو اس کو دن میں دو بار سے زیادہ کھانا نہیں کھانا چاہیئے ایک بار ہی کھائے تو زیادہ بہتر ہے ، پیٹ کا خوب بھرا رہنا روحانی عمل میں بہت بڑی رکاوٹ ہے یہ ایک غلط خیال ہے کہ زیادہ کھانے سے زیادہ طاقت آتی ہے ، حقیقت یہ ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ کھا لیتے ہیں ۔ جس شخص میں زبان کے چسکا کی کمزوری ہے وہ اچھا عامل نہیں بن سکتا ۔ "

اس وقت چھ بج چکے تھے اور سورج غروب ہو چکا تھا ۔ حضور نے پادریوں کی طرف مڑ کر پوچھا، " آپ لوگوں کا کیا پروگرام ہے ؟ آپ لاہور کب واپس جانا چاہتے ہیں ؟ "

بزرگ پادری نے جواب دیا ، " یوں تو ہم آج شام ہی واپس جانا چاہتے تھے ، لیکن میں 'گورو' یعنی مرشد کے متعلق کچھ اور واقفیت چاہوں گا ۔ یہ مضمون مجھ پر ابھی تک مکمل طور سے واضح نہیں ہوا ، لیکن نہ معلوم ہم یہاں کیونکر رُک پائیں گے ؛ جب کہ ہمیں کل صبح دس بجے تک لاہور پہنچ جانا چاہیئے ۔ "

حضور مہاراج جی نے فرمایا ، " فکر نہ کریں ، اس کا انتظام ہو جائے گا ۔ آپ اب جا کر ایک دو گھنٹہ آرام کر سکتے ہیں اور کھانے کے بعد آٹھ بجے رات کو میرے پاس بڑی خوشی سے آسکتے ہیں ۔ "

نوجوان بیرسٹر نے کہا ، " یہ تو بہت خوب رہے گا ، یہ آپ کی بڑی نوازش ہے " ۔

اس کے بعد حضور مہاراج جی نے رائے بہادر مُنالال اور ان کے ساتھیوں سے فرمایا ،

" چاہیں تو آپ لوگ بھی آ سکتے ہیں ۔ "

مُرشد کامِل

رات ٹھیک آٹھ بجے سب حضور مہاراج جی کے کمرے میں پہنچ گئے۔

حضور نے پادری پارٹی کے سربراہ سے پوچھا، "اب بتایئے گورو کے متعلق آپ کیا جاننا چاہتے ہیں ؟"نوجوان پروفیسر درمیان میں ہی کہہ اُٹھا، "حضور سب کچھ بتلایئے اس کے متعلق ہمارے خیالات بہت غیر واضح ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "اچھا میں آپ کو خود سنتوں اور فقرائے کامِل کے ہی الفاظ میں بتلاؤں گا کہ اس کے متعلق ان کے کیا خیالات ہیں اور وہ کیا فرماتے ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے مجھے بھیجکر اپنی کتابوں کی الماری میں سے سوامی جی مہاراج کا سار بچن منگوایا اور اسے کھول کر اس میں سے یہ نظم پڑھنے کا حکم فرمایا۔

'رادھا سوامی دھرا نر روپ جگت میں، گورو ہوئے جیو چتائے۔' (سار بچن صفحہ -6)

اس کے بعد حضور نے پادریوں سے فرمایا، "میں پہلے سوامی جی کے اقوال سے شروعات کرتا ہوں اور بعد میں ان کی تائید میں دوسرے مرشدانِ کامِل کا حوالہ دوں گا۔ سوامی جی فرماتے ہیں کہ خدا نے انسانی جامہ اختیار کیا اور بطور مُرشد، روحوں کو بیدار کرنے کے لئے دنیا میں ظاہر ہوا۔ وہ اپنے مُریدوں کو یاد کراتے ہیں کہ وہ کُل مالک کا جز ہیں۔ جو ان پر اعتقاد لاتے ہیں، وہ انھیں اپنے اصل مقام پر واپس لے جاتے ہیں۔

پادریوں کی طرف مڑکر حضور نے فرمایا "شاید آپ لوگوں کے لئے اس پر یقین کرنا بڑا مشکل ہو گا لیکن بائیبل میں بھی اسی طرح کے اقوال ہیں 'ورڈ' (شبد) نے جسم اختیار

کِیا 'ورڈ' (شبد) یا لوگاس خدا ہے، سب کا خالق ہے۔ آپ خود جان متی -1 میں یہ پڑھ کر دیکھ سکتے ہیں۔ آپ سب کو یہ معلوم ہی ہے۔ یہ کچھ اس طرح تحریر ہے، شروع میں 'ورڈ' (شبد) تھا، شبد خدا کے ساتھ تھا اور شبد ہی خدا تھا، سب کچھ اسی کے ذریعے بنایا گیا اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں بنی، جو اس کے بغیر بنی ہو، اس شبد نے ہی جسم اختیار کِیا اور شکل میں مسیحا یا نجات دہندہ بن کر دنیا میں آیا۔ میرا خیال ہے کہ اس تک تو ہم سب متفق ہیں۔"

حضور مہاراج جی فرماتے گئے، پنجاب کے مسلمان فقیر سائیں بُلّھے شاہ فرماتے ہیں مولا آدمی بن آیا، گورو ارجن دیو جی اعلان کرتے ہیں، ہری (خدا) خود آج ' رامداس ' (گورو ارجن دیو جی کے مُرشد) نام اختیار کرکے ظاہر ہوا ہے 1۔ مولانا روم تو اور بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مُرشد میں خدا اور پیغمبر دونوں سمائے ہوئے ہیں 2۔

شمس تبریز فرماتے ہیں، اس شہنشاہ نے اپنے محل کا دروازہ بڑی مضبوطی سے بند کر دیا ہے اور پھر وہ خود انسانی لباس میں اس دروازے کو کھولنے کے لئے نیچے چلا آیا ہے 3۔

گورو ارجن دیو جی فرماتے ہیں، مُرشد خالق ہے، مُرشد ہی سب کچھ کرنے والا ہے، کوئی بات مُرشد کی طاقت سے باہر نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مزید فرماتے ہیں۔ 'مُرشد قادر مطلق، حاضر ناظر، غیر مجسّم و کُل مالک ہے، وہ نارسا، لامنتہا، لا محدود و لابیان ہے'، گورو رام داس جی فرماتے ہیں :-

---

1 "ہری جیو نام پریو رام داس"، سورٹھ محلہ 5 - صفحہ 612

2 چونکہ کردی ذات مُرشد را قبول، ہم خدا درذاتش آمد ہم رسُول

3 آں بادشاہ اعظم دربستہ بوُد محکم، پوشیدہ دلق آدم، یعنی کہ بردر آمد

سمند ورول شریر ہم دیکھیا، اک وستو انوُپ دکھائی
گوُرو گوبند، گوبند گورو ہے، نانک بھید نہ بھائی
(آدی گرنتھ صفحہ 440)

معنی ہیں۔ اس انسانی جسم کو بلو کر میں نے ایک عجیب بات دیکھی کہ مُرشد خدا ہے اور خدا مُرشد ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فارس کے ایک دوسرے فقیر فرماتے ہیں :-

'نورِ حق ظاہر بود اندر ولی'

فقرا و اولیا کے اندر خدا کا نورُ صاف صاف نظر آتا ہے مگر اسے وہی دیکھ سکتے ہیں جو اندر کی آنکھ کھول لیتے ہیں۔ کبیر، دادُو، پلٹوُ اور دیگر سب سنت و فقیر بھی یہی فرماتے ہیں۔

پادری پروفیسر نے کہا، "عیسےٰ مسیح بھی فرماتے ہیں، "میں اور میرا باپ ایک ہیں۔ میری ہدایت کے مطابق چلو، تم خدا کی بادشاہت میں پہنچ جاؤگے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "اس بات کو ذرا دُوسرے پہلو سے سوچئے، فرض کیجئے، ایک دن آپ کا چھ سال کا بچہ اپنے کچُھ دوستوں کے ساتھ گھر سے کچھ دور میلہ دیکھنے جاتا ہے، شام کو تیز آندھی گھیر لیتی ہے۔ اور سب بچے تو واپس آجاتے ہیں، لیکن آپ کا بچہ نہیں آتا، رات ہو جاتی ہے مگر آپ کے بچے کی کوئی خبر نہیں۔ آپ کی بیوی روتی، چِلاّتی آپ کے پاس دفتر، کلب یا جہاں کہیں بھی آپ ہیں، آکر کہتی ہے کہ بچہ واپس نہیں آیا۔ کیا آپ ٹوپ یا چھڑی لئے بغیر، جیوں کے تیوں اسی حالت میں فوراً بچے کی تلاش میں نہیں دوڑ پڑیں گے۔ آپ ضرور دوڑیں گے تو کیا وہ رب العالمین جو مہر و کرم، رحمت و شفقت کا بے کنار سمندر ہے۔ اپنے بچوں کو درد و غم، مصیبت فکر و تکلیف کے اس خوفناک بحرِ ظُلمات سے نکالنے کے لئے یہاں دوڑتا ہوا نہیں آئے گا؟

یہ دنیا ایک بہت بڑا قید خانہ ہے، جس میں روحیں قید ہیں۔اس دردو غم کی دنیا میں ہماری بھی کوئی زندگی ہے! موت ہر وقت منہ کھولے کھڑی ہے۔ہمارے بیوی، بچے کنبہ سب غیر محفوظ ہیں۔ان کا ہم سے کسی وقت بھی چھن جانے کا خطرہ ہمیشہ موجود ہے۔سب لوگ بیماری اور موت کا شکار ہوتے ہیں۔ آپ کسی کو بھی خوش و خرم نہیں پائیں گے کوئی اپنی بیوی کی موت پہ رو رہا ہے تو کوئی اپنی بیوی کی سخت کلامی، زبان درازی اور خشک مزاجی سے دُکھی ہے۔ کوئی لڑکے کی پیدائش کے لئے دعائیں مانگ رہا ہے تو کوئی اپنے باپ کی موت کے لئے دعا کر رہا ہے۔

ہسپتالوں میں جا کر دیکھئے عدالتوں اور جیلوں میں دیکھئے ہر جگہ دردوغم کا ہی دور دورہ ہے۔ کسی سے بھی پوچھئے کہ کیا وہ خوش ہے؟ وہ اپنی مصیبتوں کی داستان لے بیٹھے گا۔ کسی کا بیٹا مر گیا ہے تو کسی کو اپنی بیٹی کے بیوہ ہونے کا صدمہ۔ کوئی بیماری کے ہاتھوں تنگ ہے تو کوئی مفلسی کا شکار ہے۔ بے کاری نے الگ آفت مچا رکھی ہے۔یہاں حاکم مغموم و پریشان ہے تو رعایا آفتوں اور مصیبتوں، دُکھوں کا شکار۔راجے، رانیاں، شاہزادے، سرمایہ دار، صنعت کار اور بڑے بڑے بیوپاری، سب اپنی اپنی فکر و غم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ جب سرمایہ داروں کا یہ حال ہے تو بیچارے مفلسوں کی بات ہی کیا ہے؟ بے صبری، غریبی اور مصیبتیں ہی ان کا سرمایہ ہے۔ گرفتاری کے وارنٹ، سامان کی قُرقی، قرض کی نا ادائیگی پر بے عزتی، بے حُرمتی اور جیل ان کا روزمرہ کا مقدّر ہے۔"

شاید آپ کہیں گے کہ فلاں شخص کے پاس وہ سب کچھ ہے، جو دنیاوی طور پر ضروری ہے۔ وہ ضرور بہت خوش و خرم ہوگا۔اس کے پاس بے انتہا دولت ہے، خوبصورت بیوی ہے، فرمانبردار اولاد ہے، شہر میں وسیع محل ہے اور شہر کے باہر خوبصورت بنگلہ ہے، سیر کے لئے موٹریں، کاریں ہیں، خدمت کے لئے باوردی خدمت گار حاضر رہتے ہیں۔اسے اور

کیا چاہیئے ؟ ہاں، آپ کا کہنا درست ہے مگر ذرا اس کے پاس جاکر تو پوچھیئے کہ کیا وہ واقعی خوش ہے۔ اور دیکھئے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ ایک ایسے ہی موقعہ پر گورو نانک صاحب کہہ اُٹھے تھے ''اوہ ! اس دنیا میں ہر شخص دُکھی ہے۔ صرف مالک کے پیارے ہی سُکھی ہیں 1 ۔

راجستھان کی مشہور سنت سہو بائی کہتی ہیں،'' سب امیروں کو میں نے درد و غم میں کراہتے ہوئے پایا ہے۔ اور غریب تو ہیں ہی رنج و غم کا نمونہ۔ سُکھی تو صرف مالک کے بھگت ہی ہیں، جنھوں نے سُکھ پانے کے لئے خدا سے ناطہ جوڑ لیا ہے 2 ۔

"زر و مال سے کبھی چین و سکون نہیں ملتا۔ اگر ایسا ہوتا تو کروڑوں اور اربوں کی دولت کا مالک راک فیلر اپنے کارخانے کے ایک مزدور کو، جو پشت پر وزن لادے جا رہا تھا، دیکھ کر یہ نہ کہتا کہ کوئی میرا مال و زر سب لے لے اور اس غریب آدمی کی تندرستی مجھے دلوا دے۔

زر و مال دنیا کی سب مصیبتوں کا باعث نہ بھی ہو، تو بھی یہ کوئی آرام دِہ چیز نہیں۔ یہ تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج کسی کے پاس ہے تو کل کسی اور کے پاس۔ یہ انسان کو لالچی، مغرور،، پتھر دل اور بے رحم بنا دیتی ہے۔ گورو نانک صاحب کا فرمان ہے،'' دولت کو جمع کرنے کے لئے انسان کو کئی طرح کے گناہ کرنے پڑتے ہیں لیکن دنیا سے رخصت ہوتے وقت نہ تو یہ اس کے ساتھ جاتی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی مدد کرتی ہے 3۔ آرام و آسائش کے سامان کی ملکیت اور دنیاوی خوشیوں میں سچا سُکھ نہیں ہے۔ آرام کا ردعمل تکلیف ہے یعنی

---

1 نانک دُکھیا سب سنسار، سو سُکھیا جو نام آدھار (آدی گرنتھ، صفحہ 954)

2 دھنونتے دُکھیئے سبھی، نردھن دُکھ کا روپ
سادھ سُکھی سہو کہے، پایو بھید انوپ (سہو بانی)

3 پاپاں باجھو ہووے ناہی، مویا ساتھ نہ جائی (آد گرنتھ، صفحہ 417)

ان سب کا نتیجہ غم و تکلیف ہی ہوتا ہے ۔ گورو نانک صاحب مزید فرماتے ہیں ،، عیش و آرام کی زندگی غم سے آلودہ ہے ، نفسانی عیش اپنے ساتھ بیماریاں لاتے ہیں اور آخری وقت انسان کو خوار کرتے ہیں 1 ۔

وہ آرام کس کام کا ، جو آخر میں تکلیف کا باعث بنے ؟ ایک عقلمند انسان ہمیشہ اپنے انجام پر نظر رکھتا ہے ۔

"سوامی جی نے اپنی ایک نظم میں ، انسان کی پیدائش سے موت تک کی غمناک حالت کا بیان کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان روتے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور اس کا بچپن بڑی مشکلات میں گزرتا ہے ۔ وہ جھولے میں گونگے اور بہرے کی طرح پڑا رہتا ہے اور اپنا دکھ درد تک کسی کو بتا نہیں سکتا ۔ اسے درد تو سر میں ہے مگر ماں باپ دوا پیٹ درد کی دیتے ہیں ۔ اس طرح اس کے درد میں اور اضافہ کر دیتے ہیں ۔ وہ بری طرح چیختا ، چلاتا ہے مگر بتا نہیں سکتا کہ اسے درد کہاں ہے ۔ اس کے ماں باپ بھی نہیں سمجھ پاتے کہ اس کا کیا علاج کریں ۔ اس کی چڑ چڑاہٹ سے تنگ آ کر مجبوراً ماں اسے مارنے لگتی ہے ۔ بچپن زیادہ تر بیماریوں میں ہی گزرا ۔ ذرا بڑا ہوا تو اور مجبوریوں نے آ گھیرا ۔ وہ کھیل کود کا شوقین ہے مگر والدین اسے مدرسے بھیجنا چاہتے ہیں ۔ اس سے بچنے کے لئے وہ کئی بہانے بناتا ہے مگر اس کو چھٹکارا نہیں ملتا ۔ گھر میں اسے والدین کی ڈانٹ ڈپٹ ملتی ہے تو سکول میں استاد صاحب کا ڈنڈا ۔ یہ غفلت کے دن بھی تکلیف و پریشانی میں ہی گزر جاتے ہیں ۔

اس کے بعد جوانی آتی ہے ، جو نادانیوں اور پریشانیوں سے پُر ہوتی ہے ۔ نہ چاہتے ہوئے بھی قدرتی جذبات و حرکات کی تُندی و تیزی اس پر حاوی ہو جاتی ہے ۔ اس کی عقل

---

1 ۔ بھوساد ہوڈ کھ پراپت ہوئے ، بھوگ ہو روگ سے انت وِگورے (آدی گرنتھ ، صفحہ 1048)

پر پردہ پڑ جاتا ہے ۔ وہ ایسے کام کر بیٹھتا ہے، جن کا نتیجہ سراسر شرمندگی اور افسوس ہوتا ہے ۔ نفسانی و حیوانی خواہشات اس پر چھا جاتی ہیں۔ نرمی و باقاعدگی غائب ہو جاتی ہے ۔ وہ خوبصورت چہروں کے پیچھے دوڑتا پھرتا ہے ۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جوانی میں آدمی کیا کیا کرتا ہے ۔جب اس کی شادی ہو جاتی ہے تو وہ والدین و بھائی بہن کے لئے اپنے تمام فرائض بھُول جاتا ہے ۔

جب نفسانی خواہشات کا پہلا دَور ختم ہوتا ہے تو اسے کچھ کمانے اور گزارہ کرنے کی فکر لاحق ہوتی ہے ۔ وہ نوکری کی تلاش میں چکر لگاتا ہے، در در بھٹکتا ہے ہر جگہ اسے جھاڑ اور لتاڑ ہی ملتی ہے، ہر جگہ لکھا ملتا ہے، 'یہاں جگہ خالی نہیں ہے'۔اس کے بیوی بچے کہتے ہیں، 'جاؤ خواہ خیرات مانگو، قرض لو، چوری کرو، مگر کہیں نہ کہیں سے پیسہ لاؤ، ہم پتھر کھا کر نہیں جی سکتے ۔' دن رات اسے یہی فکر کھائے جاتا ہے ۔ وہ ایک پاگل کتے کی طرح اِدھر اُدھر بھاگتا پھرتا ہے ۔ ہر وقت اس کے دل پر ایک بھاری بوجھ رہتا ہے ۔ جو گھر میں بدزبانی اور جھگڑے کا باعث بن جاتا ہے ۔اس طرح اس کی گھریلو زندگی کا سب لُطف جاتا رہتا ہے ۔ "کنبے کے فرائض، بچوں کی تعلیم، شادی بیاہ و رسومات کے اخراجات، اسے قرض لینے پر مجبور کر دیتے ہیں، جس کی سود سمیت ادائگی بہت مشکل ہو جاتی ہے ۔ بے چارہ عدالتوں میں گھسیٹا جاتا ہے ۔اپنی گذشتہ نادانیوں پر افسوس تو کرتا ہے ۔ مگر اب پچھتانے سے کیا حاصل! مصیبتیں اس پر مُوسلا دھار بارش کی طرح ٹوٹ پڑتی ہیں ۔ وہ پانی کے بغیر مچھلی کی طرح تڑپتا ہے ۔ قبل ازوقت بُوڑھا ہو جاتا ہے ۔ اس کے حواس کام کرنے سے جواب دے جاتے ہیں ۔اسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے ۔ کسی طرف سے بھی اسے امداد نہیں ملتی ۔

اس کی عقل اور کام کرنے کی طاقت کمزور ہو چکی ہے ۔لیکن طمع اور حرص بڑھاپے

میں بڑھ جاتی ہے۔اس کا جسم مُرجھاچکا ہے، صحت برباد ہو چکی ہے۔اب لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔وہ لاعلاج بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔وہ اپنی خواہشات کو پورا نہیں کرسکتا۔لیکن نفس کی نہ مٹنے والی خواہشات اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں، جو اس کے دل کو جلاتی رہتی ہیں۔وہ ناقابل معافی غلطیاں کرتا ہے، جن کی وجہ سے اسے نہ صرف لوگوں کے طعنے سننے پڑتے ہیں بلکہ اس کے بیوی بچے بھی اسے کھری کھوٹی سُناتے ہیں۔وہ مرنا چاہتا ہے مگر موت نہیں آتی کبھی کبھی وہ ان تکالیف سے نجات کے لئے خود کشی کرنے کا خیال کرتا ہے۔

"سو یہ ہے انسان کی زندگی، جس کے پیچھے ہم دوڑتے پھرتے ہیں اور ایسے گُنہگار لوگوں کو جو اپنے گناہوں پر پشیمان ہوئے بغیر مرجاتے ہیں، ہزاروں سال دوزخ کی اذیتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔اس چند روزہ انسانی زندگی کے غلط استعمال کی کتنی بڑی سزا ملتی ہے۔

"دوزخ کی مصیبتوں اور اذیتوں کا تو آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔وہاں روحیں روتی اور چلّاتی ہیں۔ان کی اس آہ و پکار کو کوئی نہیں سنتا۔ترلوکی کا مالک کال ذرہ بھر بھی رحم نہیں کرتا۔کیا اپنے بچوں کی یہ بری حالت دیکھ کر خدا کو ان پر رحم نہیں آئے گا؟ کیا وہ ان کی مصیبتوں کو ختم کرنے کے لئے انسانی جامہ اختیار کر کے آنے پر مجبور نہیں ہو جائے گا؟۔

جیسے ہی حضور مہاراج جی رُکے، رائے روشن لال بول اٹھے، "لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ خدا جو حاضر ناظر، لاانتہا، لامحدود، اور سب میں سمایا ہوا ہے محدود ہو کر انسانی جسم میں کیسے سما سکتا ہے؟"

حضور مہاراج جی ارشاد فرمایا۔" رائے صاحب! اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ خدا سورگ میں کسی خاص مقام پر بیٹھا ہوا ہے اور وہاں سے ہی دنیا کا سارا سلسلہ چلا رہا ہے۔وہ اس لامحدود کو محدود کر دیتے ہیں۔وہ تو لاانتہا اور حاضر ناظر ہے حساب کا کوئی بھی

طالب علم آپ کو بتا سکتا ہے کہ اگر کامل میں سے کامل نفی کیا جائے تو کامل ہی باقی بچتا ہے۔ لامحدود میں سے لامحدود تفریق کرنے پر لامحدود ہی باقی رہ جاتا ہے۔ ایشواسہ اپنشد' کے شانتی پاٹھ میں لکھا ہے۔

یہاں پورن کا مطلب کامل، لامحدود، بے حد ہے۔ کہتے ہیں، خدا لامحدود ہے، مکمل ہے، کامل ہے اور کامل میں سے کامل کو تفریق کیا جائے گا تو کامل ہی باقی بچے گا۔ جب ہم اس کے انسانی جامہ میں آنے کی طاقت و قابلیت پر شک کرنے لگتے ہیں تو ہم کامل و لامحدود کی اہمیت کو بھول جاتے ہیں۔ کیا سبھی شکلیں اسی کی نہیں؟ میں یہ آپ کو ایک اور طرح سمجھاتا ہوں۔"

لیکن رائے روشن لال پھر درمیان میں ہی بول اٹھے۔ "مہاراج جی اب یہ بالکل صاف سمجھ میں آ گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے۔ کہ آپ کسی بات کو صرف زبانی ہی نہیں سمجھاتے بلکہ جیسے ہی آپ کسی سوال کا جواب دینا شروع کرتے ہیں، دماغ میں اچانک روشنی کی ایک کرن جگمگا اُٹھتی ہے۔"

مہاراج جی نے مزید فرمایا، "اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہماری روح روحانیت کے لامحدود سمندر کا ایک قطرہ ہے یا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب کے اندر خدا کا ایک جزُ ہے اور جتنا کوئی خدا کے نزدیک پہونچتا ہے، وہ جزُ اتنا ہی زیادہ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ ایک شاعر، فلاسفر، سائنس دان، یوگی یا زیادہ رسیدہ روحوں کے اندر ایک عام انسان کی نسبت خدا کا جزُ زیادہ نمودار ہوتا ہے۔ جیسے، جیسے ہمارے یہ کثیف پردے ہٹتے جاتے ہیں۔ اتنا ہی یہ نُور یعنی ہمارے اندر کا خدا، زیادہ چمکنے لگتا ہے اور آخر یہ کیفیت آجاتی ہے کہ ہمارے اندر وہ مکمل طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں ہماری روح پر کوئی رکاوٹ یا بندش نہیں رہتی ہم اپنی مرضی کے مطابق اُوپر کے طبقات میں جا سکتے ہیں ان طبقات و منزلوں کے راز ہمارے

راز ہو جاتے ہیں، وہاں کی طاقتیں ہماری طاقت بن جاتی ہیں۔ روح اس لامحدود کے ساتھ ایک ہوجاتی ہے۔ قطرہ سمندر میں مِل کر سمندر بن جاتا ہے۔ دراصل ہر روح کثیف غلاف میں لپٹی ہوئی، وہ قادرِ مُطلق اللہؐ تعالیٰ ہی تو ہے۔ بادلوں سے اوپر تو اُجلا آسمان ہے جہاں سورج پوری آب و تاب سے چمکتا ہے۔ یہ بادل ہی تو تاریکی کا باعث ہیں جب ہوا بادلوں کو تتر بتر کر دیتی ہے تو آفتاب پوری روشنی کے ساتھ ظاہر ہوجاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، یہ درست نہیں کہ جو چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، ان کا وجود ہی نہیں۔ مشہور عالم سقراط کو بھی یہ ماننا پڑا تھا کہ علم کا ایک ایسا طبقہ بھی ہو سکتا ہے جہاں دلیل بازوں کی رسائی ہی نہیں۔ کئی بار مجھے ہنسی آتی ہے، جب میں نوجوانوں کو ان مضامین پر دعوے سے گفتگو کرتے دیکھتا ہوں، جن کے متعلق ان کو کوئی علم نہیں۔ یہ عجیب مذاق ہے کہ انھوں نے اس روحانی مضمون کا نہ تو کبھی مطالعہ ہی کیا ہے نہ ہی اس کے متعلق کوئی تحقیق ہی کی پھر بھی آپ ان کو روح، اللہؐ تعالیٰ، جنت، جہنم اور وہاں کے نظام کے متعلق بے مطلب اور فضول دعوے کرتے پائیں گے۔"

اسی دوران پادری پروفیسر نے کہا، "عیسٰی مسیح نے بھی کہا ہے۔" میں اور میرا باپ ایک ہی ہیں۔"

حضور نے فرمایا، "ہاں، انھیں بائیبل میں، خدا کا بیٹا، بھی کہا گیا ہے۔"

ایک دوسرے پادری نے کہا، "وہ خود بھی یہی کہتے ہیں۔"

حضور نے فرمایا، "آپ ایسے لوگوں کو خدا کا بیٹا کہہ سکتے ہیں، خلیل اللہؐ (خدا کا دوست) کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابراہیم صاحب کو بھی کہا جاتا تھا یا انھیں رسول اللہؐ (خدا کا پیغمبر) کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ حضرت محمد صاحب کے لئے کہا جاتا تھا یا خود خدا کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ رام اور کرشن کے لئے کہا گیا ہے۔ وہ محافظ اور نجات دہندہ یا ثالث کے طور پر آتے

ہیں یا خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں وہ خدا کی صورت میں انسان یا انسان کی میں خدا ہیں، جو دنیا میں رحم و کرم کا پیغام دینے اور نور اور نئی زندگی عطا فرمانے آتے ہیں۔ وہ خدا سے وصال کرانے کے لئے راہ نمائی کرتے ہیں ؎ اس کی بادشاہت میں داخلات کا دروازہ کھولنے آتے ہیں۔

ایک پادری نے بتایا کہ عیسےٰ کو بھی دروازہ 'راستہ' 'دنیا کی روشنی' اور ایک 'مہربان گڈریا' کہا گیا ہے۔

پادری پروفیسر نے کہا، "عیسے کو 'ورڈ' 'شبد' 'لوگاس' 'اسم مُجسم' اور 'اوتار' کہا جاتا ہے۔

تب حضور مہاراج جی نے فرمایا، "کرشن بھگوان، جن کو ہندو ایشور کا اوتار مانتے ہیں، گیتا میں فرماتے ہیں۔ "اس دنیا میں جب جب (حق) دھرم کا نقصان یا کمی ہوتی ہے اور گناہ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تب تب میں خود حق کی مضبوطی وقائمی کے لئے وقت وقت پر اوتار لیتا ہوں۔" 2.1

پادری پروفیسر بولا، "ان کو کوئی کسی بھی نام سے پکارے، دراصل وہ خدا کے

---

1 گیتا منظوم خواجہ دل محمد 4/7

تنزل پہ جس وقت آتا ہے دھرم، ادھرم آکے کرتا ہے بازار گرم
یہ اندھیر جب دیکھ پاتا ہوں میں، تو انسان کی صورت میں آتا ہوں میں

2 گیتا منظوم خواجہ دل محمد 4/8

بھلوں کو بروں سے بچاتا ہوں میں، بروں کو جہاں سے مٹاتا ہوں میں
جڑیں دھرم کی پھر جماتا ہوں میں، عیاں ہو کے یگ یگ میں آتا ہوں میں

یہاں سے آتے ہیں اور خدا کی طاقت لے کر آتے ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "لوگ ناموں کو لے کر فضول لڑتے ہیں۔ اگر کوئی بلا تعصب اور صدق دِلی سے تحقیق کرے تو اسے سب مذاہب کی تہہ میں ایک ہی حقیقت ملے گی۔ جب بھی روحانیت کا طریق بے کار کے رسم و رواج، بے جان رسومات شریعت کے جال میں اُلجھ کر بدنام ہوجاتا ہے۔ تب ہی اسے دوبارہ زندگی دینے کے لئے خدا کے بندے وقت وقت پر آتے ہیں۔ اس طرح نورِ حق کی یہ مشعل ہر زمانہ میں ہمیشہ روشن رکھی جاتی ہے۔"

پادری پروفیسر نے پوچھا، "یہ بدعملی، پستی اور گراوٹ ہمیشہ کیوں آجاتی ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "یہ بھی قانونِ قدرت ہے۔ جب زمین بنجر ہوجاتی ہے اور فصل پیدا نہیں کرتی تو اس میں سے تازہ پھل پھُول پیدا کرنے کے لئے کھاد کی ضرورت ہوتی ہے۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "خدا اتنی اچھی اور خوبصورت چیزوں کے ارد گرد اس قدر گندگی اور غلاظت کیوں جمع ہونے دیتا ہے؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "درست ہے لیکن اگر وہ ایسا ہونے دیتا ہے تو ان کو پھر سے پاک و صاف کرنے کے لئے اسے خود ہی دنیا میں آنا بھی تو پڑتا ہے۔"

یہ سُن کر سب لوگ ہنس دیئے۔

حضور نے مزید فرمایا، "یہ بات کبھی فراموش نہ کیجئے کہ اس دنیا کا منتظم وہ مالکِ کُل، جو کچھ بھی کر رہا ہے خوبصورت طریقہ سے کر رہا ہے۔"

"یہ بے اصولی، گناہ گراوٹ اور غم شاید اس لئے ضروری ہیں کہ اس رحیم الرحمان کی کی رحمت کا سمندر اُمڈ پڑے اور انسان کے گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی روحانی لہریں آنے لگیں۔"

پھر حضور نے پادریوں کے گروہ سے پوچھا، "گورو کے متعلق آپ مزید کچھ دریافت

کرنا چاہتے ہیں ؟"

ان کے جواب سے پہلے ہی نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "سنت مرتے کیوں ہیں؟"

اس سوال پر سب ہنس پڑے ۔ لیکن بیرسٹر نے مزید کہا، "انھیں مرنا نہیں چاہئے، کیوں کہ وہ تو خدا ہی ہوتے ہیں ۔"

حضور مہاراج جی نے جواب میں ارشاد فرمایا، "سنت یا فقرائے کامل، زندگی اور موت کے مالک ہوتے ہیں۔ وہ جب تک چاہیں زندہ رہ سکتے ہیں۔ ان کی موج میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ ان کو موت عام لوگوں کی طرح نہیں آتی۔ جب سنت ستگورو یا مرشد کامل جسم کو چھوڑنا چاہتے ہیں تو وہ اسے اس طرح چھوڑ دیتے ہیں ۔ جیسے لوگ پرانے کپڑے اتار کر پھینک دیتے ہیں۔ جب وہ اپنے روحانی عمل وا بھیاس کے دوران، روح کو اوپر کی منزلوں میں لے جاتے ہیں ۔ تو روزانہ موت کا تجربہ کرتے ہیں۔ انھیں زندگی اور اس دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا اور نہ وہ موت سے ڈرتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں رہنے میں کوئی خوشی محسوس نہیں کرتے۔ وہ اس دنیا کو بہت بڑا جیل خانہ سمجھتے ہیں۔ وہ دنیا کا کام پورا ہوتے ہی اسے فوراً چھوڑ جاتے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو جسم میں صدیوں تک یا کئی سال تک رہ سکتے ہیں لیکن ان کو ایسا کرنے میں کوئی خوشی نہیں ہوتی ۔ وہ جب تک اس دنیا میں رہتے ہیں، اس کے قاعدے قانون پر بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں۔"

رائے بہادر منالال درمیان میں ہی بول اٹھے، "سنتوں کی تو بات چھوڑیئے ہم معمولی ست سنگیوں کو بھی اس دنیا میں رہنے میں کوئی خوشی نہیں ہے اور جلد از جلد اس قید خانہ سے رہائی چاہتے ہیں ۔"

اس مضمون پر بولتے ہوئے حضور نے مزید فرمایا، " کبیر صاحب کہتے ہیں :

کبیر جس مرنے سے جگ ڈرے ، میرے من آنند
مرنے ہی تے پایئے ، پورن پرم آنند

اس موقعہ پر پادری پروفیسر نے کہا، "سینٹ پال نے بھی کہا ہے، میں روز مرتا ہوں لیکن میں آج تک سمجھ نہ پایا تھا کہ ان الفاظ سے ان کا کیا مطلب تھا۔"

حضور مہاراج نے سمجھایا۔ "سلطان الاذکار (سرت شبد) کا ماہر عامل، ہر روز اپنے عمل کے دوران، موت کے دروازے میں سے گزرنے کا تجربہ کرتا ہے۔ موت کے وقت کیا ہوتا ہے؟ روح سب سے پہلے جسم کے اعضا میں سے سمٹتی ہے ہاتھ پاؤں ٹانگوں اور بازوؤں سے سمٹ کر، پہلے چکر (گُدا چکر) میں آجاتی ہے۔ وہاں سے آہستہ، آہستہ، 'کنٹھ چکر' میں آتی ہے۔ اس وقت ہاتھ، پاؤں اور سارا جسم ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ نبض بھی رک جاتی ہے۔ آنکھوں کی پتلیاں اوپر کی طرف اُلٹ جاتی ہیں۔ روح نکتۂ سویدا (تیسرے تِل) میں سے نکل جاتی ہے۔ اس طرح موت ہوجاتی ہے مگر ایک عامل (ابھیاسی) ہر روز اس راستے سے گزرتا ہے اسی کو 'زندہ مرنا' کہا جاتا ہے۔

مسلمان ڈاکٹر نے کہا، "حضرت محمد صاحب نے بھی فرمایا ہے کہ 'موت سے پہلے مرو' (موتو قبل ان تموتو)۔ میں آج سمجھ پایا ہوں کہ ان کے اس فرمان کا مطلب کیا تھا۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "کہ اگر ایک ابھیاسی کی روح جسم کو چھوڑنے کے بعد واپس نہ لوٹے تو کیا ہو گا"؟

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ روح حسب خواہش آ جا سکتی ہے۔ یہ بات عامل (ابھیاسی) کے اپنے اختیار میں ہوتی ہے۔ ہر عامل (ابھیاسی) کو ہر روز موت کا دروازہ پار کرنا ہوتا ہے۔ جسم کے باہری حصوں سے سمٹ کر روحانی بیداری میں داخلے کے عمل کا یہ پہلا قدم ہے۔ اندرونی روحانی زندگی کے آغاز سے پہلے، موت کی حالت تک پہنچنا یعنی بیداری کا جسم سے بالکل سمٹ جانا لازمی ہے۔ یونان کے پرانے فلاسفر، پلوٹارک کا بھی یہی تجربہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ 'موت کے وقت روح ان ہی تجربات میں سے گزرتی ہے' جو

ایک مُرشد کامل سے بیعت شدہ عامل روح اوپر کی منزلوں میں داخل ہوتے ہوتے کرتی ہے۔"

نوجوان بیرسٹر نے کہا، "یہ 'زندہ مرنے' کا عمل تو تکلیف دِہ ہوتا ہو گا؟"

حضور نے جواباً فرمایا، "نہیں کامِل مُرشد کی راہ نمائی میں ایک چھ برس کا بچہ بھی یہ عمل کر سکتا ہے۔"

نوجوان بیرسٹر بولا "تب ساری دنیا ہی اسے کیوں نہیں کر لیتی؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "کیونکہ نہ تو انھیں مُرشدِ کامِل مِلا اور نہ ہی انھیں اس راہ کی کچھ خبر ہے"۔

بیرسٹر نے پوچھا "کیا میں اس راہ کو جان سکتا ہوں؟ کیا اس کے لئے کچھ شرائط عائد ہیں یا کِسی قِسم کی تیاری کی ضرورت ہے؟"

حضور نے فرمایا، "ہاں، اس کے لئے شراب نوشی و گوشت خوری کو ترک کرنا ہو گا۔ یعنی شراب اور تمام نشیلی اشیاء اور گوشت، انڈہ، مچھلی، مرغی وغیرہ اور ان سے بنی کیک، پیسٹری وغیرہ کو ترک کرنا ہو گا۔ اور نیک و پاک زندگی بسر کرنی ہو گی۔"

بیرسٹر بولا، "کیا کیک اور پیسٹری تک بھی چھوڑنا ہو گا۔ یہ تو ذرا مُشکِل کام ہے۔"

حضور مسکرائے اور فرمایا۔ "یہ تو اس بات پر مُنحصر ہے کہ انسان کس بات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ دنیا کے فانی آرام کو یا لافانی روحانی دولت کو۔"

گوشت خوری کیوں منع ہے؟"

"کیونکہ جانداروں کی جان لینے سے دِل بے رحم اور سخت ہو جاتا ہے اور اعمال یعنی کرموں کا بوجھ بھاری ہو جاتا ہے اور گوشت خوری سے روحانی ترقی میں رکاوٹ آتی ہے۔"

بیرسٹر نے پھر پوچھا "کیا خدا نے ان جانوروں اور پرندوں کو ہمارے کھانے کے لئے نہیں بنایا؟"

مہاراج جی ہنسے، اور فرمایا، "اگر شیر اور چیتے یہی سوال آدمی کے متعلق کریں تو آپ کا کیا جواب ہو گا؟"

بیرسٹر نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا "لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی جانوروں کی خوراک کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔"

حضور نے فرمایا" مگر جانوروں کے خیالات تو آپ کے ان خیالات سے مختلف ہو سکتے ہیں۔"

نوجوان بیرسٹر نے کہا۔"لیکن سب مسلمان اور عیسائی تو گوشت کھاتے ہیں۔"

اس پر حضور مہاراج جی نے فرمایا" کسی بھی درویش یا سنت نے، خواہ وہ کسی بھی ملک مذہب یا زمانہ میں گذرا ہو، اپنے مریدوں کو گوشت خوری کی اجازت نہیں دی۔ وقت گزرنے پر جب لوگ ان کی اصلی تعلیم کو بھول جاتے ہیں، تب ان کے مرید جو برائے نام ہی مرید رہ جاتے ہیں، ان منع کی گئی چیزوں کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے حضرت محمد صاحب کی زندگی سے متعلقہ ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ انھوں نے دوران حیات فقط چار دفعہ ہی گوشت کا استعمال کیا تھا۔

مولانا روم فرماتے ہیں:

"لحن کہ گفت است سلطان زماں
لحن خود گفتہ نہ لحن دیگراں"

سلطان اعظم (حضرت محمد صاحب) نے جس گوشت کو کھانے کا ذکر کیا ہے، وہ تیرا خود کا گوشت ہے، نہ کہ دوسروں کا (یہاں اپنا گوشت کھانے کے معنی ہیں یکسوئی و ریاضت کے ذریعے اپنے جسم کو دبلا پتلا کرنا۔)"

مسلمان ڈاکٹر نے کہا"ہاں، حضرت محمد صاحب نے اپنے زندگی میں صرف چار دفعہ ہی

گوشت کھایا تھا۔ قرآن شریف کی ایک آیت میں لکھا ہے کہ قربان کئے گئے جانوروں کا گوشت اور خون خدا کو قبول نہیں۔ اس کے ہاں تو فقط نیک زندگی و بندگی ہی قبولیت پاتی ہے۔"

اس موقع پر باوا ہرنام سنگھ بولے،" لیکن گورو نانک صاحب نے تو گوشت خوری سے کبھی منع نہیں کیا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا" انھوں نے یقیناً منع کیا ہے۔ اور پھر حضور نے مجھ سے فرمایا،" اوپر جاؤ، میرے سونے کے کمرہ میں چھوٹی میز پر اخباروں میں لپٹی ایک قلمی نسخہ (ہاتھ سے لکھی) فارسی کی کتاب 'دبستان مذاہب' رکھی ہے اسے لاؤ۔ وہ پروفیسر جگموہن لال مہاراج کپور تھلہ کے کتب خانہ سے لائے ہیں۔"

میں کتاب لایا اور حضور مہاراج جی کو پیش کر دی۔ انھوں نے اسے کئی جگہ سے کھولا اور آخر اس حصہ کو ڈھونڈ نکالا، جسے وہ بتانا چاہتے تھے۔ کچھ دیر بعد انھوں نے اس کتاب کا قلمی نسخہ باوا ہرنام سنگھ کو تھماتے ہوئے فرمایا" یہ کتاب ایک بڑے عالم مسلمان مصنّف محسن فانی کی تصنیف کردہ ہے۔ وہ گورو ارجن دیو جی کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور ان کے دوست بھی تھے اس وقت کی یہی ایک دستاویز ملی ہے۔ یہ نہایت قابل یقین ہے۔"

حضور نے پھر حصہ 248 (حصہ دوم) دکھلایا، جسے باوا ہرنام سنگھ نے پڑھا، وہ اس طرح تھا۔" گورو نانک نے اپنے مُریدوں کو گوشت کھانے اور شراب پینے سے سخت مناہی کی تھی۔ انھوں نے خود بھی کبھی کسی طرح کا گوشت نہیں کھایا اور ان کے مُریدوں کو حُکم تھا کہ وہ کسی جاندار کی جان نہ لیں۔ گورو ارجن دیو جی کو جب یہ بتایا گیا کہ کچھ ست سنگی بڑے حضور (نانک دیو جی) کے فرمان پر سختی سے عمل نہیں کر رہے ہیں تو انھوں نے پھر اس حکم کو دوہرایا اور فرمایا کہ گورو نانک دیو جی نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی۔

حضور نے فرمایا،" اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جانور اور پرندے جن کو

ہم قتل کرتے ہیں، مرنا نہیں چاہتے ۔ وہ ہمارے ہاتھوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہماری طرح ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں۔جب ہم ان کو پکڑ کر مارنے کی کوشش کرتے ہیں، تب کیا وہ ہمارے ہاتھوں سے بچ نکلنے کی کوشش نہیں کرتے؟ کیا وہ مدد کے لئے نہیں پکارتے؟ کیا وہ درد محسوس نہیں کرتے ؟ کیا وہ خدا کے ویسے ہی بچے نہیں، جیسے کہ ہم؟ کیا وہ رحمان الرحیم انھیں بے رحمی سے قتل کرنے پر ہم سے جواب طلب نہیں کرے گا؟"

پادری پروفیسر نے اعتراف کیا، " ہاں، یہ درست ہے، کہ جب ہم مرغیوں اور چڑیوں کو مارتے ہیں تو وہ بڑے دردناک طور سے چلاتی ہیں ۔"

حضور نے فرمایا " اگر وہ آرام، درد. اور تکلیف محسوس کرتے ہیں تو ان کا مارنا گناہ ہے ۔ان کا خالق اس قتل کے لئے ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

پروفیسر نے دوبارہ کہا،" درد تو وہ ضرور محسوس کرتے ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "جو خدا سے محبت کرتا ہے اور اس سے وصال کا خواہاں ہے۔ وہ کسی جاندار کا قتل نہیں کرے گا ۔ جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے اور وہ حیوان سا ہی بن جاتا ہے ۔"

پروفیسر نے کہا، " ہم کئی پشت سے جانوروں کا گوشت کھاتے آرہے ہیں، ہمارے لئے اس کا چھوڑنا بہت مشکل ہو گا۔"

حضور نے فرمایا " جہاں چاہ وہاں راہ ۔ جو نیکی کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، خدا خود ان کی مدد کرتا ہے سینکڑوں امریکن اور یورپین ست سنگیوں نے گوشت خوری چھوڑ کر سادہ غذا کو اختیار کر لیا ہے ۔اب یہ بات ان کے لئے کوئی مشکل مسئلہ نہیں رہی ۔"

پادری پروفیسر نے کہا،" خدا کی محبت کے لئے، ہمیں کچھ قربانی تو دینی ہی ہو گی ۔

"نوجوان بیرسٹر بولا ، " لیکن فقرائے کامل کا فرمان ہے کہ درختوں ، پودوں اور ساگ ، سبزیات یعنی نباتات میں بھی جان اور احساسات ہوتے ہیں ۔"

حضور نے فرمایا ، " یہ درست ہے ۔ گندم کے دانے ، دانے تک میں جان ہوتی ہے گورو نانک صاحب فرماتے ہیں کہ اناج کے ہر دانے میں جسے ہم کھاتے ہیں روح ہوتی ہے 1 ۔

مولانا روم فرماتے ہیں ، ہری گھاس کی طرح میں کئی بار پیدا ہو چکا ہوں اور سات سو ستر جنم دیکھ چکا ہوں 2 ۔ لیکن جانداروں کے درجۂ بیداری حدِ احساس اور ترقی کے درجہ میں یقیناً فرق ہوتا ہے ۔ جس جاندار کو کھایا جاتا ہے ، اس میں تکلیف و درد محسوس کرنے کی صلاحیت جتنی کم یا زیادہ ہوتی ہے ، اسی کے مطابق کھانے والے کو بھی کم یا زیادہ گناہ لگتا ہے ۔ کیا اسے کچھ اور واضح کروں ؟ دیکھئے ، جان داروں کو ہم پانچ قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔ دنیا میں عناصر (تتوؤں) کی کمی ، بیشی کے مطابق ، پانچ قسم کے جاندار ہیں ۔

(1) پہلی قسم کے جانداروں میں صِرف ایک عنصر اہم ہوتا ہے ، باقی کے چار عناصر بہت کم مقدار میں اور برائے نام ہوتے ہیں ۔ اس قسم میں ساگ ، سبزیات درخت اور پودے وغیرہ شامل ہیں ، جن میں پانی کا عنصر اہم ہوتا ہے ۔ کچھ سبزیاں سوکھ کر وزن میں فقط دسواں حصہ رہ جاتی ہیں ۔

(2) دوسری قسم میں وہ جاندار شامل ہیں ، جن میں دو عناصر ، آگ اور مٹی اہم ہیں جیسے کیڑے ، مکوڑے ، سانپ ، چوہے وغیرہ ۔

---

1 " جیتے دانے ان کے جیا باجھ نہ کوئی " (آدی گرنتھ ، صفحہ 472)

2 بارہا ہمچو گیاہ روئیدہ ام ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام

(3) تیسری قسم میں پرندے آتے ہیں، جن میں تین عناصر، پانی آگ اور ہوا ہوتے ہیں۔

(4) چوتھی قسم میں چوپائے جانور آتے ہیں۔ جیسے گائے، گھوڑا وغیرہ۔ ان میں آسمان کو چھوڑ کر باقی چار عناصر موجود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں عقل کی کمی ہوتی ہے

(5) پانچویں قسم میں انسان آتے ہیں، جن کے جسم میں پانچوں عناصر پوری مقدار میں موجود ہیں۔ "اگر انسان کو مارنے کی سزا موت ہے تو گھوڑے یا کتے کو مار ڈالنے کے لئے ایسا نہیں۔ آپ اس کے مالک کو اس کی قیمت دے کر راضی کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کسی پرندے کو مارتے ہیں تو اس کے مارنے کے گناہ کا درجہ کسی کتے کے مارنے سے کم ہے۔ جو گناہ ایک چوہے یا خرگوش کو مارنے میں ہے، وہ پھل توڑنے یا گاجر کھانے میں نہیں ہے۔ اس لئے جب بزرگ رشیوں نے دیکھا کہ کال (شیطان) نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ایک جاندار دوسرے جاندار کو کھا کر ہی زندہ رہ سکتا ہے اور ساتھ ہی جان لینا ایک بہت بڑا گناہ بھی ہے تو انھوں نے طے کیا کہ ایسی چیزیں کھائی جائیں، جن کو کم از کم درد محسوس ہوتا ہو اور جن کے کھانے سے گناہ کا بوجھ کم از کم ہو۔ اس لئے انھوں نے سبزیات کو بطور غذا اور خوراک اختیار کیا۔ فقرائے کامل فرماتے ہیں کہ آپ بغیر کھائے تو زندہ رہ نہیں سکتے، اس لئے آپ وہ خوراک لیجئے، جس سے آپ کو گناہوں کا بوجھ کم از کم اٹھانا پڑے۔ اس دنیا کو چھوڑنے کی کوشش کرو، جہاں کسی کی جان لئے بغیر رہا ہی نہیں جا سکتا اور پھر یہ آپ کا اصل مقام بھی تو نہیں ہے۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "کال، نے ایسا انتظام کیوں کیا؟"

حضور نے سمجھایا "کال، نہیں چاہتا کہ کوئی بھی روح اس کے قید خانہ یعنی اس

دنیا (جسکا کہ وہ مالک ہے) سے نکل کر چلی جائے وہ ہر ایک روح کے لئے پوری لڑائی لڑتا ہے ۔

پادری پروفیسر نے پوچھا، " آپ فرماتے ہیں کہ شکار کھیلنا، مچھلی پکڑنا یا کسی کی جان لینا بُرا ہے تو کیا چیتا یا بھیڑیا مارنا بھی بُرا ہے ؟"

حضور نے فرمایا، "یہ سب حالات پر منحصر ہے ۔ جانوروں کا قتل کرنا اور ان پر ظلم کرنا بُرا ہے ۔ لیکن کبھی ایسا موقعہ بھی آسکتا ہے، جب ان کا مارنا ہی لازم ہو ۔ فرض کیجئے ایسا چیتا آپ کے گاؤں کے لئے خطرہ بن جاتا ہے، وہ آپ کے جانوروں کو اٹھا لے جاتا ہے، اور کئی گاؤں والوں کو مار ڈالتا ہے ۔ ایسی حالت میں اس کو مار ڈالنا مناسب ہو سکتا ہے ۔ لیکن فقط اپنے شوق اور لُطف کے لئے جانوروں کے قتل کا حساب ضرور چُکانا ہو گا ۔"

پادری نے پوچھا، " فصل کو برباد کرنے والے چوہے، خرگوش، ٹڈی اور ایسے کیڑے مکوڑوں کا کیا کیا جائے ؟ "

حضور نے فرمایا، " آپ انھیں مار سکتے ہیں ۔ جہاں دو برائیوں میں سے ایک کو چُننے کا سوال آتا ہے، وہاں بڑی برائی کو چھوڑ دینا چاہیئے ۔ اپنی حفاظت کی غرض سے سانپ، شیر، چیتے وغیرہ کا مارنا گناہ نہیں ہے ۔"

پادری نے کہا، " گوشت خوری بھی تو کبھی کبھی ضروری ہو سکتی ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " گوشت خوری انسان کو سخت دل اور جانداروں کے لئے ظالم اور بے رحم بناتی ہے ۔ یہ رحم و کرم کے احساس کو ختم کر دیتی ہے اور روحانی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے ۔"

بیرسٹر نے پوچھا ، " ہم جن جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں کیا ان کو اونچی زندگی دلانے میں ہم مدد گار نہیں ہوتے ؟"

حضور مہاراج جی ہنسے اور فرمایا، " کسی جانور کو مارنے اور اسے کھانے میں اپ کا

تعلق اس کے جسم تک ہی تو ہے ۔اس کی روح پر آپ کا کوئی اختیار نہیں ۔ترقی یا نجات روح کی ہوتی ہے نہ کہ جسم کی ۔ کیا اس روح کے مقدر کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے، جس کا جسم آپ کھا چکے ہیں ۔اس کی تقدیر تو کسی بڑی طاقت کے ہاتھ میں ہے ۔ وہی اسے جہاں بھیجنا ہو گا، بھیجے گا ۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "جب آپ گوشت خوری منع کرتے ہیں تو چمڑے کے جُوتے یا چمڑے کی دوسری اشیا کا استعمال کیوں کرنے دیتے ہیں؟"

مہاراج جی نے فرمایا، "میں نہیں سمجھتا کہ جانوروں کو چمڑے کے لالچ میں مارا جاتا ہے ۔ کم از کم ہندوستان میں تو ایسا نہیں ہوتا ۔ یہاں ان جانوروں کی کھال ہی بہت کافی ہوتی ہے، جو اپنی موت مرتے ہیں ۔ تاہم ہمیں جب اس دنیا میں رہنا ہی ہے تو کہیں تو حد بندی کرنا ہی ہو گا لیکن یہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو چمڑے کے جوتے نہیں پہنتے ۔"

پادری پروفیسر نے کہا، "بہت، بہت شکریہ، گورو جی ۔"

حضور مہاراج جی نے پادری گروہ سے فرمایا، "میں نے آپ لوگوں کو کافی دیر تک جگائے رکھا اب سونے کا وقت ہو گیا ہے ۔"

پادری پروفیسر نے کہا "ہم نے کل تک یہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کرلیا ہے ۔ اپنے سربراہ کو یہ اطلاع دینے کے لئے ہم میں سے ایک لاہور چلا جائے گا ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بہت بہتر، ہم کل صبح نو بجے ملیں گے ۔"

سنت مت کے رُوحانی عمل

دوسرے دن صبح، نو بجے، سب حضور مہاراج جی کی بیٹھک میں پہونچ گئے۔اس دن سردی بہت تھی۔حضور نے آتش دان جلانے کا حکم دیا۔آپ نے پادریوں سے پوچھا، کہ کیا وہ رات کو آرام سے تو سوئے؟ ان سب نے اچھے انتظام اور لذیذ ہندوستانی کھانے کے لئے حضور کا بے حد شکریہ ادا کیا۔ان کے لئے مہمان خانہ کے سامنے دریا کا نظارہ، اور وہاں سے نظر آنے والے ہمالیہ کی برف سے ڈھکی چوٹیوں کے نظارے، بے حد دِلکش، دلپذیر تھے۔

پادری گروہ کے سربراہ نے کہا، "یہاں کے پُرسکوت و آرام دہ ماحول سے دل کو بڑا سکون ملتا ہے۔"

اس کے بعد گُفتگُو کا آغاز ہوا۔

پادری پروفسر نے پوچھا، "اگر آپ مناسب سمجھیں تو کیا آپ ان روحانی ابھیاسوں یعنی یوگ کے طریقوں کے متعلق کچھ بتلائیں گے، جِن کو سنت مت کے پیروکار وصال خدا کے لئے اپناتے ہیں۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "میرے خیال میں اس طریق و عمل کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "میں سارا طریق آپ کو سمجھاتا ہوں، تب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ ہم کچھ پوشیدہ رکھتے ہیں یا نہیں؟"

حضور نے مزید فرمایا، "پہلی بات، جو صاف طور پر سمجھ لینا چاہیئے وہ یہ ہے کہ 'نام'

حاصل کرنے کے لئے کسی خاص رسم و رواج کی پابندی، کسی مذہبی، کتابی طریقہ کو اختیار کرنے، بڑے بڑے منتروں کا وِرد کرنے یا مذہبی کتابوں کے مطالعہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ کِسی قِسم کے رسم و رواج یا شریعت کی ضرورت نہیں۔ یہ ان سب سے مبّرا ہے۔ نام دان یا بیعت کرتے وقت متلاشیٔ حق کو یہ یاد دلایا جاتا ہے کہ یہ روحانی عمل، فقط وصال خدا کے لئے ہی کئے جانے چاہئیں نہ کہ دنیاوی آرام حاصل کرنے کے لئے۔"

بیر سٹر نے پوچھا، " حضور، کیا ان کا استعمال کئی لوگ دنیاوی خواہشات کی تکمیل کے لئے بھی کرتے ہیں؟ ان سے کون سے دنیاوی مقصد پوُرے ہو سکتے ہیں؟"

حضور نے فرمایا، " دنیا میں بہت سے لوگ دولت، طاقت، کمال (سِدھی) وغیرہ کو حاصل کرنے کے لئے کئی قِسم کے منتروں اور طریقوں کو اختیار کرتے ہیں۔ لیکن حقیقی متلاشیٔ حق کو خدا سے وصال ہی کو اپنا مقصد رکھنا چاہیئے۔ مالک نے یہ نایاب اِنسانی جسم و زندگی ہمیں فقط اسی مقصد کے لئے بخشی ہے۔"

بیر سٹر نے پوچھا، " کیا کوئی ان طریقوں سے مال و زر یا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے؟"

حضور نے فرمایا، "ہاں، ہر طرح کی دنیاوی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے آپ کو الگ طرح کے منتروں اور طریقوں کا استعمال کرنا پڑیگا۔"

بیر سٹر نے پوچھا، " کیا کوئی بھی چیز پائی جا سکتی ہے؟ خوبصورت عورت یا دولت۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں، یہ چیز مِل سکتی ہے، مگر اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ اور آپ کے اعمال کا بوجھ بہت بھاری ہو جائے گا۔ خواہشات ہی ہماری زندگی اور موت، بندش اور تکلیف کا باعث ہیں۔ ایک حقیقی متلاشی حق کو کبھی دنیاوی چیزوں کی خواہش نہیں کرنی چاہئے۔ یہ روحانی عمل میں بہت بڑی رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ اسے اپنی نگاہ انسانی زندگی کے حقیقی مقصد یعنی وصال حق پر رکھنی چاہئے۔ جو بھی اس کی قِسمت میں

ہے اسے ضرور مِلے گا۔ اسے اپنے مقدر پر شاکر رہنا چاہیئے۔ امیری اور غریبی، سُکھ اور دُکھ، عزت اور بے عزتی، بیماری اور تندرستی، جو کچھ بھی اس پر گزرنا ہے، وہ سب اس کے مقدّر میں پیدائش سے ہی لکھا ہوا ہے۔"

رائے روشن لال نے یاد دلایا کہ حضور سنت مت کے ابھیاس (عمل) کے متعلق کچھ بتانے والے تھے۔

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں، مضمون ذرا سا بدل گیا تھا۔ عامل (ابھیاسی) کو اپنے دِل سے سب خواہشات دور کر کے کسی مقام تنہائی یا شور و غل سے دور کسی کمرے میں بیٹھنا چاہئے۔ سورج نکلنے سے دو یا تین گھنٹے پہلے کے وقت کو ہندو شاستروں نے برہم مہورت، کہا ہے۔ رُوحانی عمل (ابھیاس) کے لئے بہت مناسب وقت ہے۔ ویسے تو سب وقت ہی پرماتما کا وقت ہے، کسی بھی وقت جب عامل (ابھیاسی) کو آسانی ہو اسے یاد کیا جا سکتا ہے لیکن صبح کے اس وقت کے کچھ خاص فوائد و خصوصیات ہیں، جو دوسرے کسی وقت میں میسّر نہیں ہوتے۔

صبح کے وقت ہمارا جسم اور من رات کے آرام کے بعد تروتازہ ہوتا ہے۔ پچھلے دن کے کام کاج کو ہم بھول چکے ہوتے ہیں۔ نئے دن کے کام کا بوجھ اس وقت تک دل پر حاوی نہیں ہوتا۔ بال بچے بھی اس وقت تک نہیں جاگتے، کسی ملاقاتی کے یکایک آجانے کا خدشہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ پُرسکون ماحول بندگی و ریاضت کے لئے بہت مناسب و بہتر ہوتا ہے۔ اس وقت من کی توجہ کو بآسانی اندر کی طرف لے جایا جا سکتا ہے۔ ایسے پُرسکون ماحول میں عامل (ابھیاسی) کو چاہئے کہ وہ اپنے من کو ٹھہرا کر، اپنے خیال کو تیسرے تِل یعنی نقطۂ سویدا پر یکسو کرے۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، "اب ذرا غور سے سنئے: ہمارے من اور روح کا مرکز

جسم کے اندر دونوں آنکھوں کے پیچھے ہے۔ اسے، تیسرا تِل، تیسرا نیتر، شِو نیتر، اشٹ دل کمل، یا نکتہء سویدا کہتے ہیں۔ اسی مقام سے ہمارا من اور ہماری روح جسم کے نو دروازوں سے باہر نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ جسم کے نو دروازے ہیں : دو کان، دو ناک کے سوراخ ، ایک منہ اور دو نیچے کے دروازے۔ ہمیں اپنی اس بکھری اور پھیلی ہوئی توجہ کو سب طرف سے سمیٹ کر، واپس اسی مرکز پر لانا ہے، جہاں سے وہ باہر نکلی تھی۔ من کو اس مقام پر لا کر ٹھہرانا اور مکمل طور پر ساکن کرنا ہے۔

" فقرا نے اس عمل میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے، من کی عادت کا بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ من ہر وقت دنیاوی اشیاء کا خیال کرتا رہتا ہے۔ آپ سب نے بھی دیکھا ہو گا کہ جب آپ بالکل ساکن و خاموش بیٹھے ہوں، تب بھی آپ کا من ہمیشہ اندر ہی اندر کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے، دوہراتا رہتا ہے، ورد کرتا رہتا ہے، کسی نہ کسی خیال میں برابر لگا رہتا ہے۔ یہ کبھی ٹک کر نہیں بیٹھتا۔ ہر لمحہ کسی نہ کسی شے کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے۔ فقرا یا سنت من کی اس عادت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اسے دنیاوی اشیا کے وِرد کی بجائے، خدا کی وِرد میں لگاتے ہیں۔ سنت مت اور صُوفیات کے عمل میں سب سے مقدّم و لازمی بات ہے، خدا کے نام کا وِرد یا سِمرن یہ وِرد لگاتار بغیر رُکے ہوتے رہنا چاہئے، تاکہ من کو اِدھر اُدھر بھٹکنے کا موقعہ ہی نہ مِلے۔ سِمرن کے وقت ہماری توجہ دونوں آنکھوں کے درمیان رہنی چاہئے۔ یہ عمل کبھی اور کِسی جگہ بھی چپ چاپ، خاموشی سے، کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی مشکل درپیش نہیں آتی۔ اس سلسلے میں مکمل ہدایات نام دان کے وقت دی جاتی ہیں۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب من کسی چیز کا خیال کرتا ہے تو اس شے کی شکل وشباہت بھی اس کے سامنے آجاتی ہے۔ اسے تصوّر یا دھیان، کہتے ہیں۔ سنت یا فقرا، دنیاوی چیزوں کے دھیان کی بجائے مُرشِد کامِل کا دھیان کرنے پر زور دیتے ہیں:-

اکال مُورت ہے ، سادھ سنتن کی
ٹھاہر نیکی دھیان کو (آدی گرنتھ ،صفحہ 1208)

مطلب :- سنتوں کا نوری جلوہ ، نوری چہرہ، دھیان کے لئے بہترین بنیاد ہے ۔

دھیان کے بعد انحد شبد یا نغمۂ ربی یا روحانی دُھن کو سنا جاتا ہے جسے ندائے سلطانی بھی کہتے ہیں۔مختصراً ، روحانی عمل کا یہی خُلاصہ ہے سِمرن ،پھر دھیان ، پھر دھُن (روح کو اس روحانی دُھن میں جوڑنا) سمرن کے ذریعے ہم توجہ کو باہری اشیا سے سمیٹ کر ، باطن میں تیسرے تل ، (نکتۂ سویدا) پر یکسو کرتے ہیں۔ دھیان کے ذریعے ہماری توجہ وہاں ٹھہرتی ہے اور روحانی دُھن یا ندائے سُلطانی کی مدد سے ہماری روح اُوپر کی منزلوں کی طرف چڑھتی ہے۔

پادری پروفیسر بولا،" یہ بات ٹھیک اور دلیل پر مبنی معلوم ہوتی ہے ۔"

حضور نے فرمایا،"سنت وفقرا اندھادُھند یقین کرنے کی تلقین نہیں کرتے ۔وہ ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ اس راہ پر چل کرانسان سب کچھ اپنی باطن کی آنکھ سے خود دیکھ سکتا ہے۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا،" کیا اس عمل یا ابھیاس کے لئے کوئی خاص نشست یا آسن ہوتے ہیں؟"

حضور نے فرمایا،" شبد کو سننے کے لئے ایک خاص آسن زیادہ آرام دہ اور مناسب ہے۔ لیکن نشست یا آسن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ انسان کسی بھی آسان اور آرام دہ آسن میں بیٹھ سکتا ہے۔ من کی یکسوئی اہم اور لازمی ہے ، آسن نہیں۔"

ایک پادری نے پوچھا،" میں ایک سوال پوچھ سکتا ہوں ؟ ہندوؤں کا ،پنر جنم، (بار بار جنم لینا) یا آواگون کا اصول مجھے بڑا پیچیدہ لگتا ہے۔ آدمی نیچے گر کر جانور کا جنم لے سکتا ہے اور جانور انسان کا جنم حاصل کر سکتا ہے، اسی طرح قالب بدلتا رہتا ہے۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

حضور نے فرمایا، "لیکن ہم دنیا میں ہر روز جو پیچیدہ اور عقل سے پرے کی باتیں دیکھتے ہیں ان کا واحد اور دلیل پر مبنی جواب یہی ہے۔ہم ہر روز عجیب باتیں دیکھتے ہیں جیسے ایک بچہ تو امیر گھرانے میں سونے کے پالنے میں پلتا ہے تو دوسرا ایسے گھر میں، جہاں نہ اس کے نیچے بچھانے کو چادر ہے اور نہ ڈھانپنے کے لئے کوئی کپڑا۔ کچھ لوگ پیدائش سے ہی اندھے، لنگڑے یا کم عقل ہوتے ہیں، تو کچھ مجرمانہ فطرت کے ہوتے ہیں اور کچھ بچے والدین کی بے حد غربت کی وجہ سے سڑک پر پھینک دئے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ خوبصورت شکل و شباہت اور دماغ لے کر آتے ہیں اور امیری میں پلتے ہیں۔ کہیں کہیں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ آدمی کے بچوں کی نسبت کتے اور بلی کے بچے زیادہ اچھی طرح پرورش پاتے ہیں۔"

بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ کسی غریب خاندان کا ایک ہی روٹی کمانے والا بھی دنیا سے اُٹھا لیا جاتا ہے، اس کے بال بچے یتیم و بے سہارا ہو جاتے ہیں، جب کہ دوسری طرف ایک بوڑھے آدمی کے پاس بے حد دولت ہے، جسے استعمال کرنے کے لئے اس کی کوئی اولاد ہی نہیں ہے۔ ایک ہی مکان میں ایک نوجوان اپنی خوبصورت بیوی کو بیوہ بنا کر چلا جاتا ہے، وہ زندگی بھر روتی رہتی ہے تو دوسری طرف اسی مکان میں ایک بڑھیا ہے، جسے کوئی نہیں چاہتا۔ برسوں سے موت کے دروازے پر دستک دے رہی ہے مگر موت نہیں آتی۔ وہ اس دُکھ بھری زندگی سے نجات پانے کے لئے دعا کرتی ہے مگر اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک بچہ پیدائش سے ہی کوڑھ کے موذی مرض کا شکار ہے تو دوسرا پیدائشی گونگا اور بہرہ۔"

حضور مہاراج جی نے پوچھا، "یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ ان پیچیدہ مسائل کا کیا حل ہے؟ کیا خدا من مانی کرتا ہے؟ کیا وہ ایک کے ساتھ لحاظ کرتا ہے تو دوسرے کے ساتھ بے رحمی؟ یا خدا غلطی کر بیٹھتا ہے اور بعد میں خود ہی افسوس کرتا ہے؟ صرف کرم فلسفہ یعنی اصول اعمال وافعال یا پُنر جنم کا سِدھانت یعنی بار بار پیدائش کا اصول ہی اس کا بادلیل اور تسلی

بخش جواب دیتا ہے ۔ ہماری یہ موجودہ زندگی تو اس ایک بڑی لمبی اور لاانتہا زندگی کا معمولی ساحصہ ہے، جس میں روح کوکئی قالب میں سے گزرنا پڑتا ہے اورکئی طرح کے تجربات حاصل کرنے ہوتے ہیں ۔یہ تجربات روح کی ترقی و فروغ کے لئے ضروری ہوتے ہیں ۔موت تو روح کے لباس بدلنے کا نام ہے ۔ اسے ایک نیا جسم یا قالب ملتا ہے، جس میں اسے اپنے اعمال کے مطابق وہ تجربات ملتے ہیں جو اس کی حقیقی ترقی کے لئے ضروری ہیں ۔ 1

جب انسان مرتا ہے تو وہ صرف ایک حلقہء کاروبار سے دوسرے میں بھیج دیا جاتا ہے لیکن اس کا گزشتہ اعمال نامہ ساتھ جاتا ہے ۔جہاں بھی وہ جائے گا اسے ان اعمال کا حساب بے باق کرتے رہنا ہوگا ۔ قدرت بہت سخت سرمایہ دار ہے، جو قرض آپ نے لئے ہیں ۔ ان کی ادائگی سے آپ بچ نہیں سکتے ۔دنیا کے سب مذاہب نے اس اصول کو مانا ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے ۔انسان اپنے اعمال کا پھل پاتا ہے ۔وہ اپنے اعمال کے نتائج کا خود ذِمہ دار ہوتا ہے ۔ یہی 'قانونِ اعمال' یا 'کرم کا سِدھانت ہے' اور 'پُنرجنم کا سِدھانت' اس سے جڑا ہوا ہے ۔ پُنرجنم کے بغیر یہ ادھورا رہ جاتا ہے ۔ہم سب لگاتار فعل و عمل کرتے جا رہے ہیں نیا قرض لے کر اپنے بوجھ میں اضافہ کر رہے ہیں ۔ یہ سب قرضے ادا کرنے ہوں گے، اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے ۔ہم ایک زندگی میں اعمال کے قرض میں اتنا اضافہ کر لیتے ہیں کہ اس کی ادائیگی اسی زندگی یا ایک ہی جنم میں ناممکن ہوتی ہے ۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "یہ کیوں ناممکن ہے ؟"

---

1 بدلتا ہے انسان لباسِ کہن، نیا جامہ کرتا ہے پھر زیبِ تن
اسی طرح قالب بدلتی ہے روح، نئے بھیس میں پھر نِکلتی ہے روح
گیتا منظوم - خواجہ دل محمد 2/22

حضور نے فرمایا، "فرض کیجئے کوئی شخص شکار کھیلنے کا شوقین ہے اور وہ اپنی زندگی میں سو جانوروں کی جان لیتا ہے۔ یہ بھاری قرض یقیناً تب ہی ادا ہو گا جب وہ سب جانور باری باری اس شکاری کی جان لے لیں گے۔ صرف ایک ہی بُری عادت کی وجہ سے، جمع شدہ اعمال کا حساب چُکانے کے لئے اسے سو بار پیدا ہونا پڑے گا۔ قدرت نے اپنا یہ پرانا قانون نہیں بدلا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ دینی پڑتی ہے۔ یہ قانون اب بھی سختی سے عائد ہے۔ اسلئے اعمال کا حساب بے باق کرنا ہو گا۔ اگر موت سے پہلے ادا نہ ہوا تو اسے بے باق کرنے کے لئے قرضدار کو دوبارہ پیدا ہونا ہو گا۔ صرف قالب بدلنے سے قرضدار کو معافی نہیں ملتی۔ اسکے اعمال کا سارا حساب، اس کا اعمال نامہ، سب اس کے اندر نمایاں طور پر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس اعمال نامہ کو نہ تو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے، نہ ہی تبدیل اور نہ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس میں درج پائی پائی ادا کرنی ہو گی۔ ہر اچھے کام کی جزا اور ہر بُرے کام کی سزا پانا ہو گی۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "ہمیں سزا کیوں ملتی ہے؟"

حضور نے فرمایا، "ہماری بہتری کے لئے، ہماری اصلاح کے لئے، ہمارے گناہوں کی صفائی کے لئے۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "ہمیں یاد نہیں کہ ہم نے گزشتہ زندگی میں کیا اعمال کئے اور ہمیں کس بات کی سزا دی جا رہی ہے۔ جب سزاوار کو اپنا قصور ہی یاد نہ ہو، اس سزا کا کیا فائدہ؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "سزا کا اثر ایسا ہوتا ہے کہ باطن میں اس کا نہ مٹنے والا گہرا نقش بن جاتا ہے۔ آئندہ کے جنموں میں روح ان اعمال سے ایسے ڈرتی ہے، جیسے کوئی زہریلے سانپ سے ڈرتا ہے۔ وہ شخص ان اعمال سے گریز کرتا ہے۔ اسے ان اعمال سے قدرتاً نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔"

بیرسٹر نے کہا، "یہ تو کورے اعتبار کی بات لگتی ہے۔ کیا اسے ثابت کیا جا سکتا ہے؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "ہاں، ان لوگوں کی زبانی اور تحریری شہادت سے ثابت کیا

جاسکتا ہے، جن لوگوں نے لطیف طبقات کے واقعات کو دیکھنے والی چشم باطن حاصل کر لی ہے۔"

بیرسٹر نے پھر پوچھا، " کیا یہاں کوئی ایسا مرید ہے، جو یہ چشم باطن (اندرونی آنکھ) پا چکا ہو اور ہمیں اپنا ایسا کوئی تجربہ سُنا سکے ؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "یہاں ایسے بہت سے لوگ ہیں لیکن وہ اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔"

بیرسٹر نے کہا، "اس میں ان کے مشہور ہونے کا تو کوئی سوال نہیں ہے، اس سے صرف میرے شکوک دور ہو جائیں گے اور میری تسلّی ہو جائے گی۔"

حضور مہاراج جی نے پوچھا، "وہ لوگ تو صرف اپنا تجربہ بتائیں گے اور جو کچھ دیکھا ہے کہہ دیں گے۔ لیکن اس سے آپ کو یہ تسلّی کیسے ہو گی کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں؟"

بیرسٹر بولا، "مجھے ان کی شہادت سے ہی تسلّی ہو جائے گی۔"

حضور مہاراج جی نے مسکراتے ہوئے پُوچھا، "تب آپ میرے کہنے پر کیوں نہیں اعتبار کر لیتے ؟"

اس پر سب لوگ ہنس دیئے۔

حضور نے فرمایا، " اچھی بات ہے۔ دریائی لال آپ کو ایک بی بی کے پاس لے جائیں گے جسے حال ہی میں کچھ ایسے تجربات ہوئے ہیں۔"

وہاں موجود دیگر حضرات اور خاص طور پر امریکن پادریوں نے اس عورت کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تب حضور مہاراج جی نے مجھے حکم دیا کہ جا کر بی بی رکھی کو کچھ دیر کے لئے بلا لاؤں۔

اس کے بعد بی بی رکھی نے اپنے تجربات سنائے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ بی بی رکھی کی زبان نہیں سمجھتے تھے، اس لئے میں نے ان کا انگریزی میں ترجمہ کر کے سنایا۔ اس ملاقات کے بعد ان سب کی تسلّی ہو گئی۔

بیرسٹر نے مزید پوچھا، "کیا روح کا جنت اور جہنم میں بھی کوئی جسم ہوتا ہے؟"
حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "ہاں، لیکن وہاں ایسا کثیف جسم نہیں ہوتا۔ ان کے جسم لطیف ہوتے ہیں اور اسی طرح غم و آرام کا احساس بھی کرتے ہیں۔"
بیرسٹر نے سوال کیا، "کیا موت کے بعد لطیف جسم بدل جاتا ہے؟ فرض کرو ایک آدمی موت کے بعد کُتے کے وجود میں پیدا ہوتا ہے تو کیا اس کا لطیف جسم بھی اسی کے مطابق تبدیل ہو جائے گا؟"
حضور نے جواب دیا، "لطیف وجود من سے اُٹھتی ہوئی لطیف ترنگوں اور عمل سے بنتا ہے جو آسانی سے نہیں بدلتے۔ پانی کو چاہے جس برتن میں ڈالا جائے وہ اسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح لطیف وجود ہر طرح کے مادی جسم میں ٹھیک بیٹھتا ہے۔ چاہے اس مادی جسم کا ڈھانچہ کچھ بھی ہو۔"
بیرسٹر نے پوچھا، "کیا موت کے فرشتے کبھی ست سنگیوں کو بھی دوزخ میں لے جاتے ہیں؟"
حضور مہاراج جی نے جواباً ارشاد فرمایا، "نہیں، جسے مُرشدِ کامل سے 'نام' مِل چکا ہے، موت کے فرشتے اس کے پاس آنے کی جُرأت نہیں کرتے، یہاں تک کہ ان کا مالک، ملک الموت بھی مُرشدِ کامل کے 'شبد' سے ڈرتا ہے۔ اگر غلطی سے وہ کسی ست سنگی کو لے جائیں تو مُرشدِ کامل کو اس کی رہائی کے لئے خود وہاں جانا پڑے گا نتیجہ اس کا یہ ہو گا کہ دوزخ میں سزا پا رہی سب روحوں کو رہائی مِل جائے گی اور دوزخ خالی ہو جائے گا۔ ملک الموت یہ کبھی نہیں چاہتا۔"
بیرسٹر نے سوال کیا، "آخر یہ خوفناک ملک الموت اور موت کے فرشتے بنائے ہی کیوں گئے؟"
حضور نے ارشاد فرمایا، "اگر کسی ڈاکو یا بدمعاش کو گرفتار کرنا ہے تو اس کے لئے

پولیس کی خدمات ضروری ہیں۔ قانون شکنوں کو سزا دینے کے لئے پولیس کا محکمہ اتنا ہی لازمی ہے، جتنے کے انسانی بہبودی کے لئے دِیگر محکمہ جات۔ کیا یہ دُرست نہیں؟"

ایک پادری نے کہا، "دنیا میں نیک و بد دونوں طرح کے انسان ہوتے ہیں۔ خدا کا دونوں سے واسطہ پڑتا ہے۔"

بیرسٹر بولا، "مجھے تو ایسا لگتا ہے یہ جنت و جہنم کے قصے انسانی دماغ کی ایجاد ہیں، جو کِسی شخص نے شرارتی بچوں کو خوفزدہ کر کے نیکی کی راہ پر لانے کے لئے بنائے ہیں۔"

اس بات پر سب لوگ ہنس پڑے۔

حضور مہاراج نے فرمایا، "نہیں، ایسا نہیں ہے۔ تمام مذاہب کے مُرشدانِ کامل، اور سنتوں نے اس حقیقت کا بیان کیا ہے۔ سنت و فقرائے کامل کبھی خیالی باتیں نہیں کرتے۔ وہ وہی کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔"

ایک پادری نے کہا، "جب کسی گزشتہ فقیر کامل کی کہی گئی بات کو ہر ملک و زمانہ کے فقرائے کامل صحیح بتلاتے ہیں تو وہ بات یقیناً ثابت شدہ اور پُراہمیت مان لی جانی چاہئے۔"

حضور نے مزید فرمایا، "تعجب تو اس بات پر ہے کہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کچھ بھی ان کی عقل کی پہنچ سے پرے نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسے بھی جہان اور طبقات ہیں، جو ان کی عقل کی پہنچ سے باہر ہیں۔"

اس پر مسلمان ڈاکٹر نے اپنا خیال ظاہر کیا، "انسان کی اس محدُود عقل نے ہی ایک قرآن شریف کے ماننے والوں کو بہتّر (72) فرقوں میں تقسیم کر دیا اور عیسےٰ مسیح کے پیرو کاروں کے کئی فرقے بنا دئے۔"

پادریوں میں سے ایک نے حضور کو یاد دلایا کہ وہ 'پُنرجنم' کے متعلق کچھ فرما رہے تھے۔

حضور مہاراج نے فرمایا، "ہاں، آپ جاننا چاہتے تھے کہ انسان کی نچلی اور اونچی زندگیوں

میں پیدائش کیوں ہوتی ہے۔ قدرت کوئی بھی کام بغیر مطلب یعنی بے وجہ نہیں کرتی۔ جب وہ دیکھتی ہے کہ ایک آدمی پر شکار اور جانداروں کو قتل کرنے کا بھُوت سوار ہے تو وہ اسے فوراً وہ قالب دے دیتی ہے۔ جیسے شیر اور چیتے کا۔ جس میں وہ باآسانی اپنی اس بھُوک کو جی بھر کر مٹا سکے۔ اگر انسان میں حیوانی فطرتیں ہیں اور وہ نایاب انسانی زندگی کی کوئی قدر نہیں کرتا اور حیوانوں کی طرح کام کرتا ہے تو قدرت اسے اِن نچلی زندگیوں میں کیوں نہ بھیجے گی جن کے لائق اس کا کردار ہے؟ اس زندگی میں اس کے تجربات اس کی ترقی میں مددگار ہوں گے۔ آپ نے ایسے کتّے بلیوں یا دوسرے جانوروں کو دیکھا ہو گا جن کا سلُوک کئی آدمیوں کے سلُوک سے بدرجہ بہتر ہوتا ہے۔ کیا ایسی قابل روحوں کو خدا انسانی زندگی دینے کی رحمت نہیں کرے گا؟ قدرت جو سبق دینا چاہتی تھی اسے وہ بخوبی جان گئے ہیں کہ انسانی زندگی میں آکر ایسا سخت اور درندہ پن کا سلُوک نادرست ہے۔ دراصل یہ باتیں تجربہ سے محسوس اور معلوم کی جانے والی ہیں صرف عقل اور دلیل کے ذریعے ان کو نہیں جانا جا سکتا ہے۔"

پادری پروفیسر نے اعتراف کیا "یہ بات درست ہے۔"

بیرسٹر نے کہا، "اگر ہماری سب بیماریاں، مصیبتیں اور تکلیفیں ہمارے گزشتہ اعمال کے باعث ہی ہیں تو ہماری طرف سے ان کو رفع کرنے کے لئے کوئی کوشش کرنے یا طریقہ سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر یہ پچھلے کرموں کے باعث ہیں تو بھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان سے نجات پانے کی کوشش ہی نہ کریں۔ ان میں سے کچھ تو ہماری موجودہ زندگی کی کسی غلطی یا کسی فعل کے باعث ہو سکتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کو باآسانی رفع بھی کیا جا سکے۔ اگر ہم اپنی تکلیف اور مصیبت کو دُور کرنے کی کچھ کوشش کرتے ہیں تو ہمارے دِل کو کچھ سکون ملتا ہے اور ہم ان کو صبر سے برداشت کر لیتے ہیں۔"

پادری پروفیسر نے کہا، "گوروجی، ہم نے آپ کا بہت وقت لیا ہے اور آپ نے بہت اطمینان سے ہمارے سوالات کے جواب دیئے ہیں۔ کیا میں صرف ایک اور سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

حضور نے فرمایا، "ہاں بڑی خوشی سے، یہ تو میرا فرض ہے۔ ایک سچے متلاشیِ حق کے سوالات کے جواب دینے میں مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

تب پادری نے پوچھا، "حضور، کیا آپ 'ویدانت' پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟ یہ 'یوگ' اور 'سنت مت' سے کس قدر مختلف ہے؟

حضور نے فرمایا، "ہندوستانی فلسفہ کے چھ حصے ہیں۔ انھیں 'شٹ درشن' (چھ فلسفہ) کہا جاتا ہے اور ویدانت ان میں سے ایک ہے۔ 'یوگ' بھی 'شٹ درشنوں' میں سے ایک ہے۔ لیکن یہ 'ویدانت' سے بالکل مختلف ہے۔ ان 'شٹ درشنوں' میں کسی کو بھی 'سنت مت' کی خبر نہیں۔ 'سنت مت' کی پہنچ ان سب سے اُوپر ہے۔ 'سنت مت' ان سے کہیں آگے نکل جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ویدانت شاستر رشی ویدویاس کا تصنیف کردہ ہے۔ لیکن بعد میں شنکر آچاریہ (788-828) نے 'ویدانت' میں 'ادوایت واد' کی بنیاد رکھی، جس کے مطابق خدا ہی واحد حقیقت ہے اور باقی سب کچھ غیر حقیقی اور فانی اور خیالی (مایا) ہے۔"

"یہ رامانج آچاریہ (1017-1137) کے 'دویت واد' سے مختلف ہے، جو خدا اور اس کے اوصاف کی موجودگی میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ 'دویت واد' خدا کے اوصاف کو بھی حقیقی اور دائمی مانتا ہے (جو برہم کے زیرِ حکم ہے) 'دویت وادی' اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا اور روح علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جب کہ 'ادوایت وادی' انھیں ایک ہی مانتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ سوائے پرماتما یا اللہ کے اور کوئی ہے ہی نہیں: 'ایکو برہم۔ دوتیئے ناستی۔ 'فقط ایک برہم ہی ہے، دوسرا کوئی بھی نہیں۔ چاروں طرف جو کچھ بھی دکھائی دیتا ہے، وہ صرف مایا ہے، خیالی ہے، وہم ہے، خواب ہے، اور مایا لاعلمی کی پیداوار ہے۔ یہ شمعِ حق کو اسی طرح ڈھک دیتی ہے، جس طرح کہ سیاہ

دُھواں آگ میں سے نکلتا ہے لیکن آگ کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے۔

مہاراج جی نے مزید فرمایا، "ہماری روح پردوں یا غلافوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد روح پر سے یہ غلاف دور کر کے اسے مالکِ کُل سے وصال کرانا ہے۔ فرق صرف ان طریقوں میں ہے، جو مختلف عقائد کے فرقے لاعلمی کے ان غلافوں کو ہٹانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ' ویدانت " گیان مارگ 'یعنی عقل ودلیل کی راہ کواپناتا ہے۔ لیکن خدا تو چاہتا ہے کہ ہم بحث مباحثہ کی راہ چھوڑ کر پر جوش محبت اور پرستش کے پروں کے سہارے اس کی طرف اڑان بھریں۔ عقل تو ہمیں فقط دنیاوی کاروبار کے لئے دِی گئی تھی اس لا محدُود کو سمجھنے میں بہت محدُود اور کمزور ہے۔

" ویدانتی " نیتی، نیتی" کا مارگ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور خود کو جسم، من، پران وغیرہ سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دلیل کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہونچنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ جسم نہیں ہے، نہ ہی جسم کو چلانے والا پران ہے اور نہ پرانوں کو حرکت دینے والا من ہے۔ وہ روح ہے، جو جسم، پران اور من کو زندگی اور چُستی دینے والی حقیقی طاقت ہے۔ یہ طاقت ہی پرم آتما ہے، روح عظیم ہے برہم ہے۔ تمام کائنات کا خالق ہے۔ ویدانتی کہتے ہیں کہ روح کی الگ ہستی فریب ہے، جھُوٹ ہے۔ میں ہی دنیا اور دنیا کا خالق ہوں، میں ہی 'طاقت بیدار' (چیتن شکتی) کا وسیع سمندر ہوں اور یہ دنیا اس کی لہریں، جوار بھاٹا اور جھاگ ہے۔ انسان لاعلمی سے "پیدا شدہ اس فریب کے باعث ہی، خود برہم ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ حقیر و غلام سمجھتا ہے۔"

"یہ سب کہنا تو آسان ہے مگر صرف بال کی کھال اتارنے والی دلیلوں کے ذریعہ اعتقاد کرنا مشکل ہے۔ اس لئے بعد کے آچاریوں نے اپنے مقصد کو پانے کے لئے پاتنجلی یوگ (پرانایام) کا سہارا لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شری مادھو آچاریہ اور گیانیشور نے یہ اعلان کیا کہ

صرف ''بھگتی مارگ' ہی نجات دلا سکتا ہے۔''

نوجوان بیرسٹر نے کہا، ''اپنے آپ کو برہم کہنے کا خیال مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ عابد کی بجائے معبود یعنی بھگت کی بجائے بھگوان کیوں نہ بنا جائے؟ بیٹے کی بجائے باپ ہونا ہمیشہ بہتر ہے۔''

حضور مہاراج جی مسکرائے اور فرمایا، ''یہ 'گیان مارگ' بہت دُشوار اور خطرناک ہے۔ گوسوامی تُلسی داس فرماتے ہیں، گیان پنتھ کرپان کی دھارا یعنی گیان کے مارگ پر چلنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے کروڑوں میں سے کوئی ایک ہی گیان مارگ سے اپنا مقصد حاصل کر پاتا ہے۔ یہ مارگ ہر ایک کے لئے نہیں ہے۔ ویاس، وشِشٹ اور شنکر آچاریہ جیسے کوئی، بدھ پُرش، ہی کامیاب ہوں تو ہوں۔''

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، ''کیا روح خدا کی اولاد نہیں؟ کیا وہ قدرے محدود شکل میں خود خدا ہی نہیں؟''

حضور نے ارشاد فرمایا، ''ہاں، بلاشبہ وہ مالکِ کُل کا ایک جزُ ہے۔ اسی شاہی خاندان کا شاہزادہ ہے مگر یہ آزاد نہیں، زنجیروں میں جکڑا ہوا قیدی ہے جسے ہمیشہ نفس اور خواہشات کے اشاروں پر ناچنا پڑتا ہے۔ کیا خدا کا بندشوں میں جکڑا بے بس بیٹا (ہماری روح) دنیاوی لالچ کا سامنا کر سکتا ہے یا نفسانی خواہشات کے حملوں کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ہم کِس طرح نفس اور خواہشات کے ہاتھوں کا کھلونہ بن جاتے ہیں۔ خواہ ہم اپنی کمزوریوں اور گُناہوں کا اعتراف نہ کریں۔ لیکن ہم اپنے دِل میں جانتے ہیں کہ کِس طرح ہم معمولی سے لالچ کے سامنے پھسل جاتے ہیں۔ پھر ہم اپنے آپ کو خدا یا اس کا بیٹا کہنے کی ہمت کیسے کر سکتے ہیں؟ ہاں، کبھی آپ شہنشاہ رہے ہوں گے لیکن آج تو وہ شہنشاہ دُشمنوں کی فوج (ہوّس غصہ وغیرہ) کے ہاتھوں قید ہے۔ دُشمنوں کی قید میں پڑے ہوئے اپنے عہدِ ماضی کی شان و

شوکت کے قصیدے گانا کون سی عقلمندی ہے ۔ یہ تو دشمنوں سے اپنا مذاق کرانا ہے ۔ "

بیرسٹر نے پوچھا ، " حضور ہم حرص و ہوس اور طمع کا مقابلہ کیوں نہیں کر سکتے ؟ "

حضور نے فرمایا، " کیونکہ ہماری روح اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ وہ نفس سے مقابلہ کی تمام طاقت زائل کر چکی ہے ۔ جب تک ہم ایک ایک کر کے اس کی سب زنجیریں کاٹ نہیں دیتے، اسے قیدخانہ کی بند کوٹھڑی سے نکال کر باہر کھلی ہوا میں نہیں لے آتے، مناسب قسم کے بکتر بند، اسلحہ سے مسلح نہیں کرتے اور اسے کسی ماہر جنگ کی خدمت میں علم حاصل کرنے کے لئے نہیں بھیجتے، تب تک یہ اپنی کھوئی ہوئی شان و شوکت کو کیسے حاصل کر سکتی ہے ۔ "

بیرسٹر نے کہا، " تب ہمارا سوہنگ ، سوہنگ پکارنا بالکل بیکار ہے ۔ "

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا ، " سوہنگ کا مطلب ہے ، میں وہی ہوں ۔ لیکن اس سے مراد وہ روح نہیں ، جو یہاں جسم میں قید و بند ہے اور نفس کے قابو میں ہے ۔ سوہنگ تو رُوحانی چڑھائی میں ایک خاص مقام ہے ۔ یہ سوہنگ ، ان لوگوں کا زبانی جمع خرچ والا سوہنگ نہیں جو خود ادھورے اور زنجیروں میں بڑی طرح جکڑے ہوئے بھی اپنے آپ کو برہم پکارتے ہیں ۔ "

" میں اس کی ذرا اور تشریح کرتا ہوں ۔ اس وقت اول تو ہماری روح کثیف (ستھول) لطیف (سوکشم) اور لطیف اللطیف (کارن) جسموں کے تین فصیل والے قلعہ میں قید ہے ۔ اس کے بعد اسے من ، مایا ، تین گُن ، پانچ تتو (عناصر) پچیس پر کرتیوں نے بڑی بُری طرح اپنی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے ۔ ہوس پرستی ، غصہ ، طمع ، لگاؤ ، غرور اور خواہشات نے اسے غلام بنا رکھا ہے ۔ انسان جب تک مُرشدِ کامل کی راہ نمائی میں اپنی روح کو نو دروازوں سے سمیٹ نہیں لیتا ، روح پر چڑھے تینوں غلاف اتار نہیں پھینکتا ، بھاری زنجیروں کو کاٹ نہیں دیتا ، من اور مایا کو شکست نہیں دیتا ، اور مقامِ حق کے اوپر والے رُوحانی طبقوں اور منزلوں میں پہنچ

کر حق (ست پُرش) سے ہم آہنگ ہو کر اپنی ایکتا کی پہچان کر کے خوشی سے پُکار نہیں اٹھتا، 'سوہنگ' یعنی میں وہی ہوں، تب تک اس کا، سوہنگ، سوہنگ، رٹتے رہنا اس بہروپیئے کی مانند ہے، جو بادشاہ کا بھیس بدلتا ہے۔ جب انسان ان اونچی روحانی منزلوں میں پہنچتا ہے، جہاں پہنچ کر وہ محسوس کر لیتا ہے کہ وہ اور خدا ایک ہی ہیں، گو ایک سمندر اور دوسرا اس کا ایک قطرہ ہے، تب اس کا 'سوہنگ' کہنا واجب ہے، اس سے پہلے نہیں۔"

بیرسٹر بولا، " بالکل درست ہے، حضور، میں بے کار ہی خدا بننے چلا تھا۔ میں اپنے اس دعوے' کو ترک کرتا ہوں۔

حضور نے فرمایا، " ایک قابل وکیل کی طرح آپ جانتے ہیں کہ کہاں اور کب شکست مان لینا چاہئے۔"

اس پر سب لوگ زور سے ہنس دیئے۔

" اگر مزدوری کرنے والا ایک غریب قلی، لندن کی سڑکوں پر اپنے آپ کو انگریزوں کا بادشاہ پکارنے لگے تو اسے فوراً ہی پاگل خانہ بھیج دیا جائے گا۔"

بیرسٹر نے کہا، " ہمارا من ہم سے عجیب عجیب باتیں کروا لیتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " ہمیں کسی مُرشدِ کامِل سے بیعت ہو کر (نام لے کر) روح کو ڈھکے رکھنے والے غلافوں کو ہٹا دینا چاہئے۔ تب روح کی اپنی روشنی ظاہر ہو گی اور وہ اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے لگے گی۔ صرف یہ دعوے کرنے سے کہ ہم خدا ہیں، ہم خدا نہیں بن جاتے۔ ہمیں اپنی کھوئی ہوئی خدائی کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے مناسب طریق اپنانا چاہئے۔"

بیرسٹر نے کہا، " ویدوں کے مطابق تو برہم سے اُوپر کچھ نہیں ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " وید صرف تین گنوں (اوصاف) ست، رج، تم یعنی

عناصر کے اوصاف و خاصیتوں کی ہی بات کرتے ہیں، جن کا کام دنیا کی پیدائش، پرورش اور فنا کرنا ہے۔ وید اس قادر مطلق کے متعلق کچھ نہیں کہتے جو 'برہم' کو بھی نور اور طاقت عطا کر رہا ہے۔ بھگوان شری کرشن گیتا (ادھیائے 2 شلوک 45) میں ارجن سے کہتے ہیں کہ وید صرف (تین گُنوں) اوصاف کے مضمون کا بیان کرتے ہیں۔ اگر تو حقیقت کو جاننا چاہتا ہے تو ان تینوں سے اُوپر اٹھ 1۔

بیرسٹر نے کہا، "ویدانت تو کافی مُشکل معلوم ہوتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ویدانت کے شاستروں کے مطابق ویدانت کا مطالعہ کرنے کا حقدار وہی ہوتا ہے، جو نو شرائط پُوری کرتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ویدانت کا مطالعہ چند لوگ ہی کر سکتے ہیں۔

ویدانت کا مطالعہ کرنے کے حقدار میں مندرجہ ذیل اوَصاف (گُن) ہونے چاہئے۔

1- وِویک یعنی عقلِ سلیم، صاف صاف، سوچنے، پرکھنے اور احساس کرنے کی طاقت۔ جس سے حق، لا انتہا اور لافانی کا علم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ غیر حقیقی فانی اور جھُوٹ کیا ہے۔ اسے علم ہونا چاہئے کہ روح ہی حقیقت ہے، باقی سب فریب و جھُوٹ ہے۔

2- ویراگ، (لاتعلقی) دنیا اور اس کی چیزوں سے لاتعلق ہونا۔ بیوی، بچے، مال و زر سے بے رُخ ہونا اور یہ ماننا کہ یہ سب جھُوٹ، فریب اور فانی ہیں۔

3- شٹ سمپتی- چھ قِسم کے اچھے اوصاف۔

---

1 ہیں ویدوں میں لکھے ہونے تین گُن تو بالا ہو ان سے نہ رکھ ان کی دھُن
رکھ اضداد کا اور نہ حاصل کا غم ہو محو آتما میں صداقت پہ جم
(گیتا منظوم- خواجہ دِل محمد 2-45)

(ا) شم - من کا متوازن اور مزاج کا پُرسکون ہونا، دِل میں ٹکاؤ (من پوری طرح قابو میں ہونا)۔

(ب) دم - حواس پر قابو رہنا۔

(ج) اپرتی - دنیا کے کاموں سے بے رُخی، کاموں میں لاتعلقی کا احساس ہونا، رسم و رواج کے زیر اثر عبادت سے آزاد ہو جانا۔

(د) تتکشا - برداشت کرنے کی طاقت، مصیبتوں کو صبر سے برداشت کرنا۔

(ہ) شردھا - مُرشد کے احکام پر پکا یقین - پُختہ یقین۔

(و) سمادھان - من کی بیداری و یکسوئی۔

4 - ممکشا:- مکتی، نجات یعنی خدا سے وصال کی زبردست طلب و تمنا۔

جس کا ان اوصاف پر مکمل اختیار ہے، وہی شخص ویدانت کے مطالعہ کا حقدار مانا گیا ہے۔اب بتلایئے، یہاں موجود ہم میں سے کس کے اندر یہ سب اوصاف ہیں؟ مان لیجئے، اگر بہت تیز فہم کچھ گنے چنے لوگ ویدانت کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا بھی لیتے ہیں، تو اتنی وسیع دنیا میں رہنے والے باقی کروڑوں، اربوں لوگوں کا کیا ہوگا؟ کیا وہ خدا کی رحمت کے حقدار نہیں؟ مالک سے ملنے کا راستہ تو ایسا ہونا چاہیئے جس پر ہر انسان با آسانی چل سکے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ، عقلمند ہو یا بے عقل۔ صرف، بھگتی مارگ، ہی ایسا مارگ ہے، جس پر چھ سال کا بچہ بھی چل سکتا ہے۔

پادری پروفیسر نے کہا، "یہ بالکل صحیح ہے۔"

بیرسٹر بولا، "مہاراج جی، ہم تو اپنے آپ کو بادشاہ سمجھے بیٹھے تھے۔ آپ نے ہمیں اس بادشاہت کی گدی سے اتار دیا۔"

حضور نے فرمایا، "نہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ حقیقت میں سچے بادشاہ بنیں، صرف

فرضی یا خیالی ہی نہیں۔ آپ زبانی جمع خرچ کرنے والوں کی طرح صرف کہنے کے لئے ہی لا انتہا، لافانی، علیم و بصیر، حاضر و ناضر، قادر مطلق، سلیم العقل، قائم و دائم نارسا، دل و دماغ کے دائرے سے اُوپر رہنے والی روح نہ بنو بلکہ ایک سچے بادشاہ بنو۔ آپ کہتے تو یہ ہیں کہ خدا عقل اور سمجھ سے پرے ہے لیکن پھر بھی اسے سمجھنا عقل اور فہم ہی سے چاہتے ہیں۔"

بیرسٹر نے پوچھا "حضور، کیا ویدانتوں کا یہ کہنا درست ہے کہ اس دنیا کا کوئی وجود ہی نہیں، نہ کبھی تھا، نہ ہے اور نہ کبھی ہو گا؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں، یہ سوامی شنکر آچاریہ کے گورو گوپد آچاریہ کا لکھا ہوا اجاتی واد (سنسار کا انادی واد) ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس دنیا کا تینوں زمان (وقتوں) ماضی حال اور مستقبل میں وجود نہیں ہے۔ یوگ وشِشٹھ، جو ویدانت پر ایک مانا ہوا گرنتھ ہے۔ 'درِشٹی سرِشٹی واد' کو اس طرح واضح کرتا ہے کہ آپ کا درشٹی ڈالنا ہی سرشٹی کو پیدا کر دیتا ہے۔ درشٹی کا مطلب ہے دیکھنا اور سرشٹی کا مطلب ہے، کائنات یا دنیا۔ یعنی آپ اسے دیکھتے ہیں، اس لئے دنیا ہے۔"

بیرسٹر نے اعتراف کیا، "یہ تو میری سمجھ سے باہر ہے۔"

حضور نے فرمایا، "بہت کم لوگ اسے سمجھ پائیں گے۔ اسی لئے میں نے کہا تھا کہ یہ 'مارگ' راستہ سب کے لئے نہیں ہے اور نادان لوگوں کے ہاتھوں میں تو ایسا ہے، جیسے کسی بچے کے ہاتھ میں تیز چاقو۔"

بیرسٹر بولا، "لیکن یہ کہنے میں تو بڑا لُطف آتا ہے کہ میں خدا ہوں، سب کا مالک ہوں۔"

حضور نے فرمایا، "لُطف کہنے میں نہیں، بننے میں ہے۔"

رائے روشن لال نے پُوچھا، "کیا ایک ویدانتی کا مغرور، ضدی اور پُر تکبّر ہو جانا ممکن نہیں۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بہت کم لوگ ویدانت کا صحیح مطلب سمجھتے ہیں۔ نادان اور ناتجربہ کار لوگوں کے ہاتھوں میں یہ ضرور نقصان دہ ہو گا۔ عبادت تو عقیدت انکساری اور عاجزی کا راستہ ہے۔ خدا کو یہ اوصاف بے حد پسند ہیں۔ یہ کبھی کسی کو نقصان نہیں پہونچاتے۔ اس کے علاوہ یہ رُوحانی سفر کو بھی جلد طے کراتے ہیں۔ مالک کے ابرِ کرم کے چند قطرے ہی ہزاروں گناہوں کو دھو ڈالتے ہیں، نفس کو پاکیزہ کر دیتے ہیں۔ یہ کام ہزاروں دماغی کسرتوں یا مذہبی کتابوں کے مطالعے سے نہیں ہو سکتا۔"

رائے روشن لال نے کہا، "ویدانت کا مقصد تو جیو اور برہم کی ایکتا ثابت کرنا تھا۔ پرانے ویدانتیوں نے رُوحانی ابھیاسوں کا سہارا لیا اور وہ روح کی تلاش کرتے ہوئے خدا تک پہنچ گئے۔"

ایک پادری بولا، "ابھی تک تو مجھے اپنا مذہب ہی سب سے اچھا لگا ہے۔"

رائے روشن لال نے کہا، "جہاں تک حقیقت و اصلیت کا سوال ہے، وہ تو ہر مذہب کی تہہ میں ملے گی۔"

اس پر اس پادری نے کہا، "مجھے عیسیٰ مسیح سے اتنی محبت ہے کہ میں اپنا مذہب تبدیل کرنا نہیں چاہتا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "کسی کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں مگر آپ کو عیسیٰ مسیح کو اپنے اندر دیکھنے کی ضرور کوشش کرنی چاہئے۔ ان کی تمام زندگی عبادت محبت اور خدمت میں گزری۔ پیروی کے لئے ان سے بہتر مثال مشکل ہی ملے گی۔ ان کے لئے آپ کی محبت ایسی ہونی چاہیے، جو آپ کو اپنے اندر ان کو تلاش کرنے میں جوش دلائے۔ ان کا قول ہے کہ تلاش کرو تو تم پاؤ گے۔"

پادری نے پوچھا، "کیا ہم انھیں دیکھ سکیں گے، ان سے بات کر سکیں گے؟"

حضور نے ان کو یقین دلایا، "ہاں، آپ ان سے اسی طرح بات کر سکتے ہیں جس طرح مجھ سے کر رہے ہیں۔"

بیرسٹر نے کہا، "لیکن ان کو گزرے تو بہت عرصہ ہو چکا ہے۔"

حضور نے فرمایا، "مسیح کبھی نہیں مرتے۔ لیکن آپ کو ان کا دیدار کرنے کے لئے پہلے ایک مجسم مسیح، زندہ مُرشِد کو دیکھنا ہو گا۔"

ایک پادری نے پوچھا، "عیسےٰ مسیح بائیبل کی شکل میں جو پیغام و تعلیم ہمیں دے گئے ہیں، کیا ہم ان پر عمل کر کے، ان کے دیدار نہیں کر سکتے؟"

حضور مہاراج جی نے جواب میں ارشاد فرمایا، "اس کے لیئے ہمیں حقیقت پسند ہونا چاہیئے اور عملی ڈھنگ سے سوچنا چاہیئے۔"

"خدا کی بادشاہت ہمارے اندر ہے اور اسی طرح عیسےٰ مسیح بھی ہمارے اندر ہیں۔ کیا کوئی بھی کتاب ہمیں اندر جانے کا طریقہ سکھا سکتی ہے؟ عیسےٰ مسیح اور ان کے مُریدوں نے اندر جانے کے لئے جن روحانی عملوں کو اختیار کیا، کیا بائیبل ان کو بیان کرتی ہے؟ 'یوگ ابھیاس' کے متعلق کئی بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن ان میں سب سے پہلے یہ آگاہ کیا گیا ہے کہ کسی زندہ مُرشِد کی ذاتی نگرانی و راہنمائی کے بغیر یوگ کے عمل کو کبھی بھی شروع نہیں کرنا چاہیئے۔"

رائے روشن لال بولے، "ہم اپنی بیماری کے علاج کے لئے ایک زندہ ڈاکٹر کی بجائے کسی گزرے ہوئے ڈاکٹر کے نسخوں کو تو نہیں پڑھتے رہتے۔ لوگ روح کی نسبت جسم کی حفاظت بہتر طور پر کر لیتے ہیں۔"

حضور نے مزید فرمایا، "خدا کا قانون یہ ہے کہ سچے متلاشیان حق کی مدد اور راہنمائی کے لئے اس کے بیٹے یعنی سنت مُرشد ان کامل دنیا میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔"

بیرسٹر نے کہا، "ہم شاید یہ سوچتے ہیں کہ خدا کی، اس دنیا میں اپنے پیامبر اور مسیحا بھیجنے کی طاقت اب ختم ہو چکی ہے ۔"

حضور نے مزید فرمایا، " نہیں، یہ دنیا کامل فقیروں، سنتوں سے کبھی خالی نہیں رہی ۔"

بیرسٹر بولا، " شاید لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم مان لیں کیونکہ ہمارے دادا اپنی زندگی میں ایک عورت سے ملے اور اس سے شادی کر لی تھی ۔ اس لئے ہمیں اپنے لئے بیوی کی تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیا عجیب دلیل ہے !"

اس بات پر سب لوگ ہنس پڑے۔

حضور مہاراج جی نے اس پادری کی طرف، جس نے کہا تھا کہ وہ عیسےٰ مسیح سے اتنی محبت کرتا ہے کہ وہ انھیں چھوڑ نہیں سکتا، دیکھتے ہوئے فرمایا، " ہمیشہ یہ یاد رکھئے کہ کسی زندہ مُرشدِ کامِل کی راہ نمائی میں رُوحانی عمل کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شخص اپنے مذہب کے تئیں پیار و عقیدت کو چھوڑ دے ۔ جب اس کی روح شبد (جسے بائیبل میں خدا کہا گیا ہے) کے ساتھ جڑُے گی، تب اس کی محبت میں اور اضافہ ہو گا۔ اور تب وہ کہیں اور بہتر عیسائی بن جائے گا۔ آج بھی وہ (شبد) خدا ہے اور جس کی روح اس سے جُڑ جاتی ہے ۔ وہ شخص مبارک ہے۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "حضور ۔ کرائسٹ (مسیح) لفظ کا کیا مطلب ہے؟ میرے خیال میں یہ ان کا نام تو نہ تھا۔"

حضور نے فرمایا، " یقیناً تو مجھے معلوم نہیں، شاید اس کا مطلب محافظ و نجات دہندہ ہے۔ یہ پادری صاحب آپ کو بتا سکیں گے ۔ لیکن فرض کیجئے کہ آپ خواب میں یا عالمِ بیداری میں یا خیال میں ایک صورت دیکھتے ہیں، جو اپنے آپ کو کرائسٹ بتاتی ہے اور محبت یا عقیدت سے اس کا حکم ماننے لگتے ہیں اور اس کے مطابق کام کرنے لگتے ہیں۔ کبھی، کبھی

وہ پیشنگوئی بھی کرتی ہے جو سچ نکلتی ہے اور اس طرح آپ کا اعتقاد اس پر پختہ ہوتا جاتا ہے ۔ لیکن آخر میں آپ کو پتہ چلتا ہے کہ آپ شیطان کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔ لطیف طبقات میں ایسی طاقتوں کی کوئی کمی نہیں۔ آپ یہ فیصلہ کیسے کرسکیں گے کہ سچ مچ آپ کو کرائسٹ مِل گئے ہیں ؟ آپ نے تو کرائسٹ کو کبھی دیکھا نہیں ۔ آپ کے اندرونی سفر میں ایسی کئی طاقتیں قدم قدم پر آپ کو گُمراہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"

بیرسٹر بولا،" شاید کرائسٹ کی تصویریں بھی اصلی نہیں ہیں۔"

حضور نے فرمایا،" یہ طاقتیں، تو مُجسّم مُرشد کے بارے میں بھی دھوکا دینے کی کوشش کرتی ہے ۔ مجھے ایک دفعہ ٹانگ ٹوٹنے کے باعث ہسپتال جانا پڑا ۔ ڈاکٹروں اور میرے افسران نے شراب وشوربہ لینے کے لئے مجھ پر بہت دباؤ ڈالا ۔ انھوں نے کہا کہ میں تحریراً اپنے مُرشد سے ان کے استعمال کے لئے اجازت مانگ لوں ۔ میرے مُرشدِ انور نے جواب دیا کہ ان کی ہدایات ہمیشہ کے لئے ایک ہی ہیں ۔ اور ان اصولوں کی تعمیل میں کسی طرح کی رعایت نہیں دِی جا سکتی ۔ کچھ عرصہ بعد، جب میں بہت تکلیف میں تھا تو شیطان (کال) میرے مُرشد کی شکل بنا کر میرے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ ضرورت پڑنے پر اپنی تندرستی وصحت کے لئے ان چیزوں کا بطور دوا استعمال کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہے ۔ اندر اور باہر کے ان الگ الگ جوابات کو سُن کر میں اُلجھن میں پڑ گیا ۔ جب میں نے اس بھیس بدلے ہوئے مُرشد کی آنکھوں اور ماتھے کی طرف غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دھوکہ باز ہے ۔ اور جیسے ہی میں نے پانچ ناموں کا وِرد کِیا ، وہ فوراً غائب ہو گیا۔"

پادری پروفیسر نے پوچھا، " کیا عیسٰے مسیح نے بھی ، اسی مارگ ، پر چل کر ابھیاس کِیا اور اس کی تعلیم دی ہے ؟ "

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "بائیبل میں کئی جگہ اس بات کے صاف اشارے ہیں ۔"

ایک دوسرے پادری نے پوچھا، "کیا مسیح کی روح اُوپر سے آ کر ہماری مدد نہیں کر سکتی؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں یہ اصول کے خلاف ہے؟ ان کی زندگی کے دوران جو لوگ ان کے تعلق میں آئے، ان سب کو انھوں نے عیسے مسیح (اپنے جیسا) بنا لیا لیکن آج عیسےٰ مسیح کی روح نچلے طبقات میں کام نہیں کر سکتی۔ جب تک وہ جسم میں رہے۔ انھوں نے اپنا کام کیا اور واپس شبد یعنی خدا میں، جہاں سے وہ آئے تھے جا کر مل گئے۔ اگر عیسےٰ مسیح کی حاضر و ناظر (ہر جگہ سمائی) روح، یعنی شبد (ورڈ) جو خدا کے ساتھ تھا اور خود خدا تھا، سیدھا اوپر سے ہی لوگوں کی امداد کر سکتا تو پھر عیسے مسیح کو جسم میں، اس دنیا میں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر عیسےٰ مسیح کو جسم میں آنے کی ضرورت تب تھی تو وہی ضرورت اب بھی ہے۔"

پادری پروفیسر نے کہا، "یہ تو واجب و مناسب معلوم ہوتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، "عیسےٰ مسیح کی رُوح بھی جب تک انسانی شکل اختیار نہیں کرتی، انسان کی راہ نمائی نہیں کر سکتی۔ انسان کے سامنے ظاہر ہونے، اس سے بولنے اور سمجھانے کے لئے خدا کو انسانی جسم اِختیار کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ وہ خالقِ کائنات، جو غیب ہے اور احساسات سے پرے ہے، ہمیشہ انسان کے ساتھ رہا ہے۔ لیکن کیا انسان اس سے کچھ سیکھ سکا؟ تخلیق کائنات کے بعد مالک نے کس طرح انسان کو خود سے باخبر کرایا؟ انسان کو کیونکر یہ علم ہوا کہ سب کا خالق وہ مالکِ کُل ہے اور اس کا وجُود بھی ہے؟ انسانی عقل و دلیل نے اس وہم اور اُلجھن کو اور بھی پیچیدہ کر دیا، دیگر کئی شکُوک و سوالات پیدا کر دیئے، بے بنیاد اندازوں نے معاملہ اور بگاڑ دیا۔ یہ علم فقط انسان ہی دے سکتا تھا۔ ہم خدا اور فرشتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ دوسرے جاندار خود بے سمجھ ہیں۔ اس لئے

خدا کو خود انسانی جامہ میں ظاہر ہونا پڑا۔ اسے ہمیں دوسرے جہانوں کی باتیں بتانے اور اپنے خالق سے وصل کے متعلق راہ نمائی کرنے کے لئے ہمیشہ انسانی جامہ میں آنا پڑتا ہے۔ خدا کے انسانی جامہ میں ظہور کے بغیر نہ تو ہم اسے سُن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے اور نہ ہی جان سکتے ہیں۔ صرف انسان ہی انسان کو تعلیم دے سکتا ہے۔ اس لئے خدا کو جب کبھی وہ ہمیں اپنا علم عطا فرمانا چاہتا ہے، انسان بننا ہی پڑتا ہے۔"

پادری پروفیسر نے کہا، "عیسٰے مسیح نے کہا ہے کہ میں اور میرا خدا (میرا باپ) ایک ہے۔"

حضور نے فرمایا، "جو شخص مُرشدِ کامل کی راہ نمائی میں اپنے اندر خدائی اوصاف پیدا کر لیتا ہے، وہ آخر کار انسانی شکل میں خود خدا بن جاتا ہے، خدا کا حقیقی بیٹا بن جاتا ہے۔ انسانی جسم میں رہنے والی وہ عظیم روح، 'باپ' اور 'بیٹا' دونوں ہی ہے عیسٰے کا 'میں' سے مراد اپنا جسم نہ تھا۔ ان کی روح، روحِ عظیم یعنی خدا کے ساتھ ایک تھی۔"

پروفیسر نے کہا، "جسم بھی تو ایک ضروری عنصر ہے۔ ہم جسم کے ذریعے ہی عیسٰے مسیح کو جان سکے تھے۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، "جب تک خدا انسانی جامہ اختیار نہیں کرتا، ہم اس سے بات نہیں کر سکتے۔ خدا کے اپنے بھی کچھ اصول ہیں۔ کیا وہ اوپر کے طبقات سے آپ سے بات کرسکتا ہے؟ وہ علیم و بصیر حاضر ناظر و قادرِ مطلق ہے۔ لیکن ہم ان باتوں کا احساس تب تک نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ انسان کی سمجھ میں آنے والے ذرائع انسانی جسم سے ظاہر نہ ہوں۔ صرف ایک انسان ہی انسان کا استاد ہو سکتا ہے۔ انسان سے تعلق پیدا کرنے کے لئے خدا کو پہلے خود انسان بننا پڑتا ہے۔ بچے کو اپنی بات سمجھانے کے لئے ماں کو اسی طرح توتلی بولی بولنا پڑتی ہے۔ ویسے تو مُرشدِ کامل عام انسان کی طرح ہی رہتا اور بولتا ہے لیکن در

حقیقت خود خدا ہی اس کے ذریعے بولتا اور کام کرتا ہے ۔مولانا روم فرماتے ہیں، 'مُرشد کے الفاظ خدا کے ہی الفاظ ہیں ' حالانکہ وہ انسان کی زبان سے بولے جاتے ہیں'ایک دوسری جگہ وہ فرماتے ہیں، 'اس کے ہاتھ خدا کے ہی ہاتھ ہیں ۔اس کی 'ہاں' خدا کی ہی 'ہاں' ہے، گورو نانک صاحب فرماتے ہیں، 'مُرشد وہ کچھ کرتا ہے، جو خدا نہیں کرسکتا، انسان کے ساتھ رہنے اور دنیا میں کام کرنے کے لئے خدا کو انسانی شکل میں آنا ہی پڑتا ہے ۔"

بزرگ پادری نے کہا، " ذرا سوچیئے جب وہ پیدا ہوکر اس دنیا میں آتا ہے تو ہم اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں ! اگر اجازت ہو تو ایک اور سوال پوچھ لوں ؟ ' جوڈاس ایسکیر تٹ 1' جس نے عیسےٰ مسیح کے ساتھ اعتماد شکنی کی تھی، کا کیا حال ہوا ہو گا؟ وہ اب کہاں ہو گا؟"

حضور نے پوچھا، "آپ کے خیال میں وہ کہاں ہونا چاہیئے ؟"

پادری نے جواب دیا، "ضرور وہ کہیں جہنم کی اذیتیں اٹھا رہا ہو گا؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " نہیں، وہ حضرت عیسےٰ کے ساتھ ہے اور ان کی گود میں، ان کی بے پناہ رحمت سے لطف اندوز ہو رہا ہو گا۔"

حیرانی سے سبھی پادریوں کے منہ سے نکلا، " اوہ!"

بزرگ سربراہ پادری نے کہا، "خوب یہ بالکل صحیح ہے ۔"

حضور نے ان سے فرمایا، "سنتوں یا فقیروں کا یہی طریق ہے ۔ وہ ہمارے گناہوں پہ توجہ نہیں دیتے ان کی رحمت و شفقت کی دنیا میں دوزخ کی اذیتوں کی کوئی جگہ نہیں ۔"

---

1 عیسےٰ مسیح کے مُریدوں میں سے ایک، جس نے حضرت عیسےٰ کو گرفتار کرانے میں یہودیوں کی امداد کی۔

ایک نوجوان پادری نے پوچھا، "کیا اسے اپنے گناہ کی سزا نہیں دی گئی؟"
حضور نے فرمایا، "اس کا گناہ، خود مُرشد کے لئے تھا۔ اور انھوں نے اسے معاف کر دیا۔"

نوجوان پروفیسر نے کہا، "حضور ایک سوال اور ہے۔ جب دنیا کا خالق خدا خود محبت اور نیکیوں سے بھرپُور ہے تو دنیا میں بدیاں کیسے آئیں؟"
حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "بُرائیاں بھی قدرت کے نظام کا ایک حصہ ہیں اور روزِ ازل سے ہی نظام عمل میں شامل تھیں۔ کال یا شیطان کو کس نے بنایا؟ کیا وہ بھی ایک فرشتہ نہیں اور خدا کا ہی پیدا کیا ہوا نہیں؟ ہر چیز کیا بُری، کیا اچھی، سب اسی سے ہے۔"
رائے روشن لال موضوع بدلتے ہوئے بولے، "حضور آپ، ویدانت کے متعلق فرما رہے تھے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں، ویدانت مارگ، عام لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ چند تیز فہم ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دنیا میں شاید چند لوگ ہی اس مارگ سے مالک کو پاسکیں۔ اور پھر ویدانت کا منزل مقصُود فقط 'برہم' ہے۔ جو سنتوں کے مارگ کی دوسری منزل ہے۔ اس سے اوپر بھی تین اور طبقات ہیں۔ آپ نفس کو نفس ہی کے ہتھیاروں سے قابو نہیں کر سکتے۔ عقل علم اور دماغی کسرتیں، من کی پیدا کردہ ہیں۔ من پر کسی ایسی طاقت سے قابو پایا جا سکتا ہے، جو اس سے زیادہ طاقتور ہو اور اس کے طبقات سے اوپر کے طبقہ سے آرہی ہو۔ اور وہ طاقت صرف شبد ہی ہے۔"
نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "حضور غرورُ و تکبّر کیا ہے؟"
حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "اہنکار۔ غرورُ و تکبر سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان اپنے آپ کو ایک علیحدہ ہستی (خدا سے الگ) سمجھنے لگ جائے اسی کو گورو گرنتھ صاحب

میں ، ہو ںمیں ،اور صُوفی فقرا نے ' انانیت ' کہا ہے ۔ انسان کے اندر جو ' میں ' اور ' میری ' کا احساس ہے ،یہی غرور ہے ۔یہ احساس ہی سب بندھنوں کی جڑ اور ام الخبائث (سب بُرائیوں کی ماں) ہے ۔ ' میں ' یا خدا سے علیحدہ اپنی ہستی کے احساس سے میری یا اپنی ملکیت کا خیال پیدا ہوتا ہے ۔ہم ہر چیز کو 'ہماری ' بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ کوشش مباحثہ ، مقابلہ اور جھگڑا فساد کا باعث بن جاتی ہے ۔ جن چیزوں کو ہم اپنا کہتے ہیں ،ان کا جھُوٹا لگاؤ اور پیار ہمیں اپنی بندش میں ڈال کر ہماری عقل اور سمجھ کو فنا کر دیتا ہے ۔ہم حسد ' طمع ' غصہ ' نفرت و دیگر کئی بُرائیوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں ۔"

بیرسٹر نے پوچھا ، "حضور ، انسان میں اپنی ہستی کو مالک سے علیحدہ ماننے کا خیال کب پیدا ہوا ؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا ، " یہ تب پیدا ہوا جب روح قطرہ کی طرح اپنے سمندر ،مقامِ حق سے الگ ہوئی ۔ مقامِ حق تو نور ، بیداری اور سکون ابدی کا پاکیزہ روحانی وطن ہے ۔جب روح مقام حق سے جدا ہوئی تو سوہنگ ۔ سوہنگ ، بمعنی ' میں وہی ہوں ' میں وہی ہوں ' کا گیت گانے لگی ۔اس سے پہلے مقامِ حق میں نہ ' میں ' تھا نہ 'وہ ' ۔ وہاں سب کچھ ایک تھا ۔سمندر میں ،قطروں کی علیحدہ ہستی نہیں ہوتی ، نہ وہ اپنے کو علیحدہ محسوس ہی کرتے ہیں ۔ ' سوہنگ دیش ' میں روح پر پہلا غلاف چڑھ گیا ۔مولانا روم کی مثنوی کا آغاز روح کے اس فراق و ہجر سے ہی ہوتا ہے ۔اس کی ابتدائیہ اس طرح ہے ۔

"سنو ! بانسری (سوہنگ دیش کا راگ) کتنی غمناک کہانی سنا رہی ہے ۔ وہ اپنی دردناک جدائی پر رو رہی ہے ، وہ پُرسوز لَے میں کہہ رہی ہے کہ جب سے وہ اپنے بانس کے جنگل (اصل مقام) سے جدا ہوئی ہے ، تب سے اس نے آہ و پکار کے علاوہ اور کوئی کام

نہیں رکیا۔" 1

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا، "حضور، روح مقامِ حق سے فرقت وجدائی پر کیوں روتی ہے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "کیوں کہ جدا ہونے پر ہی اسے بے حد رنج و غم اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔یہ جدائی ہی اپنے ساتھ سب مصیبتوں کو لائی۔جب ہم 'ہم' نہیں تھے، تب خدا تھے۔اس علیحدہ ہستی نے ہی ہمیں (موت، بیماری اور بدی کا) غلام بنا دیا۔ اس نے ہمارا سارا کھیل بگاڑ دیا، سارا صبر و سکون چھین لیا۔اس 'میں' اور 'میری' نے ہی اس خود مختار اور آزاد روح کو دنیا میں لا کر بیڑیوں میں جکڑ دیا ہے۔"

آپ سب نے فارس کے ایک بڑے بہادر پہلوان، رستم اور اس کے بیٹے، سہراب کی کہانی تو سُنی ہوگی۔وہ باپ بیٹا تھے لیکن انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تک نہ تھا۔اپنی اپنی فوج کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے وہ میدان جنگ میں ہی ایک دوسرے کے سامنے آئے۔ رستم کو سہراب کی پیدائش سے چند روز پہلے ہی گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ وہ فارس کی فوجوں کا کمانڈر تھا اور شاہ فارس کے زیرِ حکم اسے دنیا فتح کرنے کی مہم پر جانا تھا۔اس نے اپنی بیوی کو ایک تعویذ دیا اور کہا کہ اسے بچے کے داہنے بازو پر باندھ دینا تا کہ جب کبھی ہم ملیں تو میں بیٹے کو پہچان سکوں۔سہراب چھوٹی عمر میں ہی یونان کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔اپنی قابلیت اور طاقت کے باعث جلد ہی وہ سپہ سالار بن گیا۔ان دنوں فوجوں کے سپہ سالار بھی اتنا ہی لڑا

---

1 بشنو از نے چوں حکایت می کند	از جدائیہا شکایت می کند
کز نیستاں چوں مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
(مولانا روم)

کرتے تھے، جتنا کہ ان کے سپاہی۔ جب جنگ میں باپ بیٹے کا مقابلہ ہوا تو وہ اپنے رشتہ سے نا واقف تھے۔ پندرہ دن تک ان کی زبردست جنگ ہوئی۔

رستم چونکہ عمر میں بڑا تھا، وہ آہستہ آہستہ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا۔ اس نے ایک غلط چال چلی، جس کے باعث سہراب لڑکھڑا کر زمین پہ گر گیا۔ رستم نے موقعہ کا فائدہ اٹھایا اور فوراً سہراب کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ سہراب چلایا، "ارے کمبخت! یاد رکھنا، میرا باپ رستم بدلہ لینا خوب جانتا ہے۔ وہ تجھے اس چالبازی کی سزا ضرور دے گا۔"

رستم نے سہراب کے بازو پر اپنا دِیا ہوا تعویذ بندھا دیکھا تو تھرّا اٹھا۔ اس زبردست صدمہ سے اس کا چہرہ زرد ہو گیا، اس کا جسم خشک پتے کی طرح کانپنے لگا۔ بے حال ہو کر اس نے سہراب کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا اور اس کا ماتھا چُومنے لگا۔ بے پناہ ملال میں وہ چِلّا اٹھا، 'میرے بچے' میرے لال، یا خدا، میں نے کیا کر ڈالا۔ یا اللہ! رحم، رحم، رحم، وہ بے حال ہو کر آہ و زاری کرنے لگا۔ اس کی آہ و فریاد سے سارا ماحول غمناک ہو گیا۔ دوست و دشمن اس کے ساتھ رو اٹھے۔ اس کے ہاتھوں سہراب کو لگی چوٹ مُہلک تھی۔ وہ دوڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ کے پاس تریاق (کاری زخم کی اکسیر دوا) تھی۔ بادشاہ نے سہراب کی دلیری اور بہادری کے قصے سُن رکھے تھے۔ وہ سہراب کو اپنی سلطنت کے لئے خطرہ سمجھتا تھا۔ اس نے دوا دینے سے انکار کر دیا۔ رُستم نے بہت مِنت سماجت کی۔ بادشاہ کے قدموں میں گر گیا۔ سب طرح کی التجائیں کیں اور وعدے کئے۔ اس نے کہا کہ اس کا لڑکا وہ کام کر دکھائے گا، جو وہ خود نہیں کر سکا، یہاں تک کہ تمام دنیا کو فارس کے ماتحت کر دے گا۔ لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی۔ آخر وہ ناامید لوٹا۔ سہراب اپنے باپ کے واپس آنے سے پہلے ہی دم توڑ چکا تھا۔ اپنے بیٹے کی لاش کو دیکھ کر رستم غش کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ پہلے جیسا رستم نہ رہا۔"

نوجوان بیرسٹر بولا، "یہ بڑی دردناک کہانی ہے۔"

حضور نے مزید فرمایا، "ہاں، پھر بھی ہم ایسی واردات روزانہ دیکھتے ہیں۔ اس کہانی میں آپ نے دیکھا، دو شخص ایک دوسرے کی جان لینے پر تُلے ہوئے تھے۔ ایک نے دوسرے کو اپنا دشمن سمجھا ہوا تھا۔ رُستم سہراب کو بے رحمی سے مارنے کے بعد، رونے چلّانے اور آہ وزاری کرنے لگتا ہے کیونکہ اب وہ اسے اپنا بیٹا سمجھتا ہے۔ آدمی بھی دونوں وہی ہیں، حالات بھی وہی، لیکن ان میں اب صرف 'میں' اور 'میری' جاگ اٹھی ہے۔ یہ 'میرا' یا 'اپناپن' بیدار ہونے سے پہلے رُستم کے دِل میں اس اجنبی کے لئے نہ رحم تھا نہ پیار اور نہ اُنس۔ وہ تو اس اجنبی کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ نہ ہمارا کوئی دوست ہے نہ دشمن۔ یہ ہمارا من ہی ہے، جو لوگوں کو دوست اور دشمن کی شکل میں دیکھنے لگتا ہے۔"

نوجوان بیرسٹر یکایک بول اٹھا، "یہ ہے زندگی اور موت۔ زندگی کتنی خوبصورت اور موت کتنی خوفناک۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "موت سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ ہماری زندگی کا آغاز نہ اس پیدائش سے ہُوا ہے اور نہ ہی اس جسم کی موت کے بعد اس کا انجام ہو گا۔ زندگی لافانی ہے۔ نہ تو کوئی ایسا وقت تھا جب ہم نہ تھے، اور نہ کوئی ایسا وقت ہو گا، جب ہم نہ ہوں گے۔ پرم سنت دادوُ صاحب کہتے ہیں:

جب کائنات نہیں تھی، تب بھی میں تھا اور جب دنیا نہیں رہے گی، تب بھی میں رہوں گا۔ بھگوان کرشن نے گیتا میں ارجن سے کہا ہے:-

نہ تو ایسا ہی ہے کہ میں کسی زمانہ میں نہیں تھا یا تو نہیں تھا۔ یا یہ راجہ لوگ نہ تھے

اور نہ ایسا ہی ہے کہ اس سے آگے ہم سب نہیں رہیں گے 1 ۔

بیرسٹر نے کہا ، " حضور ہم ہمیشہ رہے ہوں ، مگر یہ موت تو بڑی خطرناک چیز ہے ۔"

حضور نے فرمایا ، " اگر موت ہوتی ہی نہ تو حالت اور بھی خوفناک ہوتی ۔" حضور نے گیتا سے بھگوان کرشن کا ایک اور حوالہ دیا :-

جیسے جسم میں بچپن ، جوانی ، بڑھاپا آتے اور جاتے دکھائی دیتے ہیں ۔ اسی طرح جیو (فانی روح) کو ایک کے بعد دوسرا جسم بدلتا رہتا ہے ۔ اس لئے حوصلہ مند انسان موت سے خوفزدہ نہیں ہوتے ۔ اس سب کا لُبِ لُباب یہ ہے کہ موت جسم کی ہوتی ہے روح ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے 2 ۔

اس بیرسٹر نے پھر کہا ، " میں تو یہ پسند کروں گا کہ جسم لافانی رہے ، روح خواہ مرتی رہے ۔"

حضور نے فرمایا ، " آپ آخر اس سے بھی اُکتا جائیں گے ۔"

بیرسٹر نے پوچھا ، " کیا روح میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں آتی ؟ اگر ایسا ہی ہے تو انسان نیک اور بد کیسے ہے ؟"

حضور نے فرمایا ، " تبدیلی صرف من (نفس) میں ہی ہوتی ہے ۔ روح میں نہیں ۔ روح

---

1 ازل سے تھی موجود ہستی مری ازل سے تھی موجود ہستی تری (دِل کی گیتا)
یہ راجے سبھی اور یہ خلقت تمام ہمیشہ سے ہیں اور رہیں گے مدام 2/12

2 کرے روح جیسے تغیّر بغیر لڑکپن جوانی بڑھاپے کی سیر
نہیں پھر نئے تن میں ہو گی کمیں اگر دِل ہے مضبوط چنتا نہیں 2/13

تو ہمیشہ خدا کی طرح غیر متبدل (ایک ہی شکل میں) رہتی ہے ۔ گیتا میں لکھا ہے کہ روح لافانی ہے اور اس کو کوئی فنا نہیں کر سکتا 1 ۔

یہ روح پیدائش سے مبّرا ہے ، دائمی، ابدی، لازوال اور قدیمی ہے ۔ جسم کا خاتمہ ہو سکتا ہے روح کا نہیں 2 ۔

جیسے انسان پرانے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے ۔ ویسے ہی روح بھی بوسیدہ اور پرانے جسم کو چھوڑ کر نیا جسم اختیار کرتی ہے 3 ۔

اس روح کو نہ تو ہتھیار کاٹ سکتے ہیں اور نہ آگ جلا سکتی ہے ، نہ پانی گلا سکتا اور نہ ہوا خشک کر سکتی ہے 4 ۔

(یہ بڑے تعجب کی بات تھی کہ حضور جس مذہبی کتاب کا بھی حوالہ دیتے تھے ، لفظ بلفظ ،

---

1 اسی کو بقا ہے اسی کو ثبات جہاں پر ہے چھائی ہوئی جس کی ذات
بھلا کس کی طاقت ہے کس کی مجال فنا کر سکے ہستی لازوال 2/17
2 جنم اس کو لینا نہ مرنا اسے نہ آکر جہاں سے گزرنا اسے
انادی ۔ فنا اور تغیّر سے پاک یہ مرتی نہیں گو بدن ہو ہلاک 2/20
3 بدلتا ہے انساں لباس کہن نیا جامہ کرتا ہے پھر زیب تن
اسی طرح قالب بدلتی ہے روح نئے بھیس میں پھر نکلتی ہے روح 2/22
4 کٹے گی نہ تلوار سے آتما جلے گی کہاں نار سے آتما
نہ گیلی ہو پانی لگانے سے یہ نہ سوکھے ہوا میں سکھانے سے یہ 2/23

زبانی حوالہ دیتے جاتے تھے ۔بعض دفعہ تو جب تلاش کرنے میں دیر ہونے لگتی، تو ان مذہبی کتب کے نمبر صفحہ تک بتا دیتے تھے ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ یاداشت کی کرامات تھی یا کوئی کرشمہ)

حضور مہاراج جی نے نوجوان بیرسٹر سے کہا،" انسان کو پرانے کپڑے اتار کر پھینکنے سے کبھی بھی نہیں ڈرنا چاہئے ۔"

نوجوان بیرسٹر نے پوچھا،" تو پھر نئے پیدا ہوئے بچوں کو تو نہیں مرنا چاہئے ۔ انسان کو نئے کپڑے پہنتے ہی فوراً انہیں اتار کر پھینک دینے کی کیا ضرورت ہے ؟"

حضور مہاراج جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا ، "مجھے معلوم تھا کہ آپ کا اگلا سوال یہی ہوگا۔ ایک روح کو ایک قالب میں کتنا عرصہ رہنا ہے ۔اس کا فیصلہ ایک نہیں کئی امر مِل کر کرتے ہیں ۔ کبھی آپ ایک نیا ریشمی قمیض بازار سے لاتے ہیں لیکن اسے پہنتے ہی آپ کو پتہ چلتا ہے کہ اسے کیڑوں نے کاٹ رکھا ہے یا آپ پر پوری طرح ٹھیک نہیں بیٹھتا یعنی آپ کے ناپ کے مطابق نہیں یا وہ اچھی طرح تہہ نہیں کیا ہوا ۔تو آپ اس کو فوراً اتار دیتے ہیں ۔ ٹھیک اسی طرح انسان کے کرم 'پرالبدھ' ؛ 'سنچت ' اور ' کریمان ' اس کی زندگی میں قدم قدم پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی حساب کے مطابق قالب ادلتا بدلتا رہتا ہے ۔"

بیرسٹر نے کہا،"حضور، یہ 'کرم سِدھانت ' (اصول اعمال) تو بہت مشکل ہے ۔کیا اسے سمجھانے کی نوازش کریں گے ؟"

حضور نے فرمایا ،" یہ تو اپنے آپ میں ہی مکمل مضمون ہے ۔ اس پر کبھی علیحدہ سے گفتگو کریں گے ۔فی الحال ہم زندگی اور موت کے مضمون کو ختم کر لیں ۔"

بیرسٹر نے تنقید کرتے ہوئے کہا،"خواہ موت روح پر بالکل اثر انداز نہ ہو ۔لیکن میں تو اس سے بہت خوفزدہ ہوں ۔"

حضور نے فرمایا، "وہ سب لوگ، جو حقیقت سے ناآشنا ہیں، اس سے ڈرتے ہیں۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں، مجھے موت سے محبت ہے، دنیا اس سے خوفزدہ ہے۔ کتنا اچھا ہو کہ میں جلد از جلد مر کر اپنے محبوب سے وصال پا جاؤں 1۔"

"ایک ست سنگی کو نہ موت کی خواہش کرنی چاہیئے اور نہ ہی موت کے آنے پر ڈرنا چاہیئے۔ اسے اپنے آپ کو پوری طرح اپنے مُرشد کی رضا پر چھوڑ دینا چاہیئے۔"

بیرسٹر نے پوچھا، "اگر انسان زندگی سے اُکتا جائے تو اسے ختم کر دینے میں کیا نقصان ہے؟"

حضور نے فرمایا، "موت زندگی کے درد و غم کا علاج نہیں اور نہ ہی اس سے نجات ملتی ہے۔ یہ دُکھ اور تکلیفیں جہاں بھی آپ جائیں گے، آپ کے پیچھے، پیچھے آئیں گے۔ جب تک آپ اپنے کرموں کے قرض کی کوڑی، کوڑی ادا نہ کر دیں گے، یہ کرم آپ کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ کرموں کا بوجھ تو پہلے ہی آپ کے سر پر کافی ہے۔ خودکشی کر کے ایک اور بھاری گُناہ کا بوجھ کیوں اپنے سر پر لیتے ہیں۔ جتنا آپ سوچتے ہیں۔ اعمال (کرموں) سے نجات اس قدر آسان نہیں۔"

بیرسٹر نے بڑی سنجیدگی سے کہا، "یہ تو بہت بُری حالت ہے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ اس درد و غم کی زندگی سے نجات بہت آسان ہے لیکن حضور آپ تو ہمیں مرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ ٹھیک ہے، مجبوراً ہمیں زندہ ہی رہنا ہو گا۔"

حضور نے فرمایا، "زندہ رہنا بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ جو زندہ رہنا جانتے ہیں، وہی مرنا بھی جانتے ہیں۔ ہم جی نہیں رہے، ہم تو صرف وقت کی رو کے ساتھ بہتے چلے جا

---

1 کبیر جس مرنے سے جگ ڈرے میرے من آنند مرنے ہی تے پائیے پُورن پرم آنند

رہے ہیں ۔ رات ، دن ، روتے ، چیختے ، چلّاتے ، حرص و ہوّس کی ہواؤں کے تھپیڑے کھائے جاتے ہیں ، نفسانی عیش و آرام ہمیں درد و غم کے بھنّور میں ڈبوئے جا رہے ہیں ۔"

بیرسٹر نے کہا ، " یہ بالکل درست ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا ، " ہم لوگ زندگی کے اصل مقصد سے بھی ناواقف ہیں ۔ ہم اسے بے کار کے کاموں میں برباد کرتے رہتے ہیں ۔ اگر ہم زندگی کے دوران اپنی وراثت کو نہ پاسکے تو زندگی بے کار گئی ۔ انسان دو پاؤں والا جانور تو نہیں ، پھر بھی وہ اکثر جانوروں جیسا سلوک کرتا ہے ۔ انسان خالق کی ایک نادر تخلیق ہے ۔ وہ خدا کا مُجسّمہ ہے ، وہ انسان کی شکل میں خدا ہے ۔ اس میں لا انتہا طاقت ہے لیکن وہ اسے بے کار کے کاموں میں فضول ضائع کرتا رہتا ہے ۔ اس کے اندر ہیرے جواہرات کا خزانہ ہے لیکن وہ بھکاری کی طرح در ، در بھٹکتا اور خیرات مانگتا پھرتا ہے ۔ اس کی زندگی کا مقصد تھا ، خود کو پانا ، اپنے مالک کو جاننا اور واپس اپنے اصل مقام پہنچ جانا ۔ لیکن وہ کئی لاکھ نچلی زِندگیوں میں بھٹکنے کے بعد حاصل ، انسانی زندگی کے اس قیمتی ،نایاب موقعہ کو بے کار ضائع کر دیتا ہے ۔"

یہ آخری باب ہو سکتا تھا

موسم گرما تھا لیکن کون سا سال تھا یہ مجھے یاد نہیں۔ ہاں اتنا ضرور یاد ہے کہ اس سال گرمی بہت سخت تھی۔ حضور مہاراج جی ڈلہوزی کے خوبصورت پہاڑ پر تشریف لے جا چکے تھے۔ آپ نے کچھ سال پہلے وہاں ایک مکان خرید فرمایا تھا۔ ان کا حکم تھا کہ ان کے پیچھے کوئی بھی ڈلہوزی نہ آئے۔ اس بار ان چند خاص لوگوں کو بھی اجازت نہیں دی گئی تھی، جن کی عرض کبھی نامنظور نہ ہوتی تھی۔ پنجاب کا درجہ حرارت 118 ڈگری فارن ہیٹ سے اوپر چلا گیا تھا۔ اس سخت گرمی کے باعث چند لوگوں کی موت بھی ہو گئی تھی۔ اس لئے اس سال ہمارے دفتر موسم گرما کی رخصت کے لئے جلد بند کر دیئے گئے تھے۔ پروفیسر جگموہن لال اور میں نے کسی پہاڑ پر جانے کا فیصلہ کیا۔ ہم حضور کے قدموں کے علاوہ کہاں جا سکتے تھے۔ لیکن اس بار حکم تھا کہ کوئی نہ آئے، یہ کیسے درگذر ہو؟ میں نے کہا، "ٹھیک ہے، ہم حضور مہاراج جی کا پیچھا تو کر نہیں رہے۔ ہم تو یہاں کی سخت گرمی سے بچنے کے لئے بھاگ رہے ہیں۔ شملہ، مسوری اور کشمیر کے مقامات دور بھی ہیں اور مہنگے بھی۔ ہم حضور مہاراج جی کے سامنے نہیں جائیں گے، بلکہ کوشش کریں گے کہ وہ ہمیں دیکھ بھی نہ پائیں۔ ہم اگر اس طرح ڈلہوزی جاتے ہیں تو اُن کی حکم عدولی بھی نہ ہو گی۔" میں نے اس نکتہ پر بڑی صدق دلی سے زور دیا۔ اور آخر جگموہن لال جی نے بھی اس سے اتفاق کیا۔

دوسرے دن، پانچ بجے شام، ہم "ماونٹ ویو ہوٹل" کی چڑھائی پار کر رہے تھے۔ یہ حضور مہاراج جی کی خوبصورت جائے رہائش 'ایلس میر' سے ڈیڑھ میل دور تھا۔ راہ چلتے ہوئے

میں نے تجویز کیا، اگر ہم 'مہر ہوٹل' میں قیام کریں جو 'ایلس میر' سے صرف دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہے اور جہاں سے حضور مہاراج جی کی رہائش گاہ یا کم ازکم وہاں کے اُونچے اُونچے درخت ضرور نظر آتے ہیں تو یہ حضور کی حکم عدُولی نہ ہو گی۔

جگموہن لال جی نے کہا، "مجھے بہکانے والے، میں تمھاری بات سمجھ گیا، تم مجھے ضرور کسی آفت میں ڈالو گے۔"

میں نے جواباً کہا، "میرے غیر عقید تمند دوست، وہ کیسے؟"

جگموہن لال بولے، "کیونکہ تم تو کسی نہ کسی طرح معافی پا ہی لوگے اور سارا قصور میرے سر آئے گا۔"

میں نے ان کو یقین دلایا، نہیں، سارا اِلزام میں اپنے سر لوں گا۔ میں حضور کے سامنے اعتراف کر لوں گا کہ پروفیسر کو میں بھگا کر لایا ہوں۔ ان کے ہاتھ، پاؤں زبردستی باندھ کر بس میں ڈالا، خوفزدہ کر کے ڈلھوزی آنے جانے کا اپنا کرایہ دینے کا وعدہ بھی لے لیا۔ میں یہ بھی اعتراف کر لوں گا کہ ہوٹل کا کمرہ بھی ان کی مرضی کے خلاف ان کے نام پر لیا گیا ہے۔ یہ ہی مجبوراً ہوٹل کا میرا پُورا خرچہ بھی ادا کر رہے ہیں"۔

پروفیسر ہنس پڑے اور تب کچھ تسلّی ہوئی۔ ہم نے 'مہر ہوٹل' پر دو چھوٹے چھوٹے کمرے تین روپیہ روزانہ کرائے پر لئے، وہ کتنا سستا زمانہ تھا! پروفیسر چائے کا آرڈر دے ہی رہے تھے کہ میں نے کہا کہ حضور مہاراج جی کے شام کے ٹہلنے کا وقت ہو چکا ہے۔ اگر ہم ان کے دیدار کا یہ موقعہ کھو دیتے ہیں تو پھر نہ جانے، ایسا موقعہ ہاتھ لگے یا نہ لگے۔ پروفیسر نے میری بات کو کاٹتے ہوئے کہا، "میں جانتا ہوں، تم خود کبھی چائے نہیں پیتے اور مجھے بھی پینے نہیں دوگے۔ میں بہت تھکا ماندہ ہوں۔ پہلے ہم تھوڑا کھا پی لیں، پھر فوراً چل دیں گے۔"

میں نے کہا، "ٹھیک ہے، آپ یہاں کچھ کھا پی لیجئے اور مجھے وہاں جانے دیجئے،

جہاں میں بھی جس تھوڑے بہت کے لئے آیا ہوں، اسے حاصل کر لوں۔"

مجھے معلوم تھا کہ وہ کیتلی بھر چائے سے کم نہیں پیتے تھے اور وہ بھی بڑے مزے اور آرام سے۔ انھیں جلد تیار کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا، جو کام کر گیا۔ انھوں نے جلدی سے چائے پی اور میرے ہوٹل کے دروازہ تک پہونچنے سے پہلے دوڑ کر میرے ساتھ ہو لئے۔

ہم نے طے کیا کہ کسی ایسی جگہ پر بیٹھا جائے، جہاں سے حضور کے دیدار بھی اچھی طرح ہو جائیں اور انہیں ہمارا پتہ بھی نہ چلے۔ لیکن بخلاف اپنے اس ارادہ کے، ہمارے قدم خود بخود حضور مہاراج جی کے پاک در کی طرف لے جانے لگے۔

پروفیسر نے شکایت کی کہ حضور مہاراج جی کے حکم کے خلاف تم مجھے سیدھا ان کی رہائش گاہ کی طرف لے جا رہے ہو۔

میں نے جواب دیا، "حضور کی حکم عدولی کی لمبی فہرست میں ہم ایک گناہ کا اور اضافہ کر لیں گے تو کیا فرق پڑے گا؟ اور کس بات میں ہم ان کا حکم مانتے ہیں؟"

تب ہی ہمارے دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں، جب ہم نے حضور مہاراج جی کو سڑک کے ایک موڑ سے نکل کر اچانک اپنے سامنے کھڑے ہوئے پایا۔ ہم دونوں عقیدت سے خود بخود ان کے قدموں میں جھک گئے۔

حضور نے پوچھا، "اچھا، تو آپ یہاں آ ہی گئے؟ کب آئے؟"

پروفیسر نے عرض کیا، "حضور بس ابھی آئے ہیں۔"

حضور نے پوچھا، "آپ کا سامان کہاں ہے؟"

پروفیسر نے جواب میں عرض کیا، "حضور، مہر ہوٹل، میں۔"

حضور نے فرمایا، "وہاں کیوں گئے؟"

یہ انھوں نے اس لئے فرمایا کہ جب بھی ہم ڈلہوزی آتے تھے تو حضور مہاراج کے

ہاں ہی قیام کرتے تھے ۔ حضور نے اس کام کے لئے تین مکان لے رکھے تھے ۔

پروفیسر نے جواب دیا ، " آپ نے ست سنگیوں کو اپنے پیچھے نہ آنے کا حکم جو دے رکھا تھا ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا ، " اچھا ، لیکن وہ حکم آپ کے لئے تو نہ تھا ۔" اور انھوں نے بڑے مہر و کرم سے اپنا مبارک ہاتھ ہمارے جُھکے ہوئے سروں پر رکھا ۔ بس ، ہماری تکان ، خوف اور فکر جاتے رہے ۔ ہمارے چہروں پر رونق آ گئی اور دِل خوشی سے جُھوم اُٹھا ۔

شام کی سیر کے وقت ہم حضور مہاراج جی کے ساتھ رہے اور قریب ساڑھے سات بجے ، 'ایلس میر' واپس آئے ۔ تب ہم نے حضور سے اپنے ہوٹل جانے کی اجازت چاہی لیکن معلوم ہوا کہ ہمارا سامان پہلے ہی وہاں سے لایا جا چکا تھا اور ' کوزی نک ' نام کے مکان نمبر دو میں ہمارے بستر لگا دیئے گئے تھے ۔ یہی نہیں ، حضور خود ، ہمارے ساتھ یہ دیکھنے کے لئے گئے کہ آیا ہمارے آرام کا مکمل انتظام ہوا ہے یا نہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس دن سے ڈلہوزی میں قیام تک ہم حضور مہاراج کے ہی مہمان رہے ۔ ہمارے کھانے پینے کا ایسا انتظام تھا ، جیسے ماں باپ موسم گرما کی رخصت پر آنے والے بچوں کو خوب کھلا پلا کر تگڑا ، کیا کرتے ہیں ۔ حضور مہاراج جی کی ہم پر بیحد رحمت و شفقت تھی اور ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا ۔ لیکن ایسا لگا کہ کاتب تقدیر ہماری خوش نصیبی دیکھ کر حسد سے جل بُھن گیا ۔

ہماری ساری خوشی خاک میں مِل گئی جب پندرہ روز بعد ہی حضور مہاراج جی بہت سخت بیمار ہو گئے ۔ ڈاکٹر حضور کے علاج کے لئے آتے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے ۔ ہمارے دریافت کرنے پر بس اتنا کہتے کہ فکر نہ کرو ، سب ٹھیک ہو جائے گا ، جس کا مطلب یہ تھا کہ سب ٹھیک نہیں ہے ۔

حضور مہاراج جی نے کئی نیپالی اور پہاڑی علاقہ کے لوگوں کو نام دان بخشا تھا ۔ وہ

تمام عمر بھیڑ بکریوں یا جانوروں کی قربانی دے کر یا اپنے کھانے کے لئے، خون بہاتے رہے تھے۔ اس سے پہلے بھی حضور نام دان کے بعد بیمار ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن اس بار تو وہ بہت زیادہ بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری نے ہمیں بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا دسویں دن تو حضور کی حالت بہت ہی تشویشناک ہو گئی۔ ڈاکٹر نا اُمید ہو گئے۔ یہ حالت تین دن تک رہی۔ اس کے بعد بھی ہم نے کئی دن بےچینی میں اور بغیر نیند کے کاٹے۔ لیکن ان دنوں بھی حضور کی خوش مزاجی اور چہرے کی مُسکراہٹ ویسی ہی رہی۔ ایک دن پروفیسر نے حضور سے عرض کیا، "حضور اب آپ کی طبیعت کیسی ہے ؟ "

حضور نے جواب دیا، "میں بالکل تیار بر تیار (جانے کے لئے تیار) ہوں۔ ان کے اس جواب سے جیسے ہم پر بجلی گر پڑی ہو، ہم فکر و غم میں ڈوب گئے۔ پروفیسر اپنے آنسو نہ روک سکے۔ انھوں نے رُندھے ہوئے گلے سے عرض کیا، "میرے مالک، آپ ہمیں کس کے سپرد کئے جا رہے ہیں ؟ "

حضور نے پوچھا، " کیوں، میں کہاں جا رہا ہوں ؟"

پروفیسر نے عرض کیا، " حضور آپ ہی نے تو فرمایا ہے کہ میں تیار بر تیار ہوں۔"

حضور نے فرمایا، "ہاں، میں تیار بر تیار ہوں۔"

ہماری سمجھ میں تب آیا کہ حضور، تیار بر تیار، کا وہ مطلب نکال رہے ہیں، جو نہنگ خالصہ کی زبان میں ہوتا ہے۔ یعنی میں بالکل ٹھیک اور تندرست ہوں۔ اس کے بعد حضور بہت جلد تندرست ہونے لگے، اور چوتھے دِن تو آپ باہر آ کر کچھ دیر مکان کے سامنے ہری گھاس پر دھوپ میں بیٹھے رہے۔

چند دن بعد، ایک روز، جب حضور لان میں آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ تو پروفیسر صاحب اور میں نے موقعہ تنہائی دیکھ کر سوچا کہ وہ بات جو کئی دِن سے ہمارے دِل

میں تھی، اسے آج کیوں نہ عرض کریں ؟ پروفیسر صاحب نے اس طرح بات چیت شروع کی، "مہاراج جی، آپ اس زمین، آسمان اور دنیا کے مالک ہیں، کیا آپ ہمیں ایک مراد بخشیں گے ؟ "

حضور مہاراج جی یہ کہنے ہی والے تھے کہ ہاں کہیئے، لیکن یکایک رُک گئے اور پُوچھا، "تم کیا مانگنا چاہتے ہو؟ "ہم تھوڑی دیر خاموش رہے۔

حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا، "ہاں، ہاں، بولو تو سہی، کیا چاہتے ہو ؟ "

ہم ان کے قدموں میں ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بچے کی طرح بڑی سادگی سے عرض کیا، " مالک ہم کچھ بھی عرض کریں، آپ وعدہ کریں کہ اسے منظور کریں گے۔

حضور ہنس دیئے اور فرمایا، " میں کوئی پیغمبر تو ہوں نہیں، بغیر جانے تمہاری مانگ کیسے منظور کر لوں ؟ "

میں نے عرض کیا، " میرے مالک، آپ پیغمبر نہیں ہیں لیکن پیغمبر آپ کے پاس سے ہی آتے ہیں۔ "

اس کے بعد پروفیسر صاحب مشکل سے کہہ ہی گئے، "حضور ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سے ہم آپ سے پہلے چلے جائیں۔ "

کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم حضور مہاراج جی کے سامنے ہر دم سہمے، سہمے سے رہتے تھے اور کبھی، کبھی تو جو کہنا چاہتے تھے، وہ بھی بھول جاتے تھے۔

حضور نے فرمایا، "ہاں تم لوگ جب چاہو، خوشی سے جا سکتے ہو۔ میں تو ابھی ستمبر تک یہاں رہنا چاہتا ہوں۔ "

بے ساختہ ہمارے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی۔ مہاراج جی بھی بڑی سادگی سے ہنس پڑے۔ ان کی ہنسی سے ظاہر تھا کہ وہ ہمارا اصل مطلب جان چُکے تھے۔

میں نے عرض کیا، "حضور، ہمارا مطلب ڈلہوزی سے نہیں، بلکہ دنیا سے جانے کا ہے۔ اسلئے آپ ایسی رحمت فرماویں کہ ہم آپ سے پہلے اس دنیا سے اُٹھ جائیں۔"

حضور نے فرمایا، "نہیں تمہیں نہ جینے کی تمنا کرنی چاہئے اور نہ مرنے کی خواہش۔ یہ سب کچھ اس کی رضا پر چھوڑ دو، جو زندگی اور موت دونوں کا مالک ہے۔"

ہم نے پھر عرض کیا، "ہم آپ کے بغیر اس دنیا میں ایک پل بھی نہیں رہنا چاہتے۔ مالک، یہ زندگی آپ کے بغیر موت سے بھی بدتر ہوگی۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا، میں یہ دعوہ کرتا ہوں۔"

(اس طرح مہاراج جی نے اپنی باتوں ہی باتوں سے ہمیں پھر چُپ کرا دیا)۔ بے شک وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم تو ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہتے اور نہ ہم نے کبھی ان سے ایسی سودہ بازی کی ہے۔ بات کو جاری رکھتے ہوئے پروفیسر صاحب نے کہا، "ٹھیک ہے، مہاراج جی، کیا آپ یہ بتائیں گے کہ آپ ہمیں کس کے سُپرد کریں گے؟ آپ کے بعد ستگورو کون ہوگا؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ابھی تو یہ نہیں بتایا جا سکتا۔ وقت آنے پر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے ایک بی بی سے ایک گلاس پانی لانے کو کہا۔ وہ بی بی کچھ ہی دیر پہلے آکر ہمارے پاس بیٹھ گئی تھی ہمیں یہ بات بعد میں سمجھ میں آئی کہ اسے وہاں سے علیحدہ کرنے کے لئے ہی بھیجا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد پروفیسر صاحب نے حضور سے پھر اپنا جانشیں بتانے کی ضد کی۔ مگر حضور نے یہ کہہ کر قطعی منع کر دیا کہ تم لوگ اسے پوشیدہ نہ رکھ پاؤگے۔ انھوں نے فرمایا، "ایسے بھی لوگ ہیں جو ابھی سے اس کے

خلاف سازش کرنا شروع کر دیں گے۔"

پروفیسر نے پوچھا، "حضور کیا وہ ست سنگی ہیں؟ کیا کوئی مُرید اپنے مُرشد کے حکم کے خلاف سازش کر سکتا ہے؟"

حضور نے ہمیں بتایا، "ایسا موقعہ بھی آئے گا، جب تم دیکھو گے کہ مطلب پرست اور چالاک لوگ کس حد تک جا سکتے ہیں۔ لیکن اس کا فِکر نہ کرو۔"

اس پر میں نے عرض کیا، "حضور، براہ کرم، اتنا گہرا پیار و محبت بخشیں کہ ہم کبھی گمراہ نہ ہوں اور سچے بادشاہ آپ کے قدموں میں ہماری محبت و عقیدت ہمیشہ قائم رہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "میرا جانشین مجھ سے دس گُنا طاقت اور مہر و کرم لے کر آئے گا۔ ست سنگ اور ڈیرہ اس سے بھی زیادہ ترقی کرے گا آپ کے پیار اور یقین میں دِن بدِن اضافہ ہو گا اور آپ کو اور بھی زیادہ رحم و کرم اور عزت ملے گی۔"

عین اسی وقت حضور مہاراج جی کے پوتے سردار چرن سنگھ جی اپنے ہاتھ میں ایک تھیلا لئے آتے ہوئے دِکھائی دیئے اور ایسا لگا کہ حضور اپنے آپ کو روک نہ سکے اور بہت دھیمی آواز میں (جیسے اپنے آپ سے ہی کہہ رہے ہوں) بولے، "دیکھو وہ آرہا ہے۔"

وہ نوجوان آیا اور حضور مہاراج جی کے قدموں میں گر پڑا۔ انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ بڑی محبت سے اس کے سر پر رکھ دیئے۔

حضور نے پوچھا، "تمہارے کالج کی چھٹیاں تو پندرہ دن پہلے ہو گئی تھیں، پھر تم اتنے دِن کہاں رہے؟"

چرن نے بڑی عاجزی سے جواب دیا، "حضور میں کچھ دنوں کے لئے سرسہ چلا گیا تھا۔"

حضور نے پوچھا، "وہاں سب لوگ خیریت سے ہیں؟"

چرن نے جواب دیا، "بالکل ٹھیک ہیں حضور۔"



حضور نے فرمایا، " اچھا تم تھکے ہوئے ہو گے، جاؤ کچھ آرام کر لو ۔ تم کہاں ٹھہرنا چاہو گے، میرے پاس یا پروفیسر صاحب کے پاس ؟ میں جانتا ہوں تم پروفیسر صاحب کے ساتھ ٹھہرنا چاہو گے ۔"

حضور نے نوکر سے ان کا سامان ، 'کوزی نک' والے اس مکان میں لے جانے کا حکم دیا، جس میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے ۔

جب وہ چلے گئے تو پروفیسر نے پھر سے وہی موضوع اٹھایا، " مالک آپ کے جانشین کے بارے میں جانکاری کے لئے ہم بے حد شکر گزار ہیں ۔ اس سے ہمیں بہت تسلّی ہوئی ہے ۔ آپ کا جانشین ابھی اتنا کم عمر ہے کہ ہمیں یقین ہے کہ ابھی کئی سال تک ہم آپ کی موجودگی ، دیدار اور رحمت سے فیض پاتے رہیں گے ۔"

اس بھروسہ پر نہ رہو اور دیکھو، کیا ہوتا ہے،" حضور نے شیریں مسکراہٹ سے فرمایا اور اٹھ کر چپ چاپ اپنے کمرے میں تشریف لے گئے ۔

اب میں ڈلہوزی میں اپنی چھٹیوں کی کہانی پھر شروع کرتا ہوں ۔ ہماری رخصت کے دن بڑے اطمینان سے گزر رہے تھے ۔ ہم سمجھتے تھے کہ حضور مہاراج جی یہاں کچھ آرام فرمانے آئے تھے لیکن ایسا نہ تھا ۔ یہاں بھی ان کو فرصت میسّر نہ تھی ۔ ان کے دیدار اور شرف ملاقات کے لئے کئی لوگ آتے تھے ۔ مشہور 'امرت دھارا' کے مالک ، پنڈت ٹھاکر دت شرما روزانہ آیا کرتے تھے ۔ ڈلہوزی میں ان کا اپنا بنگلہ تھا ۔ رائیزادہ ہنسراج (جو جالندھر کے بیرسٹر تھے اور وائسرائے کی کونسل کے ایک ممبر تھے) کی بھی وہاں اپنی کوٹھی تھی ۔ وہ بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ دیدار کے لئے کئی بار آجایا کرتے تھے ۔ یہ بیٹھکیں بڑی دلچسپ اور معلوماتی ہوتی تھیں ۔ ایک دفعہ ایک مسلم کنبہ آیا، جس میں دو برقعہ پوش عورتیں بھی تھیں ۔ ان کی گفتگو کا کچھ حصہ ذیل میں درج کر رہا ہوں۔

ان میں سے ایک بی بی نے حضور مہاراج جی سے عرض کی کہ وہ مالک سے اس کی مراد بر آنے کے لئے دعا کریں ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے خاوند حکومت پنجاب میں وزارت کے اُمیدوار تھے اور جلد ہی وزرا کی تقرری کا اعلان ہونے والا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ انھوں نے آج تک کسی چیز کے لئے دعا نہیں کی ۔ ان کے اس جواب سے سب لوگ حیران ہوئے ۔

رائیزادہ ہنسراج بولے ، "حضور ایسا کیوں ؟ دعا کی اجازت تو ہر مذہب میں ہے ۔"

حضور نے پوچھا، "کیا مالک کی رضا پر سب چھوڑ دینا بہتر نہیں ؟ اس سے مانگتے رہنے کی نسبت یہ بہتر نہ ہو گا کہ جو کچھ وہ اپنی رضا سے ہمیں عطا فرماتا ہے ، ہم اُسی پر صبر کریں ۔"

ایک مسلم صاحب بولے ، "لیکن دعا تو ہر انسان کرتا ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا ، "مسلمانوں میں بھی دو قسم کے فقیر ہیں ایک تو ' اہل دعا ' ہیں ، جن کا دعا کرنے میں اعتقاد ہے ، دوسرے ہیں '' اہلِ رضا ، جو اپنے آپ کو پوری طرح مالک کی رضا یا موج کے سُپرد کر دیتے ہیں ۔ وہ کبھی کسی چیز کے لئے دعا نہیں کرتے ۔ وہ اس کی رضا ، موج یا بھانے میں رہتے ہیں ۔ اس کی رضا میں راضی رہتے ہیں ۔"

اس مسلمان بھائی نے پوچھا ، "لیکن دعا کرنے میں کیا حرج ہے ؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا ، " اہل رضا ، کا اعتقاد ہے کہ اگر وہ مالک اس دنیا کا سارا انتظام خود کرتا ہے ، اگر وہ سب کچھ جانتا ہے تو کیا اسے کسی کی صلاح و مشورہ یا دعا کی ضرورت ہے ؟ کیا وہ ایسے مشورے مان لے گا ، جو اس کی نگاہ میں غلط یا نقصان دِہ ہیں ۔ کیا ہمیں اس سے یہ کہنا چاہئے کہ تو یہ کر اور یہ نہ کر ؟"

پروفیسر جگموہن لال نے کہا ، " آخر دعا ہے کیا ؟ مالک کی عقل و رحمت پر بے اعتمادی ہی تو ہے ؟"

تب رائیزادہ ہنسراج بولے ، " در اصل دعا کی بنیاد انسان کا یہ لاعلمی والا خیال ہے

کہ وہ مالک کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی غلطی کرنے والا ہے اور اسے اس کے بڑے نتائج سے پیش از وقت آگاہ کرنا ہمارا فرض ہے۔"

پنڈت ٹھاکر دت درمیان میں ہی بول اٹھے، "لیکن دعائیں تو دیدوں میں بھی ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "انسان کو مالک سے صرف رحم و کرم اور اپنے گناہوں کی معافی کے لئے ہی دعا کرنی چاہئے۔ ہم دنیا کی حقیر اور فانی چیزوں کے لئے دعا کیوں کریں؟ مولانا روم فرماتے ہیں" مالک سے خود مالک کے سوا اور کسی چیز کی طلب مت کرو۔ دنیا داری کی بے کار خواہشات سے اپنے دل کو میلا نہ کرو 1۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں۔ "اس مالک سے "نام" کے سوا اور کسی چیز کا مانگنا درد و مصیبت کو بلاوا دینا ہے۔"

رائے زادہ بول اٹھے، "ہمارے لئے دعا کا یہ پہلو تو بالکل نیا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "یہ دنیا والے بڑی عجیب، عجیب دعائیں کرتے ہیں۔ چند دِن ہوئے مجھے ایک صاحب کا خط ملا، جس میں انھوں نے اپنی پالتو بیمار بلی کے لئے دعا کرنے کے لئے عرض کیا تھا۔ یہ عرض کسی نادان لڑکی کی یا بھولے بھالے دیہاتی کی نہ تھی بلکہ خط کے لکھنے والے ایک تعلیم یافتہ، مہذب یورپین حضرت تھے۔ لوگ اپنے کتے، بلی گھوڑے، گلہری کے لئے دعا کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ وہ ان کو معلوم ہے اور کم از کم ست سنگی تو سب جانتے ہی ہیں، کہ تمام تکلیفیں اور بیماریاں جاندار کو گزشتہ اعمال (پچھلے کرموں) کے مطابق آتی ہیں۔ کرموں کا یہ قرض ادا کرنا ہی پڑتا ہے شیطان (کال) تو اپنے قرض کی کوڑی، کوڑی وصول کرتا ہے۔ اگر وہ اس روح سے وصول نہیں کر سکتا تو اس کے اعمال (کرموں) کا بوجھ اپنے سر لینے والے مُرشد سے لیتا ہے۔ اس بات کو ست سنگی

---

1 از خدا غیر از خدا چیزے مخواہ دل مکُن از فکر باطلہا سیاہ (مولانا روم)

بخوبی جانتے ہیں، تو بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے کُتے بلیاں بچ جائیں، خواہ ان کے مُرشد کو کتنا ہی درد سہنا پڑے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ وہ اپنے مُرشد سے زیادہ اپنے کُتے، بلیوں سے پیار کرتے ہیں اور اس پر دعوےٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے مُرشد کو کُل مالک سمجھتے ہیں۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے پوچھا، "تو کیا دعا کرنی ہی نہیں چاہئے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "نہیں، دعا کے اپنے فائدے ہیں۔ یہ انسان کو عاجز بناتی ہے اور اس کے غرور وتکبّر کو دُور کرتی ہے۔ انسان کی بے بسی ولاچاری کو اس پر عیاں کر کے، اسے بندگی اور خدا پرستی عطا کرتی ہے۔ ہماری تمام زندگی ہی دعا کی صورت ہونی چاہئے۔ ایسی دعا ہمارا باطن پاک کر دیتی ہے۔"

ایک مسلم بھائی نے عرض کیا، "حضور کیا، آپ ہمیں ایک اچھی دعا کا نمونہ بتائیں گے؟"

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا، "اگر میں دعا کرتا تو یوں کرتا۔"

"میرے مالک! میں بالکل نادان ہوں۔ میں نہیں جانتا، تجھ سے کیا مانگوں۔ میرے لئے جو تو مناسب سمجھے، وہی دے دے۔ اور مجھے وہ قوت اور عقل بخش کہ جو کچھ تو دے، یا جہاں اور جیسے تو رکھے، اسی میں خوش رہوں۔ مجھ میں کوئی خُوبی نہیں، بندگی نہیں۔ میرے اعمال پُرگناہ وسیاہ ہیں۔ مجھ میں کوئی اچھائی نہیں۔ نفس نے مجھے بُری طرح پامال کر دیا ہے۔ اے مالک! مجھ جیسے گنہگار کے لئے تیرے قدموں کے سوا اور کوئی ٹھکانہ نہیں۔ رحم کر اور مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہئے، مجھے اپنا غلام بنالے تاکہ میں تیرا ہو جاؤں اور تو میرا ہو جائے۔"

وہ مسلمان بھائی بولے، "خوب!"

اس کے بعد حضور مہاراج جی نے کبیر صاحب اور دھنّا جٹ کی دعائیں سنائیں، جس پر سب لوگ خوب ہنسے:-

کبیر صاحب کی دعا (پرارتھنا)

بھوکے بھگت نہ کیجے یہ مالا اپنی لیجے
ہوں مانگوں سنتن رینا میں ناہیں کسی کا دینا
مادھو کیسی بنے تم سنگے آپ نہ دیہے تو لیہو منگے
دوئے سیر مانگوں چونا پاؤ گھیو سنگ لونا
(یہ فرمائش میری ہے)
ادھ سیر مانگوں دالے موکو دونو دکھت جوالے
کھاٹ مانگوں چوپائی سرہانہ اور تلائی
اوپر کو مانگوں کھیندھا تیری بھگت کرے جن تھیندھا
میں ناہیں کیتا لبو اک ناؤ تیرا میں فبو
کہہ کبیر من مانیا من مانیا تو ہر جانیا
(آدی گرنتھ، صفحہ 656)

دھنّا جٹ کی دعا

گوپال تیرا آرتا
جو جن تری بھگت کرتے تن کے کاج سوارتا
دال سیدھا مانگو گھیو ہمرا خوسی کرے نت جیو
پنیا چھادن نیکا اناج مانگو ست سی کا
گئو بھینس مانگو لاویری اک تاجن تری چنگیری
گھر کی گیہن چنگی جن دھنا لیوے منگی

حضور نے کہا، "ان دعاؤں کا مطلب یہ دِکھانا ہے کہ ہماری ضرورتیں کتنی کم ہیں اور ہم مانگتے کتنا زیادہ ہیں۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے کہا، "لیکن جو کچھ ہم مانگتے ہیں۔ وہ مِلتا تو ہے نہیں۔"

حضور نے ارشاد فرمایا، "مالک ہمیں سب کچھ دے سکتا ہے اور دیتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ہمیں مانگنا کیا چاہئے؟ میں آپ کو اس بارے میں اپنا ایک ذاتی تجربہ سُناتا ہوں۔ تب میں ملازمت میں تھا اور کوہ مری میں ملٹری سب ڈویژن کا انچارج تھا۔ مری ایک اہم فوجی مقام ہے حکومت نے وہاں پانی پہنچانے کے لئے ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے مطابق بہت دور سے پانی لانے کی تجویز تھی، جس کے لئے بڑی مضبوط اور سخت چٹانوں میں سے پائپ لائن بچھانی تھی۔ یہ کام مجھے سونپا گیا۔

پہلے ماہ کے تجربہ سے ہی یہ معلوم ہوا کہ اگر ان چٹانوں کو چھینی اور دیگر اوزاروں سے کاٹا گیا تو بہت وقت لگے گا اور یہ کام مقررہ رقم اور وقت میں مکمل نہ ہو پائے گا۔ ایک ماہ میں ہم صرف دو فرلانگ ہی بڑھ پائے اور سرکار کی منظور شدہ رقم کا چوتھا حصہ خرچ ہو گیا میں نے افسرانِ بالا کو حالات سے آگاہ کیا اور اس کام کو بارودی سرنگ کے ذریعہ مکمل کرنے کی اجازت مانگی۔ اجازت مِل گئی اور کام تیزی سے چلنے لگا۔ جب ہم آخری میل تک پہونچے تو وہ راستہ شہر کے اس حصہ میں سے ہو کر گزرتا تھا، جہاں یورپین لوگوں کے بنگلے تھے۔ جس سڑک پر یورپین لوگوں کی دکانیں اور ایک بڑا گرجا گھر تھا۔ ہماری پائپ لائن کو اس کے نیچے سے گزرنا تھا۔ دکانداروں اور پادریوں نے سرکار کو بذریعہ نوٹس اطلاع دی کہ اگر بارودی دھماکہ سے ان کی جائداد کا کچھ بھی نقصان ہوا، حتیٰ کہ کھڑکیوں کا ایک بھی شیشہ ٹوٹا تو سرکار کو اس کا معاوضہ دینا ہو گا۔

ہم نے دوبارہ چھینی ہتھوڑی سے چٹان کاٹنا شروع کر دیا لیکن وہاں کی چٹان

بہت ہی سخت نکلی اور اسے کاٹنے کا خرچ دس گُنا زیادہ آنے لگا۔ سرکار کے لئے ایک بڑی پریشانی پیدا ہو گئی۔ اعلےٰ افسران کی میٹنگ بلائی گئی لیکن ان کو اس مشکل کا کوئی حل نہ ملا۔ ساری بحث اور دماغ سوزی بیکار گئی۔ آخر میرے سب سے اعلےٰ افسر میری طرف مڑے اور بولے، کیا آپ کے پاس اس مُشکل کا کوئی حل یا کوئی تجویز نہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ مجھے ابھی ایک ترکیب سوجھی ہے۔ اگر آپ مجھے لکڑی کے دو چار سو سلیپر خریدنے کی اجازت دیں تو میں یہ کام پورا کر سکوں گا۔ انھوں نے کہا، جتنے چاہو، خرید لو۔ ہم اس معاملہ کو پوری طرح آپ پر چھوڑتے ہیں۔ اگر آپ اس مشکل کو حل کر لیتے ہیں تو ہمیں بے حد خوشی ہو گی۔ یہ کہہ کر وہ سب چلے گئے۔

میں نے چٹان کے سرے پر لکڑی کے دو تین بڑے سلیپر رکھ کر بارودی سرنگ کا کام دوبارہ شروع کر دیا۔ میری ترکیب کامیاب رہی اور ہم بخوبی آگے بڑھنے لگے۔ شروع، شروع میں سارا کام میں خود دیکھتا تھا، ماتحتوں کے ذِمے چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ بڑی دکانوں والے حصہ تک پہنچتے، پہنچتے میرے ماتحت اور مزدور ہوشیار اور ماہر ہو گئے اور میں ان کی طرف سے بے فکر ہو گیا۔ ایک دن صبح، جب گرجا گھر اور سب سے بڑی انگریزی دکان کے عین درمیان کام چل رہا تھا، میرا نوکر میرے لئے دودھ لے کر آیا۔ اس دن صبح، میں معمول کی نسبت جلدی چلا آیا تھا۔ تب تک ناشتہ تیار نہ تھا اس لئے میں نوکر سے کہہ آیا تھا کہ وہ میرے لئے دودھ کام کرنے والی جگہ یعنی موقعہ پر ہی لے آئے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو پہلے سے جما رکھے بارودی مادہ کو اڑانے کے لئے کہا اور خود دودھ پینے کے لئے تھوڑی سی دیر کے لئے وہاں سے ایک طرف ہو گیا۔ جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ دھماکہ بڑی کامیابی سے ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ چلو اب باقی ماندہ دو بارودی ٹکڑوں پر بھی سلیپر رکھ دیں۔

میرا اوورسیر بولا، "صاحب، ہم تو پہلے ہی وہاں فلیتہ لگا چکے ہیں۔"

میں نے کہا، "فلیتہ لگا دیا؟ اوہ، مالک! ارے، ان پر سلیپر تو لگائے ہی نہیں گئے تھے۔ تم سب کچھ برباد کر دوگے، یہ کیا کر دیا؟"

"اس وقت ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کا نہ تھا۔ میں فوراً ان بارودی ٹکڑوں کی طرف دوڑا، جن کو آگ لگا دی گئی تھی۔ میں نے سوچا، ہو سکا تو ان فلیتوں کو باہر نکال لوں گا۔ مجھے میرے ایک انگریز ماتحت نے راہ میں دونوں ہاتھ سے پکڑ لیا اور بولا، 'میں آپ کو ٹکڑے ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھ سکتا، میں نے کہا، 'فرانسس، مجھے جانے دو' لیکن وہ مان نہیں رہا تھا۔

تب اچانک میرے منہ سے ایک دعا نکلی۔ میں نے چند روز پہلے باباجی مہاراج سے نام دان لیا تھا۔ میں نے بہت عاجزی سے ان کو یاد کیا۔ مجھے بارود کے پھٹنے سے اپنے جسم کے نقصان کا کوئی خوف نہ تھا۔ مجھے تو یہ خیال ستا رہا تھا کہ وہ یورپین افسر، جنھوں نے ہم پر اعتماد کر کے یہ بڑا مشکل اور ذمہ داری کا کام ہمارے سپرد کیا تھا، ہمارے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ بس، میں ان بارودی ٹکڑوں کی طرف دوڑ پڑا۔ سب لوگ خوفزدہ اور ہکّے بکّے کھڑے رہ گئے۔ میرے ساتھی اور ماتحت، مجھے بہت چاہتے تھے۔ لہذا وہ میری سلامتی کے لئے بہت فکرمند ہو گئے۔"

"ان فلیتوں کو نکالنے کے بعد معلوم ہوا کہ انچ کا صرف چوتھائی حصہ جلنے کے بعد وہ بُجھ گئے تھے۔ وہ کیسے بُجھے، یہ میں آج تک نہیں جان پایا۔ ان میں کوئی خرابی بھی نہ تھی، کیونکہ جب ان کو دوبارہ کام میں لایا گیا تو وہ بالکل صحیح و کارگر ثابت ہوئے۔"

مسلمان صاحب بولے، "اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کبھی کبھی ہماری دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ لیکن نہ معلوم، اُن کو منظور کرنے کا اُس نے کیا اصول طے کر رکھا ہے۔"

حضور مسکرائے اور فرمایا، "ہماری آنکھیں تو صرف ظاہرہ باتوں کو ہی دیکھ سکتی ہیں لیکن خدا تو قادرِ مطلق وعلیم و بصیر ہے، یعنی سب طاقتوں کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ وقت کی حدُود سے پرے دیکھتا ہے۔ ہمیں اس کے حکم میں رہنا چاہئے اور جو کچھ وہ عطا

فرمائے، بخوشی قبول کرنا چاہئے۔ ہمارے دل میں اس کی رضا کو بدلنے کا خیال تک نہیں آنا چاہئے۔"

"بصرہ کی درویش عورت، بی بی رابعہ بصری کے متعلق کہا جاتا ہے، اس نے اپنی بیماری کو دُور کرنے کے لئے کبھی دوا نہ لی اور نہ ہی اپنی غربت دور کرنے کی کوشش کی۔ ان دو چیزوں کو اس نے مالک کی بخشش جان کر قبول کیا۔"

حضور مہاراج جی نے بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا،" پانچویں پادشاہی، گورو ارجن دیو جی (جو بادشاہ جہانگیر کے وقت میں ہوئے) کو بادشاہ کے حکم پر، پنجاب کے صوبیدار نے بہت اذیتیں دی تھیں۔ اُن کو تپتے ہوئے توے پر بٹھایا گیا۔ ان کے ننگے جسم پر جلتی ہوئی گرم ریت ڈالی گئی۔ مسلمان فقیر، میاں میر، ان سے ملنے جیل میں گئے۔ ان سے گورو صاحب پر ڈھائے جارہے ظلم برداشت نہ ہو سکے۔ انھوں نے گورو ارجن دیو جی سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان جلادوں اور ان کے ظلموں کے ساتھ ساتھ، سارے لاہور کا نام و نشان مٹادوں۔ گورو ارجن دیو جی مسکرائے اور فرمایا، میرے بھائی! پہلے اس بات کا جواب دو، کیا یہ سب کچھ میرے پیارے مالک کی رضا کے خلاف ہو رہا ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس کے حکم اور اس کی رضا سے جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں مجھے بے حد خوشی ہے :- "تیرا بھانا میٹھا لاگے۔"

رانیزادہ ہنسراج نے کہا،" دنیا نے فقرائے کامل اور سنتوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے ہیں۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے کہا،" یہ کتنی بے رحمی کی بات ہے کہ ایک انسان پر اس لئے ظلم کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کی عبادت اس طریقے سے نہیں کرتا، جس سے کہ دیگر لوگ کرتے ہیں۔"

مسلم بھائی نے سوال کیا،" حضور ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

حضور نے فرمایا، "عشق اور دلیل کا رخ الگ الگ طرف ہے، پیار کسی قانون کو نہیں جانتا اور دلیل کسی پیار کو نہیں جانتی۔ دلیل اور قانون اس دنیا کے کاروبار کے لئے بنے ہیں۔ مقامِ حق پر صرف پیار کے پروں پر ہی اُڑ کر پہنچا جا سکتا ہے" صد کتاب و صد ورق در نار کن" یعنی اپنی کتابوں اور کتابی علم کو آگ میں جلا دے اور مالک کے عشق سے اپنے دل کو ترو تازہ بنا، یعنی اپنی پاک محبت کے پاک پانی سے باغیچہٗ دل کو سیراب کرے۔"

"سنت اور فقرائے کامل آ کر فقط اس مالک کے عشق کے گیت گاتے ہیں۔ وہ دنیا کے رسم و رواج، شریعت یا روایات میں دخل نہیں دیتے۔ وہ دُنیا یا دنیا کے خواہشمندوں سے نہیں اُلجھتے۔ اگر کسی کے ہاں شادی ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اپنے سماج کے رسم و رواج کے مطابق، یا جیسا بھی چاہو، کرلو۔ مطلب تو صرف دولہا دولھن کے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے یا ازدواجی زندگی میں بندھنے سے ہے۔ اسے جیسے بھی مناسب سمجھو، کرلو۔ موت کے بعد خاکی جسم کو، آخری رسومات کے طور پر، خواہ دفنا دو یا جلا دو۔ بچے کی پیدائش پر اُس کا نام رکھنے کی رسم جیسا چاہو، کرلو۔ خدا ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں دخل نہیں دیتا۔ وہ تو صرف آپ کی پاکیزگی اور سچا عشق ہی چاہتا ہے۔"

"مشکل تب پیدا ہوتی ہے، جب کوئی دلیل باز اپنے اصولوں کو مالک کے عشق کی حدود میں عائد کرنے کی جبراً کوشش کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ شریعت خدا کے بندوں کی بھی عشق کی راہ میں راہ نمائی کرے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ عاشقوں کا خدا کے لئے اور خدا کا اپنے عاشقوں کے لئے عشقِ لامحدود ہوتا ہے۔ یہ عشق کسی حد و بند کا پابند نہیں۔ خدا کے عاشق ہر قانون سے اُوپر اور پرے ہیں۔ وہ اپنے محبوب میں جذب ہو کر وہی ہو جاتے ہیں۔"

عاشقوں کے سرتاج، منصور کو سُولی پر کیوں چڑھایا گیا؟ کیونکہ اپنے عشق کی مستی میں جُھوم کر وہ چلّا اُٹھا، "میں وہی ہوں، وہی ہوں، (انا الحق، انا الحق)۔ عشق کی حالت سے

سے ناواقف ، بے پیروں کا کھو کھلا فلسفہ ، منصور کے روحانی درجہ کو نہ جان سکا اور اس کے خلاف کفر کا فتوےٰ دے ڈالا ۔ شمس تبریز کی زندہ کھال کھینچ لی گئی کیونکہ ایک مردہ بچے کو ، 'جو خدا کے حکم سے اُٹھ جا' کہنے پر کھڑا نہ ہوا تھا ، خود یہ کہہ کر زندہ کر دیا کہ ، 'میرے حکم سے اُٹھ جا'۔ پرم سنت کبیر صاحب فرماتے ہیں ،" کرتا کرے نہ کر سکے ، سنت کرے سو ہوئے "۔

پلٹو صاحب فرماتے ہیں کہ سنت و فقرا خدا کے اتنے محبوب اور نزدیک ہوتے ہیں کہ وہ اس سے جو چاہیں کرالیں ، وہ انکار نہیں کرتا ۔ لیکن بال کی کھال اتارنے والے دلیل باز کے خیال میں یہ نکتہ نہیں آسکتا ۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو بات وہ نہیں سمجھ سکتا ، وہ بات ناممکن ہے ۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ کچھ ایسے بھی میدان ہیں ، جہاں عقل و دلیل کی رسائی ہی نہیں ۔ "

مسلمان بھائی نے کہا ، " لیکن شریعت کے قانون کی تعمیل بھی تو ضروری ہے ۔ "

حضور نے فرمایا ، " ضرور ، لیکن ان کی اپنی حدود میں ۔ شریعت اور طریقت سے آگے معرفت و حقیقت کے میدان بھی ہیں ۔ ایک طالب علم کو اپنی ابتدائی جماعت میں ہی نہیں رُکے رہنا چاہئے ۔ فقرائے کامل نے روحانی ترقی کے چار درجے بتائے ہیں : شریعت پہلا درجہ ہے ۔ فقط نیک و پاک زندگی بسر کرنا ہی تو آخری منزل نہیں ۔ اس کے بعد عامل طریقت کے درجے میں آتا ہے ۔ یہاں اس کا مقصد مُرشدِ حقیقی کی تلاش ہوتا ہے تاکہ اس کی راہ نمائی میں روحانی شغل و عمل کر کے وہ مالک کی درگاہ تک پہنچ سکے ۔ تیسرا درجہ معرفت کہلاتا ہے ، یہاں اسے عرفان یا روحانی علم حاصل ہوتا ہے ۔ چوتھا درجہ حقیقت کا ہے ، یہاں روح اپنے مالک سے مِل کر ایک ہوجاتی ہے ۔ اب ذرا یہ بتائیے کہ کون ہے جو ہمیشہ کے لئے اپنے پہلے درجہ میں پڑا رہنا چاہے گا ، جب کہ اسے اوپر کے درجوں کا بھی پتہ ہو اور یہ بھی علم ہو کہ روحانی ترقی کے لئے یہ اوپر کے درجے بہت ضروری ہیں ۔

مسلمان بھائی نے پوچھا ، " کیا آپ کا راستہ بھی یہی ہے ؟ "

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "سنتوں اور فقرا کی راہ سدا ایک ہی رہی ہے، خواہ وہ کسی قوم، ملک یا مذہب میں کیوں نہ آئے ہوں۔ یہ ہر ایک زمانہ کے لئے یکساں ہے۔ یہ انسانی تخلیق نہیں کہ اس میں کمی بیشی یا ردوبدل کیا جا سکے۔ یہ تو خود مالک کا بنایا ہوا ہے اور انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی بنا ہے۔ یہ ہر زمانہ میں ہر انسان کے لئے یکساں ہے۔"

مسلمان بھائی نے پوچھا، "آپ کے روحانی عمل کا اسلامی نام کیا ہے؟"

حضور مہاراج جی کچھ مسکرائے اور فرمایا، "مسلمان فقرائے کامل اسے "سلطان الاذکار" کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں، ذِکروں کا بادشاہ۔"

اس کے بعد اس مسلم بھائی نے کہا، "ہندوؤں کا یہ پُنر جنم کا اصول مجھے اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔"

حضور نے فرمایا، "میں چند الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ قانون قدرت ہے، 'جو مانگوگے وہی مِلے گا'۔ ہماری زندگی کو ہماری خواہشات و تمناؤں کے مطابق شکل دی جاتی ہے۔ جو بھی خواہش بھی ہم کرتے ہیں، قدرت اُسے پُورا کرنے کا بندوبست کرتی ہے۔ ہماری پیدائش، جائے پیدائش، خاندان اور دیگر حالات جن میں ہماری پیدائش ہوتی ہے، سب اسی قانون کے مطابق ازل سے بنتے چلے آرہے ہیں۔ جہاں آسا تہاں واسا، جہاں ہماری تمنائیں ہیں، وہیں ہم کھنچے چلے آتے ہیں۔ دنیاوی چیزوں کے لئے ہمارا لگاؤ اور اُنس ہی ہمیں بار بار کھینچ کر یہاں لے آتا ہے۔ جتنی شدید ہماری خواہشات اور ان کا لگاؤ ہوتا ہے، اتنا ہی جلد ہم ان خواہش کردہ چیزوں کو حاصل کر لیتے ہیں۔"

"ہماری خواہشات تو پوری ہو کر رہیں گی، البتہ یہ ضروری نہیں کہ وہ اسی زندگی میں ہوں۔ ممکن ہے اس زندگی میں کسی خاص تمنا کے پورا ہونے کے لئے حالات موافق نہ ہوں، لہٰذا وہ خواہش ہمارے باطن (انتہ کرن) میں درج کر لی جاتی ہے۔ اور قدرت اس کے پورا کرنے

کا بندوبست شروع کر دیتی ہے ۔مگر پورا کرنے کے لئے وقت تو درکار ہوتا ہے ۔اس کے علاوہ یہ اس بات پر بھی منحصر ہے کہ ہماری خواہش و تمنا کیسی ہے اور کتنی شدید یا ہلکی ہے ۔ اگر ہمارا موجودہ جسم اس خواہش یا تمنا کے ناقابل ہے تو ہمیں دوسرا جنم دیا جائے گا۔جس میں ہماری یہ ادھوری خواہشات پوری ہو سکیں ۔"

"فرض کیجئے، ایک نوجوان، شادی شدہ عورت بے اولاد مر جاتی ہے ۔وہ تمام عمر اولاد کے لئے ترستی رہی، اور دعائیں مانگتی رہی، اس لئے اس کی اس شدید تمنا کا بوجھ اس کے باطن میں موت کے وقت بھی بنا رہا۔ قدرت اسے ایسا جسم دے گی (کسی مادہ جانور کا) کہ اس کو ہر چھ، چھ ماہ کے بعد ایک ساتھ چھ، چھ بچے پیدا ہوتے رہیں ۔ قدرت بڑی بے رحم اور سخت ہے ۔جسم اور شکل اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ۔وہ تو صرف اس بات پر توجہ دیتی ہے کہ باطن میں کیا خواہشات درج ہیں اور کس قسم کے جسم میں وہ پوری ہو سکتی ہیں ۔ ہمارے باطن میں درج خواہشات ہر زندگی میں ہمارے ساتھ جاتی ہیں ۔"

مسلم حضرات میں سے ایک نے کہا، "قدرت کا ایک انسان کو آدمی کے جسم سے جانور کے جسم میں لے جانا تو بڑی ناانصافی و ظلم کی بات معلوم ہوتی ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "قدرت یقیناً بہت ہی سخت ہے ۔ آپ کو قدرت جیسی سختی اور سخت گیری دنیا کی کسی حکومت یا سرکار میں نہیں ملے گی ۔ کیا یہ درست نہیں کہ کبھی، کبھی انسان کا سلوک اتنا خراب و بدتر ہوتا ہے، جتنا کسی حیوان کا بھی نہیں ہوتا اگر قدرت ایسے جاندار کو ان نچلی سطح کی زندگی میں بھیج دیتی ہے، جن میں اسے اپنے اعمال یعنی کرموں کا پھل پانے اور ان سے تجربات حاصل کر کے آئندہ سدھار کے لئے صحیح ماحول ملتا ہے تو اس میں غیر مناسب کیا ہے ؟ "پُنر جنم" کے قانون کے ساتھ اعمال کا قانون بھی جڑا ہوا ہے ۔جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، کرموں کا قرض تو ادا

کرنا ہی ہو گا۔ پچھلے کرموں کا حساب کتاب ہر زندگی کے ساتھ جاتا ہے۔"

"فرض کیجئے، آپ نے اپنے لڑکے کو سکول میں داخل کروا دیا۔ وہ روزانہ مدرسے جاتا ہے اور سخت محنت کرتا ہے تا کہ سال کے آخر میں استاد اسے اگلی جماعت میں ترقی دیدے۔ لیکن اگر وہ اپنا سبق یاد نہیں کرتا، بلاناغہ سکول نہیں جاتا اور بُری صحبت میں آوارہ گردی کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس درجہ میں رہنے کی اپنی قابلیت بھی کھو دیتا ہے، کیا اس حالت میں استاد کا اس کو واپس نچلے درجہ میں بھیج دینا مناسب نہ ہو گا؟"

اسی طرح یہ دنیا بھی بہت بڑا مدرسہ ہے، جس میں ہمارے باپ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کچھ سیکھنے، یعنی علمِ روحانیت حاصل کرنے اور حق کی پہچان کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس دنیا کے سکول میں بھی بہت سی جماعتیں اور درجے ہیں۔ اگر ہم زندگی کے دوران وہ سبق سیکھ لیتے ہیں، جس کے لئے ہمیں اس مدرسے میں بھیجا گیا ہے، یعنی اپنے آپ کو اور اپنے مالک کو پہچان لیتے ہیں، تو یقیناً ہم اونچے درجے یعنی اوپر کے روحانی طبقات میں پہنچا دئیے جائیں گے۔ لیکن اگر ہم اپنا سبق سیکھنے کی بجائے پچھلے درجے کا سیکھا ہوا سبق بھی فراموش کر دیتے ہیں یعنی ہم انسان ہوتے ہوئے بھی حیوانوں جیسا کام کرنے لگتے ہیں تو یقیناً ہم دوبارہ حیوانوں کے درجے میں پہونچ جائیں گے۔"

"یاد رکھئے، قدرت فضول خرچ نہیں ہے۔ وہ جیو (ذِی روح) کو وہی جسم دیتی ہے، جس میں وہ اپنی نامکمل تمناؤں کو بخوبی پورا کرے۔ اگر انسانی زندگی میں جیو کی تمنائیں حیوان جیسی ہوتی ہیں تو وہ نچلے درجہ میں گر کر اگلی زندگی میں حیوان کے جسم میں جنم لیگا۔"

شبد

اسی وقت حکومت پنجاب کے محکمہ صنعت کے نائب صدر، جناب ویربھان صاحب، ایک یورپین صاحب اور ایک یورپین عورت کے ساتھ تشریف لائے۔ فقرائے کامل و سنتوں کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی روحوں کو مقناطیس کی مانند کھینچ کر اپنے قریب لے آتے ہیں۔ حضور مہاراج جی کو دیکھتے ہی وہ یورپین عورت دوڑ کر ان کے قدموں میں گر گئی۔ حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیئے اور اسے اُٹھنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ نہ اٹھی۔ وہ اور رونے لگی اور حضور کی قدمبوسی شروع کر دی۔ وہ ایک ناقابل فراموش نظارہ تھا۔ حضور ایک نیچی آرام کرسی پر تشریف فرما تھے اور وہ عورت اپنے آنسوؤں سے ان کے مبارک قدم تر کر رہی تھی۔

حضور نے فرمایا، "اطمینان کرو میری بیٹی، اُٹھو اور بیٹھ جاؤ۔"

اس عورت نے اپنا سر ذرا سا اوپر اٹھایا، مہاراج کی آنکھوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا۔

حضور نے پھر فرمایا، "اب بس کرو، اٹھو اور باتیں کرو۔ تم نے یہ ماتھا ٹیکنے کا ہندوستانی طریقہ کہاں سے سیکھا؟ اچھا بیٹا اب اٹھو۔"

ان الفاظ میں پیار اور حکم دونوں بھرے تھے۔ وہ عورت یہ سُن کر اٹھ بیٹھی۔ اس نے جواب میں عرض کیا، "میرے مالک! یہ سب کچھ آپ ہی نے تو سکھایا ہے۔"

حضور نے فرمایا، "لیکن اس سے پہلے تو ہم کبھی نہیں ملے؟"

" کیا ہم کبھی نہیں ملے ؟ کیا ہم پرانے دوست نہیں ؟ " اس نے ایک لمحہ رُک کر پھر کہا ، " کیا بچپن سے ہی آپ میرے ساتھی و راہ نما نہیں رہے ؟ "

اس کی ساری کہانی یوں تھی۔ اس کا نام مس ' ای '..... تھا اور وہ امریکہ کی رہنے والی تھی۔ بچپن میں اسے حضور مہاراج کا تصوّر میں دیدار ہوتا رہتا تھا لیکن وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ وہ کون ہیں ؟ کچھ عرصہ بعد اسے دیدار ہونا بند ہو گئے اور وہ ان کو بھُول سا گئی۔ ابھی ایک ہفتہ پہلے وہ ڈلہوزی آئی تھی اور اسے دوبارہ دیدار ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن اس بار اسے خواب میں دیدار ہونے لگے۔ دیدار سے اس کے دل کو بہت آرام و تسکین ملتا اور بہت خوشی حاصل ہوتی۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے جلد ہی اس کی زندگی میں کوئی بڑا واقعہ ہونے والا ہے اور یہ دیدار اس کی پیشگی اطلاع ہے۔ اس کی تمنا تھی کہ وہ وقت جلد از جلد آجائے لیکن یہ تو اس کے بس میں نہ تھا۔ جب موج آتی تو مہاراج جی اسے دیدار دیتے اور کہتے ' تیار رہو ' وہ اس کا کوئی مطلب نہ سمجھ پاتی تھی۔

وہ بولی ، " میں صرف دعا کر سکتی تھی ، اور وہ میں نے شروع کر دی۔ "

وہ اپنی کہانی سناتی چلی گئی ، " کل میرے ہوٹل میں ایک ہندوستانی صاحب اپنی خوبصورت بیوی بچوں کے ساتھ قیام کے لئے آئے۔ ان کو میرے پاس ہی کمرہ ملا۔ ان کے پاس بہت سے غیر ملکی اخبار اور رسالے مثلاً لائف ، ٹائم ، لُک ، سکیچ ، وغیرہ تھے۔ میں بمبئی چھوڑنے کے بعد ان رسالہ جات کو پڑھ نہ پائی تھی۔ اسی شام اس سلسلہ میں ان سے میرا تعارف ہو گیا۔ لیکن اس ملاقات سے مالک کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ظاہرہ طور پر مالک نے مجھے ایک باتصویر اخبار لینے کے لئے بھیجا تھا لیکن اصل میں وہ مجھے اپنی تصویر دِکھانا چاہتے تھے۔ جونہی میں نے ان کے کمرہ میں قدم رکھا ، میری نگاہ چاندی کے فریم میں لگی ہوئی ایک فوٹو پر گئی۔ میں ایک بچے کی طرح اس تصویر کیطرف دوڑ پڑی اور بغیر اجازت اسے اٹھا لیا۔

ایک لمحہ بعد میں نے پوچھا، "یہ کون ہیں؟ یہ کن کی فوٹو ہے؟"

اس شریف آدمی (جن کا نام بعد میں ویر بھان معلوم ہوا) نے جواب دیا، "یہ ہمارے مُرشدِ کامل کی فوٹو ہے۔ کیا آپ کبھی ان سے ملی ہیں؟"

میں نے کہا، "ہاں کئی بار، لیکن خواب یا تصوّر میں۔" میں نے دل میں سوچا کہ اس فوٹو میں بالکل وہی شکل ہے، جس کے مجھے دیدار ہوتے رہے ہیں۔ پُرسکون چہرے پر وہی روحانی نوُر، وہی شیریں مسکراہٹ، پیار اور رحم و کرم بکھیرتی ہوئی، وہی نورانی نگاہیں، وہی سفید داڑھی اور وہی سفید اور اُجلی پوشاک۔

"میں اس فوٹو کو جذبات کے زیرِ اثر سینے سے لگاتی اور بار بار چُومتی رہی۔ میرے اس طرزِ عمل پر اس ہندوستانی کنبہ کو کچھ تعجب نہ ہوا وہ خاموش دیکھتے رہے۔"

میں نے جناب ویر بھان سے پوچھا، "یہ کہاں رہتے ہیں؟"

انھوں نے مجھے تھوڑا چڑاتے ہوئے جواب دیا، "اپنے پیاروں کے دِل میں۔"

میں نے ان سے پھر پوچھا، "میں ان سے کہاں مِل سکتی ہوں؟"

"اور یہ ہماری لمبی گفتگو کا نتیجہ ہے کہ آپ مجھے یہاں دیکھ رہے ہیں۔"

بعد میں اس نے بتایا کہ اس کے دل میں ایک شبہ تھا۔ فارس کے ایک مسلمان فقیر نے اسے بتایا تھا، "تمہیں اپنا مُرشد ہندوستان میں ملے گا۔ وہ دنیا کے سنتوں کا شہنشاہ ہے اس کا مقام شمالی ہندوستان میں ایک دریا کے کنارے ہے۔" اور جب اسے معلوم ہوا کہ حضور مہاراج جی کا ڈیرہ دریائے بیاس کے کنارے ہے تو اس کا وہ شبہ بھی مٹ گیا اور اسے پختہ یقین ہو گیا۔ وہ ایک عقلمند عورت تھی۔ اس نے امریکہ اور یورپ کی کافی سیر و سیاحت کی ہوئی تھی۔ وہ یورپ کی کئی زبانیں دُرست اور روانی سے بول سکتی تھی۔

جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ وہ ایک پُر خلوص سچی متلاشیٔ حق تھی۔ اس نے حضور سے

سنت مت کے ابھیاس (روحانی اشغال) کے متعلق کئی سوال کئے اور معلوم کرنا چاہا کہ سنت مت اور عیسائی مذہب میں کیا فرق ہے۔ اگلے دو، تین دن کا وقت اسی کو دیا گیا اس کے سوال اور حضور کے جواب اتنے دلچسپ و دلپذیر تھے کہ دیگر لوگوں کو کوئی اور سوال سوچنے کا خیال ہی نہ آتا تھا۔ پہلے دو دن اس نے سنت مت کے متعلق درجنوں سوال کئے اور پھر اس سے زیادہ سوال عیسائی مذہب اور حضرت عیسےٰ مسیح کے متعلق کئے۔

اہل یورپ اور اہل امریکہ کے متعلق ہماری یہ رائے تھی وہ لوگ بے حد مادہ پرست ہوتے ہیں ہماری یہ رائے سُنی سُنائی باتوں یا ان کی کبھی کبھار کی ملاقاتوں پر مبنی تھی۔ لیکن اس نوجوان عورت اور اس کے قریباً ایک درجن ساتھیوں کی زندگی نے، جو کہ اس کے ذریعہ ست سنگی بنے، ہماری اس رائے کو بالکل بدل دیا۔ اس نے ہمیں بتلایا کہ وہ اور اس کے کنبہ کے دیگر لوگ بچپن سے ہی روزانہ بائیبل پڑھنے اور ہر رات سونے سے پہلے دعا کرنا کبھی نہ بھُولتے تھے۔ وہ ہر اتوار چرچ جایا کرتے اور عیسےٰ مسیح کے احکامات و ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس میں جہاں تک ہو سکے غریبوں کی دِل و جان سے خدِمت کرنا بھی شامل تھی لیکن وہ رُوحانیت کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہ جانتے تھے۔

کچُھ دِن بعد وہ ایک امریکن پادری کو اپنے ساتھ لائی اور یہ کہتے ہوئے حضور مہاراج جی سے اس کا تعارف کرایا، "یہ ہیں محترم مسٹر 'ایچ' جو میرے 'فادر کنفیسر'[1] بھی ہیں۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ میں عیسائی مذہب ترک کر کے سنت مت اختیار کر رہی ہوں۔ یہ کتنی بھی کوشش کر لیں، اب میرا فیصلہ نہیں بدل سکتا۔"

مہاراج جی نے پوچھا، "آپ عیسائی مذہب کیوں ترک کرتی ہیں؟ آپ تو ایک حقیقی

---

1 جن کے سامنے اپنے گناہوں کا اظہار و اعتراف کیا جائے۔

عیسائی بننے جا رہی ہیں۔ عیسیٰ مسیح کے سچے احکام پر عمل کرنے جا رہی ہیں۔ آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ سنت مت کوئی مذہب نہیں ہے۔ سنت مت کے پیروکاروں میں آپ کو ہر مذہب کے لوگ ملیں گے۔ اس کے بنیادی اصول تمام مذہبوں کی تہہ میں موجود ہیں۔ مذہب کی تبدیلی سے خدا نہیں ملتا۔ ہر مذہب کے بندوں نے اسے پایا ہے۔ اصل اہمیت تو بندگی، عشق اور خدا سے وصال کی شدید طلب و تمنا کی ہے، مذہب کے ظاہرہ رسم و رواج اور روایت کی نہیں۔"

مشنری پادری نے کہا،" یہ محترمہ کہتی ہیں کہ آپ کے مطابق ایک عامل اب بھی عیسیٰ مسیح کے دیدار کر سکتا ہے۔"

حضور نے فرمایا،" ہاں کر سکتا ہے۔ لیکن باطن میں، کہیں باہر نہیں۔ اگر خدا کی بادشاہت ہمارے اندر ہے تو عیسیٰ مسیح بھی ضرور وہیں ہے۔ آپ کو وہاں صرف عیسیٰ مسیح ہی نہیں، بلکہ دیگر سب پیغمبر اور اولیاء بھی ملیں گے۔"

پادری نے پوچھا، " لیکن اندر جانے کا طریقہ کیا ہے ؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، " ہم شبد (ورڈ) کے زینہ پر چڑھ کر روحانی منزلوں میں پہونچتے ہیں۔ یہ وہی شبد ہے جس کے متعلق سینٹ جان نے کہا ہے، ورڈ (شبد) کائنات کے شروع میں خدا کے ساتھ تھا اور خدا ہی تھا۔"

پادری نے کہا،" لیکن وہ شبد تو اب دنیا میں نہیں ہے۔ عیسیٰ مسیح خود ہی وہ شبد تھا۔"

مہاراج جی نے ارشاد فرمایا،" بے شک، عیسیٰ مسیح ہی شبد تھا اور شبد ہی عیسیٰ مسیح تھا۔ آیئے ہم اس بات پر ذرا اطمینان سے غور کریں۔ بائیبل میں لکھا ہے، ورڈ (شبد) کائنات کے شروع میں تھا۔ شبد خدا کے ساتھ تھا۔ اور شبد خدا ہی تھا......سب کچھ اس کے ذریعے بنا اور اس کے بغیر بنائے کچھ نہیں بنا۔" یہاں شروع میں تھا، کا مطلب ہے کہ دنیا کی تخلیق سے پہلے جب کچھ نہیں تھا۔ کیا آپ واقعی یہ مانتے ہیں کہ یہاں شبد کے لئے جو کچھ کہا گیا ہے، وہ عیسیٰ نامی

انسان' کے لئے کہا گیا ہے؟"

کچھ وقفہ کے بعد حضور مزید فرمانے لگے، "نہیں، یہ اس طاقت کے لئے کہا گیا ہے، جو 'انسان' بنی اس طاقت کے لئے کہا گیا ہے، جو عیسٰے مسیح کی شکل میں ظہور میں آئی، جس کے متعلق سینٹ جان کا قول ہے، وہ شبد مجسّم ہو کر آیا اور ہمارے درمیان رہا۔ جس کی شان و شوکت کو ہم نے دیکھا،" یہ شبد تو خدا کی لافانی طاقت اور نور کا عظیم سمندر ہے، جس میں سے سب فقرائے کامل اور سنت آتے ہیں۔ فقرائے کامل اس شبد کے سمندر کی لہریں ہیں۔ وہ دنیا میں اپنا کام ختم کر کے، واپس اسی سمندر میں سما جاتے ہیں۔ عیسٰے مسیح بھی اسی بحرِ عظیم میں سے آئے، یہاں اپنا کام کیا، اس کے پُورا ہونے پر واپس اسی میں جا مِلے۔ جسم تو وہ لباس تھا، جو اس شبد نے یہاں اختیار کیا تھا، وہ جسم تو عیسٰے مسیح نہیں تھا۔ وہ جسمِ انسانی تو اس نے اس لئے اختیار کیا کہ لوگ اس کے پیغام کو سمجھ سکیں، کیونکہ انسان صرف انسان کی زبان ہی سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے شبد کو بھی انسانی جسم اختیار کرنا پڑا۔ جب اس کا کام پورا ہو گیا تو وہ اس جِسم کو یہاں ہی چھوڑ گیا۔ جو صلیب پر چڑھایا گیا، وہ صرف جسم تھا، خود عیسٰے مسیح نہ تھا۔ وہ عیسٰے مسیح، جو صلیب پر نہیں چڑھایا جا سکتا تھا اور کائنات کے شروع سے پہلے بھی تھا، وہ شبد ہی تھا۔ اور شبد ہی ہے۔ عیسٰے مسیح سے پہلے بھی بہت سے مسیح اس دنیا میں، مختلف ناموں سے مختلف ملکوں میں آئے ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ یہ دنیا کبھی بھی مسیح سے خالی نہیں رہ سکتی۔ مالک کے سچے متلاشیٔ حق کی امداد اور راہ نمائی کے لئے وہ ہر دم دنیا میں موجود رہتا ہے۔"

اس نوجوان عورت نے پوچھا، "مہاراج جی، اسے شبد کے نام سے کیوں پکارا جاتا ہے؟"

حضور نے فرمایا، "یہ شبد آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ انگریزی زبان میں لفظ 'ورڈ'

گریک زبان کے 'لوگاس' کا ترجمہ ہے اور گریک کا 'لوگاس' بھی ہبرو زبان کے 'ممرا' سے لیا گیا ہے۔ کائنات کی تخلیق کرنے والی اس طاقت کو قدیم ہندو مہاتماؤں رسیدہ ہستیوں نے 'شبد' اور 'ناد' کہا ہے، جس کا انگریزی زبان میں مطلب ہے 'آواز' اور یہی اس کے مطلب کو اور زیادہ واضح کرتا ہے۔ کیونکہ 'شبد' یا 'ناد' کا مطلب ہے آواز، حکم یا دُھن۔ میں سمجھتا ہوں گریک بائیبل کے 'لوگاس' کا بھی شروع میں اسی مطلب میں استعمال کیا جانا ہو گا"

"بائیبل کا قول ہے کہ ساری دنیا کی تخلیق 'شبد' (ورڈ) نے کی ہے اور اس کے بغیر کچھ نہیں بنا۔ اسی طرح سوامی جی مہاراج بھی فرماتے ہیں کہ سب کچھ اسی شبد نے بنایا ہے۔ گورو نانک صاحب کا فرمان ہے کہ اس شبد سے ہی زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔ شبد سے ہی روشنی کی پیدائش ہوئی۔ شبد سے ہی کائنات کی تخلیق ہوئی اور وہ شبد ہی سب کے اندر گونج رہا ہے 1۔ ورڈ اور شبد کے معنے بالکل یکساں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو زبان عیسےٰ مسیح بولتے تھے اور جس میں پہلے پہل بائیبل لکھی گئی، اس میں 'ورڈ' کا وہی مطلب ہو گا، جو اپنشدوں میں 'ناد' کا ہے۔"

پادری نے کہا، "یہ ممکن ہے کیونکہ بائیبل کئی زبانوں سے ترجمہ ہوتی ہوئی ہم تک پہونچی ہے۔"

امریکن عورت نے کہا، "اور اس میں کئی بار ترمیم کی گئی ہے۔ کئی پرانے 'پدوں' کو ہٹا کر نئے 'پد' شامل کئے گئے ہیں۔"

---

1 سبدے دھرتی سبدے آکاش، سبدے سبد بھیا پرگاس
سگی سرشٹ سبد کے پاچھے، نانک سبد گھٹے گھٹ آچھے
(جنم ساکھی۔ 19)

حضور مہاراج نے مزید فرمایا، "بائیبل روحانیت کے جواہرات سے پُر ہے۔ لیکن یہ چھوٹے چھوٹے حِصوں اور ٹکڑوں میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کو وہی انسان صحیح طور پر جان سکتا ہے، جو کِسی مُرشدِ کامِل سے فقرا کی اس راہ پر بعیت ہو چکا ہو، جو حضرت عیسےٰ کی بھی راہ تھی۔ عیسےٰ مسیح کی تعلیم کو صحیح معنوں میں سمجھنے میں یہی سب سے بڑی مشکل ہے۔ بائیبل میں یہ حکم اور تعلیم سلسلہ وار، ایک ہی جگہ درج نہیں۔ ان کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کہیں، کہیں کچھ حِصے خذف ہو گئے ہیں اور ان کھوئے ہوئے حصوں کے باعث، بائیبل کا اصل مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔"

پادری نے کہا، "بائیبل عیسےٰ مسیح کے صلیب پر چڑھائے جانے کے کافی عرصہ بعد لِکھی گئی ہے اس کے لکھنے والوں نے نہ کبھی عیسےٰ کو دیکھا اور نہ ان کی تعلیم کو خود سُنا تھا۔ انھوں نے اپنی بات کو اشاروں میں کہنے کا طریقہ استعمال کیا کیونکہ ان کو اذِیتوں اور ظُلموں کا خوف تھا، جو وقت کی حکومت عیسائیوں پر ڈھا رہی تھی۔ لہذا بائیبل کو یاداشت کے سہارے ہی لِکھا گیا۔"

امریکن عورت بولی، "عیسےٰ مسیح کے قول کوئی لکھتا تو نہ تھا۔"

حضور نے فرمایا، "جب بھی کِسی مُرشدِ کامِل کی تعلیم کو اس کے رحلت فرمانے کے بہت عرصہ بعد لِکھا جاتا ہے تو اسے، جیسا کہا گیا تھا، بالکل ویسا لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

امریکن عورت نے کہا، "اور جب وہ تعلیم دو تین زبانوں میں سے تر جمہ ہو کر نکلے، جب کہ ان زبانوں میں روحانی مضامین کو بیان کرنے کے لئے موزون ذخیرہ الفاظ بھی نہ ہو، تو آپ خود ہی اندازہ لگالیجئے کہ مُرشدِ کامِل کی اصل تعلیم کی کیا شکل بن جائے گی۔"

حضور نے فرمایا، "ترجمہ خواہ کتنا ہی عقلمندی اور قابلیت سے کیوں نہ کِیا گیا ہو، پھر بھی اس میں اصل بات کے کچھ حصے رہ جانے کا ڈر اور امکان ضرور ہوتا ہے۔"

امریکی عورت نے کہا، "بعض اوقات ترجمہ کرنے والے کو اپنی زبان میں کسی خاص بات کے لئے موزوں الفاظ نہیں ملتے اور تب وہ اپنی مرضی کے الفاظ میں بات کو سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح اصل کتاب میں پائے جاتے جذبات کے دب جانے کا ڈر رہتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بے شک، یہ تو قدرتی ہے۔ بعض اوقات ترجمہ کرنے والا اصل زبان کے جذبات اور محاورات کو صحیح طور پر نہ سمجھ پانے کے باعث ان کی ترجمانی اپنے خیالات کے مطابق کر دیتا ہے۔"

تب پادری نے کہا، "چند دن ہوئے مجھے ایک جرمن عالم نے بتایا کہ حضرت عیسےٰ مسیح کے اس قول میں "سوئی کے ناکہ سے اُونٹ کا نکلنا آسان ہے، مگر ایک امیر آدمی کا خدا کی بادشاہت میں داخلہ پانا مشکل ہے۔" جس لفظ کا ترجمہ 'اُونٹ' کیا گیا ہے، اس کا صحیح مطلب اونٹ نہیں بلکہ ایک رسہ یا موٹا دھاگا ہے۔"

حضور نے فرمایا، "بعض دفعہ ایک ہی لفظ کے دو مطلب بھی ہوتے ہیں۔ یہاں اس لفظ کا ایک مطلب اُونٹ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ میں ترجمہ کرنے والے کی شخصیت کی جھلک انجانے بھی آ ہی جاتی ہے اور جب وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ مُرشدِ انِ کامل (سنتوں) کو کیا کہنا چاہئے تھا یا انھوں نے کیا کہا ہوگا تو اس میں اس کی اپنی عقل و شخصیت کا عکس آ ہی جاتا ہے۔" پادری نے اعتراف کیا کہ بائیبل میں عیسےٰ مسیح کی اصل تعلیم چھوٹے، چھوٹے حصوں اور ٹکڑوں میں بکھری ہوئی ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "اور یہ بکھرے ہوئے ٹکڑے اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں کہ بائیبل میں عیسےٰ مسیح کی تعلیم کی کڑیاں ٹوٹی ہوئی ہیں اور ان ٹوٹی ہوئی کڑیوں کو کوئی تجربہ کار مُرشدِ کامل (سنت) کامل فقیر ہی جوڑ سکتا ہے یا واضح کر سکتا ہے۔"

حضور نے ویر بھان کی طرف مڑ کر فرمایا، " انھیں سنت مت کی کچھ کتابیں دے دیجئے۔"

اور پھر پادری سے فرمایا، " آپ جتنا توجہ سے سنت مت کے ادب کا مطالعہ کریں گے اتنا ہی صاف اور صحیح طور پر بائیبل کے اصل مطلب کو سمجھنے میں کامیاب ہوں گے۔ جو انسان روحانیت کی رمزوں کو بخوبی جانتا ہے، وہی بائیبل کے اصل مطلب اور اہمیت کو جان سکے گا۔"

امریکن عورت درمیان میں بول اٹھی، " مہاراج جی عیسٰے کو بائیبل، میں خدا کا میمنا، کہا گیا ہے۔ آج تک کوئی بھی مجھے ان الفاظ کا تسلّی بخش مطلب نہیں سمجھا سکا۔ کیا آپ اصل مطلب سمجھا سکتے ہیں؟"

حضور نے فرمایا، " شاید ہمارے مشنری دوست اس پر صحیح طور سے روشنی ڈال سکیں گے۔"

پادری نے کہا، " عیسٰے مسیح کو خدا کا میمنا، کہا گیا ہے کیونکہ وہ بالکل معصوم اور بے گناہ تھے اور دنیا کے گناہوں کے لئے انھوں نے اپنے آپ کو قربان کیا تھا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " مجھے بائیبل کا مطالعہ کئے بہت عرصہ ہوگیا ہے۔ اس لئے ٹھیک وہی الفاظ تو مجھے یاد نہیں، البتہ میرا خیال ہے کہ عیسٰے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر جان نے یہ الفاظ کہے تھے: " دیکھو، خدا کا میمنا آرہا ہے، جو دنیا کے گناہوں کو دُور کرے گا۔ اس نے کچھ اسی طرح کہا تھا۔ ہندوستان میں بھی پرانے زمانے میں سنتوں و فقرا کے لئے ایسے ہی الفاظ کا استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ آج بھی ہم اپنے سنگورو کو " بھگت وتسل" اور "پاپ ہرن" کہہ کر پکارتے ہیں۔ بھگت کا مطلب ہے عابد، پرستار، خدمت گار، 'وتس' کا مطلب ہے گائے کا بچھڑا۔ خدا کو فقرا سے اور فقرا کو اپنے مُریدوں سے ویسی ہی اُلفت و محبت ہوتی

ہے، جیسی کہ ایک گائے کو اپنے بچھڑے سے ہوتی ہے ۔ گائے اپنے بچھڑے کے جسم کی گندگی کو چاٹ، چاٹ کر ساف کر دیتی ہے ۔ اپنے مُرشد اور خدا کو پکارنے کے لئے ' بھگت وتسل ' اور ' پاپ ہرن ' بھگتوں (عابدوں) کے بہت پیارے الفاظ ہیں ۔ وہ ان کا استعمال مُرشد اور خدا دونوں کے لئے کرتے ہیں، کیونکہ وہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں مانتے ۔ "

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ شاید جان نے، کاف (گائے کا بچھڑا) لفظ کا استعمال کیا ہو گا اور بعد میں اس کی جگہ ' لیمب ' (میمنا) آ گیا ہو گا، یا ہو سکتا ہے کہ عیسےٰ مسیح کے ملک میں بھیڑوں کی بہتات تھی (جیسا کہ ہندوستان میں گائے کی ہے) اور اسی لئے ' میمنا ' لفظ استعمال کر کے وہاں کے باشندوں سے اسی جذبہ کا اظہار کیا جا سکتا تھا، جیسا کہ ہندوستان میں بچھڑے سے اظہار کیا جاتا ہے اور شاید اسی لئے عیسےٰ کے لئے "میمنا" کا استعمال کیا گیا ہو ۔ لیکن دونوں میں جذبہ ایک ہی ہے ۔ گائے یا بھیڑ اپنے نئے پیدا ہوئے بچھڑے یا میمنہ کو محبت کرتی ہے، اس کی دیکھ بھال کرتی ہے، اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی آنکھوں سے اُوجھل نہیں ہونے دیتی، ہمیشہ اس کے پیچھے پیچھے گھومتی ہے، دودھ پلاتی ہے اور ہر خطرہ سے اس کی حفاظت کرتی ہے ۔ اسی طرح خدا نے عیسے سے محبت کی، ان کی نگہبانی کی ۔ میرے خیال میں، خدا کا میمنہ، سے یہی مراد ہے ۔ لیکن یہ بات مجھ سے بہتر آپ جانتے ہونگے ؟"

پادری نے تعجب سے کہا، "آپ کا بائیبل کے متعلق علم کتنا حیران کُن ہے ! "

امریکن عورت بولی، " آپ کی یہ تشریح مکمل اور تسلی بخش ہے میں سمجھتی ہوں کہ اس کا اصل مطلب یہی ہے ۔ "

حضور مہاراج جی کے پاس یہودی، عیسائی، بودھ، جین، پارسی، مسلمان یا کسی بھی مذہب کا متلاشی حق آتا اور وہ اپنے مذہب اور مذہبی کتابوں کی تشریح کو سُن کر دنگ رہ جاتا تھا ۔ ایک دفعہ آپ نے ایک بودھ بھکشو کو، اس کے مُرشد نے بیعت کرتے وقت جو پوشیدہ

گورو منتر، دیا تھا، وہ لفظ بہ لفظ سنا کر حیران کر دیا تھا۔

پادری نے کہا، "کیا میں ایک سوال کر سکتا ہوں؟ عیسائی مذہب کے طاقت مثلثہ، (باپ، بیٹا اور ورڈ) والے اصول کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "یہ صرف عیسائی مذہب کا ہی اصول نہیں، یہ تو ہر مذہب کی روحانی تعلیمات میں موجود ہے۔ باپ بیٹا اور شبد، یہ تینوں ہماری روحانی ترقی کے لئے بے حد لازمی ہیں۔ ان تینوں میں اعتقاد کئے بغیر کوئی بھی انسان واپس اپنے مقام حق (سچے گھر) نہیں پہنچ سکتا اور نہ مالک سے وصال پا سکتا ہے۔ دراصل یہ تینوں ایک ہی ہے۔ آپ بائیبل کے ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجیئے کائنات کے شروع میں شبد (ورڈ) تھا، شبد خدا کے ساتھ تھا اور خدا ہی شبد تھا۔ سب کچھ اسی نے بنایا..... زندگی اور روشنی اسی میں تھی ..... اور شبد نے جسم اختیار کیا اور ہمارے درمیان رہا ہم نے اس کی شان کو دیکھا، انجیل مزید کہتی ہے کہ وہ آیا اور دنیا میں رہا لیکن اکثر لوگوں نے اسے قبول نہ کیا، لیکن جن لوگوں نے اسے قبول کیا، ان کو اس نے خدا کے بیٹے بننے کی طاقت دے دی، میں کہہ نہیں سکتا کہ میں نے یہ حوالہ صحیح دیا ہے کہ نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ان فقروں میں بائیبل کے الفاظ کا لبِّ لباب ضرور آ گیا ہے۔"

پادری نے حضور کے فرمان کی تائید کرتے ہوئے کہا، "حضور، آپ نے بالکل صحیح حوالہ دیا ہے۔ اس میں بائیبل کے معنی اور جذبات دونوں موجود ہیں۔"

حضور مہاراج جی نے بڑی سنجیدگی سے کہا، اب ذرا غور سے سنئے، ہم سب خدا میں یا بقول جان، ورڈ (شبد) میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ وہ شبد زندگی و نور کا عظیم سمندر ہے، تمام زندگی کا ظہور اسی سے ہے، وہ خدا زندگی، نور اور رحمت کا وسیع سمندر ہے، جیسے عیسائی مذہب کی 'طاقت مثلثہ' میں باپ کہا گیا ہے۔ زندگی، نور و رحمت کا وہ عظیم سمندر ہی خدا ہے۔ یعنی 'باپ' ہے۔ اس شبد نے دنیا سے لاعلمی، تاریکی اور گناہوں کو دور کرنے کے لئے اور انسان

کو خدائی نور عطا کرنے کے لئے جسم اختیار کیا اور ہمارے ساتھ رہا۔ اسے دنیا میں انسان بن کر ظاہر ہونا پڑا، تا کہ انسان اسے سمجھ سکیں۔ خدا اپنے مقام پر بیٹھا ہوا لوگوں سے باتیں نہیں کرتا۔ یہ اس کا اصول ہے۔ 'جسم اختیار کیا ہوا یہ شبد' ہی بیٹا تھا۔ عیسےٰ مسیح تھا۔ وہ اپنے وقت کا مُرشد تھا۔ کوئی نہ کوئی عیسےٰ مسیح ہمیشہ اس دنیا میں رہتا ہے۔ خدا ہمیشہ اپنے بیٹوں کو ہر ملک اور وقت میں بھیجتا رہتا ہے۔ یہ دنیا ابھی کروڑوں سال رہے گی اور خدا یوں لمبے عرصہ تک اپنی روحوں کو فراموش نہیں کر سکتا۔ مُرشدان کامل متواتر آتے رہتے ہیں یا یوں کہہ لیجئے وہ شبد، (ورڈ) ہمیشہ جسم کی صورت میں اور اسی طرح اور اسی مقصد کے لئے ظاہر ہوتا رہا ہے جس کے لئے اس نے ایک دفعہ عیسےٰ مسیح کا نام اور جسم اختیار کیا تھا۔"

حضور مہاراج جی چند لمحات خاموش رہے اور پھر فرمایا، خدا (باپ) اور فقرائے کامل یا سنت (بیٹے) کے بعد طاقت مثلثہ، کے تیسرے حصے '' ہولی گھوسٹ ' یعنی شبد کو لیجئے۔ یہ وہ طاقت ہے جو عیسےٰ مسیح نے ان کو عطا کی تھی، جنھوں نے اسے (عیسےٰ مسیح کو) قبول کیا تھا۔ اس طاقت کا نام ہی 'لوگاس' ورڈ یا 'شبد' ہے، جو ہر جاندار کو زندگی عطا کر رہی ہے۔ کائنات کے شروع میں یہ 'شبد' ہی 'زندگی کی سانس' تھا، جسے ہر انسان میں پھونک دیا گیا تھا۔ یہ زندگی کی سانس، یہ لوگاس، ورڈ، نام، دھن، ناد یا انحد شبد (جیسا کہ ہندو شاستروں میں لکھا ہے) ہی 'ہولی گھوسٹ' ہے، جس کے ذریعے عیسےٰ مسیح نے اپنے مُریدوں کو بیعت کیا تھا۔"

مُرشدان کامل نے، خواہ وہ کسی بھی ملک، مذہب یا قوم کے رہے ہوں، ہر زمانے میں اپنے مریدوں کو اسی 'ہولی گھوسٹ' کے ذریعے بیعت کیا ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ یہ زندگی کی رو، سیدھی مقام حق سے جو زندگی و نور کا وسیع سمندر ہے، آتی ہے اور ہمارے جسم میں دونوں آنکھوں کے درمیان شبد دھن یا ندائے سلطانی کی شکل میں رہتی ہے۔ جب کسی جاندار کو مُرشدِ کامل کے ذریعہ اس رو سے جوڑ دیا جاتا ہے یا بہ الفاظ بائیبل

' ہولی گھوسٹ ' کے ذریعہ بیعت کیا جاتا ہے، تب اسے اپنے اصل مقام کا (جہاں سے وہ آیا ہے) راستہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ خدا کا بیٹا بن جاتا ہے۔ اس لئے بائیبل کی ' طاقت مثلثہ ' یعنی ' ٹرنٹی ' خواہ آپ اسے باپ بیٹا اور پاکیزہ روح (ہولی گھوسٹ) کہیں یا خدا، مُرشد اور شبد پکاریں، سنت مت کا لازمی حصہ ہیں۔ کبیر صاحب اور گورو نانک صاحب نے ان کو گووِند، گورو اور نام کہا ہے۔"

پادری نے کہا، "شکریہ، مہاراج جی، آپ کی تشریح واقعی بہت پُر اثر ہے۔"

پادری نے پھر پوچھا، "کیا عیسٰے مسیح کبھی ہندوستان آئے تھے؟"

حضور نے فرمایا، "میرے خیال میں اس کے کوئی تحریری ثبوت تو ہیں نہیں، البتہ جنوبی ہند کے لوگ مانتے ہیں کہ عیسٰے وہاں آئے اور کچھ سال رہے تھے۔"

اس کے بعد پادری نے گورو نانک صاحب کی تعلیم کے متعلق کچھ سوال کئے اور پوچھا، "گرنتھ صاحب کا کیا مطلب ہے؟"

حضور نے فرمایا، "گرنتھ کا مطلب ہے کتاب یا ایک بڑی کتاب اور صاحب کا لفظ کسی بھی شخص، جگہ یا چیز کو ادب سے پکارنے کے لئے لگایا جاتا ہے۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے عرض کیا، "بائیبل کا کیا مطلب ہے؟"

پادری نے جواب دیا، "اس کا مطلب ہے، مذہبی کتاب۔"

حضور نے فرمایا، "بائیبل گریک زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے کتاب اور اس مذہبی کتاب کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ یہ سب سے بلند مرتبہ کتاب ہے۔ اسی طرح ' گیتا ' کا مطلب ہی ' گیت ' ہے۔ قرآن کا مطلب ہے پڑھنا یا پڑھنے کے لائق چیز ' گاسپل کا مطلب ہے خوش خبری۔"

پادری نے کہا، "جی ہاں، بائیبل لفظ کا مخزن یہی ہے۔"

امریکن عورت نے کہا، "آپ بائیبل کے متعلق اتنا کُچھ جانتے ہیں کہ مجھ سے ایک سوال کئے بِنا نہیں رہا جارہا۔ میرے لئے یہ سوال ہمیشہ ایک اُلجھن و مسئلہ بنا رہتا ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے کہ جب جان نے عیسےٰ کو بیعت کیا تو خدا سے زندگی کی لہر ایک 'ڈوو' (کبوتر) کی مانند اس پر اُتر آئی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اور کبوتر کا خدا سے کیا تعلق ہے؟ کیا یہاں 'ڈوو' سے مراد اس پرندے سے ہے، جسے ہم روزانہ دیکھتے ہیں۔؟"

حضور نے فرمایا، "یہ سوال تو ہم اپنے محترم دوست سے کریں تو بہتر ہوگا۔"

پادری نے کہا، "اگر اجازت دیں تو میں کل اپنی بائیبل لے آؤں اور آپ کو اس میں سے کچھ حصے پڑھ کر سناؤں؟"

دوسرے دن سے بائیبل کا مطالعہ شروع ہو گیا۔ اس دن کچھ اور عیسائی حضرات بھی وہاں موجود تھے۔ حضور مہاراج جی بھی بڑی موج میں تھے۔ سب لوگ ان سے تشریح سُن کر بہت خوش ہو رہے تھے۔

امریکن پادری نے میتھیو کے تیسرے باب کے گیارہویں پد کو پڑھنا شروع کیا، جس میں عیسےٰ مسیح کے ظہور میں آنے کی خبر دیتے ہوئے جان کہتے ہیں، "دراصل میں تمہیں پانی سے بیعت (بپتسمہ یعنی عیسائی بنانے کی رسم) کرتا ہوں۔ لیکن جو میرے بعد آئے گا، وہ مجھ سے زیادہ طاقتور ہوگا۔ میں اس کے جوتے کے تسمے کھولنے کی لائق بھی نہیں ہوں۔ وہ تمہیں 'ہولی گھوسٹ' (شبد) اور 'آگ' (روشنی) سے بیعت کرے گا .... اس کے بعد عیسےٰ ان سے بیعت ہونے کے لئے گیلیلی سے جارڈن آتے ہیں۔ لیکن جان نے یہ کہتے ہوئے منع دیا، "میں تم سے بیعت ہونا چاہتا تھا اور تو میرے پاس آیا ہے۔" عیسےٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا، "اب ایسا ہی ہونے دو کیونکہ اصولاً یہی درست ہے۔ پادری نے اس حصہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا، "'آگ'، اور 'ہولی گھوسٹ' سے بیعت کرنے کے مطلب پر

کافی اختلاف رائے ہے ۔ چند لوگوں کی اس آگ سے مراد ان تکلیفوں اور اذیتوں سے ہے، جن کا انسان کو سامنا کرنا ہوگا ۔ اور کچھ لوگوں کے مطابق یہ قیامت کے بعد خدا کا انسان کے اعمال پر فیصلہ کی طرف اشارہ ہے ۔ کچھ لوگ آگ کا مطلب بدلہ بتاتے ہیں اس کے مختلف معنی اور تشریح کی گئی ہیں ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "یہ سارا حصہ اندرونی پوشیدہ رمزوں سے پُر ہے ۔ جسے فقط شبد مارگ' میں بیعت ہوا شخص ہی سمجھ سکتا ہے ۔ ان پوشیدہ رازوں کو ظاہر کرنے کا طریقہ (کُنجی) مُرشدِ کامِل بیعت کرتے وقت عطا فرماتے ہیں ۔ فقرائے کامِل وسنتوں کا یہ راستہ 'ہولی گھوسٹ' (شبد) اور اندرونی آگ سے بپتسمہ (بیعت) کرنے کا راستہ ہے ۔ اس آگ کو ہندو شاستروں میں 'جیوتی' کہا گیا ہے۔ کئی جگہ خدا کو 'جیوتی سرُوپ بھگوان' یعنی 'خدائے شعلہ آسا' یا 'مجسّم نور' کہا گیا ہے ۔ گورو گوبند سنگھ جی فرماتے ہیں کہ حقیقی مُرید وہ ہے، جو اپنے اندر روشن خدائی نور کو دیکھتا ہے ۔"

"سنت مت میں شعلہ ۔ آگ ۔ جیوتی اور لَو کا مطلب ایک ہی ہے ۔ حقیقی مُرشدِ کامِل وہی ہے، جو شبد کا بھید دے کر مُرید کی روح کو باطن میں یعنی اندر رُوحانی دُھن یا بانگِ آسمانی سے جوڑ دیتا ہے ۔ اور اسے وہاں لے جاتا ہے، جہاں وہ روشنی اپنی پوری آب وتاب سے جگمگا رہی ہے ۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں کہ وہ جیوتی دن رات جگمگاتی رہتی ہے ۔ لیکن اپنے باطن میں جل رہی اس روشنی سے صرف 'گورُمکھ' (بیعت شُدہ) ہی باخبر ہوتا ہے ۔ پلٹو صاحب فرماتے ہیں کہ وہ چراغ دن رات بغیر تیل اور بغیر بتی کے جل رہا ہے ۔ صرف وہی اسے دیکھ سکتا ہے، جسے مُرشدِ کامِل سے 'نام دان' مِلا ہو یعنی جو بیعت شُدہ ہو ۔"

تِس میں جرے چراغ ، بِن روغن بِن باتی
چھ رتو بارہ ماس ، رہت جرتا دن راتی
سَتگور ملا جو ہوئے ، تاہی کی نظر میں آوے
بِن سَتگورو کوئی ہوے ، نہیں وا کو درساوے

گورو گرنتھ صاحب میں بھی اس آگ یا جیوتی کا کئی جگہ حوالہ ہے۔

1- آتم جوت بھئی پرپھولت پر کھ نرنجن دیکھیا حضور (آدی گرنتھ، صفحہ 1198)

2- گوروسا کھی جوت پر گٹ ہوئے (آدی گرنتھ، صفحہ 663)

3- کر کرپا جوڈ سَتگورو ملیو من مندر مہہ دیپک جلیو (آدی گرنتھ، صفحہ 235)

4- ایسا دیوا بالے کوئے نانک سو پارنگت ہوئے (آدی گرنتھ، صفحہ 878)

"نام یا شبد میں دو خصوصیات ہیں: (1) آواز یا دُھن (2) رَوشنی یا جیوتی۔ بائبل میں 'ہولی گھوسٹ' اور 'آگ' سے بیعت کرنے کا اصلی مطلب یہی ہے۔ ہمارے جسم میں روح بیداری یا توجہ کی شکل میں رہتی ہے۔ 'سنت مت' میں روح کو 'سُرت' کہتے ہیں، جس کا مطلب دھیان یا توجہ ہے۔ ہمارے جسم میں ایک اور بیدار قوت بھی رہتی ہے، جو ہمیں زندہ رکھتی ہے۔ اسے شبد' نام 'ہولی گھوسٹ یا' گاڈ کرنٹ' (خدا کی رَو) کہتے ہیں۔ یہ ہمارے باطن میں دُھن کے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ مختلف مصنفوں نے اسے نغمۂ آسمانی، بانگِ آسمانی، انحد ناد وغیرہ مختلف ناموں سے پکارا ہے۔ شبد یا دُھن وہ سیدھی ڈور' تار' رو ہے، جس کے سہارے روح واپس اپنے اصل مقام پر پہنچ سکتی ہے۔"

"جب انسان کسی گھنے جنگل میں اندھیری رات میں راستہ بھول جاتا ہے، تب کیا کرتا ہے؟ جب اندھیرا بھی ایسا ہو کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دے، وہ ایسی حالت میں کچھ دیر کے لیے خاموش کھڑا رہتا ہے اور یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی طرف سے کوئی آواز آرہی

ہے یا نہیں، جیسے کُتے کے بھونکنے کی آواز، مرغ کی بانگ کی آواز یا کسی مشین کے چلنے کی آواز۔ اسے سُن کر وہ کسی نہ کسی طرف بستی کے ہونے کا اندازہ لگالیتا ہے اور آہستہ، آہستہ اُدھر چل دیتا ہے۔ لیکن کئی اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ راستے میں بہت سے گڑھے، بِل، کانٹے دار جھاڑیاں، اتار اور چڑھاؤ وغیرہ ہیں۔ اگر اس کے ہاتھ میں لالٹین یا ٹارچ ہو تو وہ اس کے ذریعہ دیکھ کر اپنی راہ پر لگاتار چلتا رہے گا۔ اسی طرح ہمارے اندر کی راہ بھی بڑی اندھیری، خطرناک اور دشوار گزار ہے۔ مُرشد، باطن کی بستیوں کی آوازیں بتاتے ہیں اور اس میں راہ دکھانے کے لئے آپ کے اندر روشنی پیدا کر دیتے ہیں۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے پوچھا، "مہاراج جی، بپتسمہ کیا ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "بپٹائی زگ، لفظ ہبرو زبان سے لیا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہندوؤں کے 'تلک لگانا' سے بہت ملتا ہے۔ تلک، ایک مذہبی نشان ہے، جو ہندو لوگ صندل یا زعفران گھِس کر اپنے ماتھے پر لگایا کرتے ہیں۔ دِیکشا (یا بپتسمہ) دیتے وقت مُرشد مُرید کے ماتھے پر تلک لگایا کرتے تھے۔ یہ لال رنگ کا ایک گول نقطہ ہوتا تھا جو دونوں ابروؤں کے درمیان، قریب آدھ انچ اوپر لگایا جاتا تھا۔ "یہی 'تیسرا تل' یا 'شو نیتر' کا مقام ہے۔ آج بھی خاندانی گورو اس رسم کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ عیسٰے مسیح کے بپتسمہ کا مطلب ہے، کسی مُرشد کے ذریعہ بیعت ہونا۔"

پادری صاحب درمیان میں ہی بول اٹھے، "جی ہاں، بپٹائیز، کا مطلب رنگنا، چھاپنا، لیپ کرنا، تلک لگانا ہے۔"

تب حضور نے ارشاد فرمایا، "ہندوؤں کا ہر مذہبی کام غُسل کے بعد ہی شروع کیا جاتا ہے تاکہ مذہبی رسمیں ادا کرنے والے کی کاہلی و سُستی دور ہو جائے۔ وقت پا کر غسل بھی ایک طرح سے مذہبی کام ہی سمجھا جانے لگا۔ اس کے بعد یہ رسم و رواج ایسے مقامات تک پھیل گئے،

جہاں پانی کافی میسر نہ تھا، تو یہ غسل کا کام صرف سر اور ماتھے پر پانی ڈالنے تک ہی محدود رہ گیا۔"

امریکن عورت نے سوال کیا، "حضرت عیسیٰ نے شمال میں گیلیلی سے، جنوب میں جارڈن میں آ کر، جان سے ملنے اور بیعت ہونے کی تکلیف کیوں کی؟ کیا جان عیسیٰ سے بڑے تھے؟ جان کی اصل حیثیت کیا تھی؟"

حضور نے فرمایا، "اس سوال کا جواب تو حضرت عیسیٰ مسیح نے خود ہی دیا ہے۔ جب جان نے ان کو بیعت کرنے سے انکار کر دیا تو انھوں نے جان سے کہا، اب ایسا ہی ہونے دو۔ ہمارے لئے اس کام کی تکمیل اسی طرح مناسب ہے۔ روحانیت کی راہ پر چلنے کے لئے مرشد اختیار کرنے کا یہ غیر تحریری قانون پرانے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ یہ خدائی حکم ہے۔ خدا کا یہی قانون ہے کہ مرشد کامل سے بیعت ہوئے بغیر کوئی بھی اندرونی منزلوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے ہر ملک و دور میں روحانی عقائد میں یہی اصول جاری رہا ہے۔ یہ مذہبی طریق اب روحانی 'قانون' مانا جانے لگا ہے۔ کبیر یوں تو خود پیدائشی سنت تھے لیکن ان کو بھی ایک تارک الدنیا (سنیاسی) رامانند کو مرشد اختیار کرنا پڑا کیونکہ بے پیر کی بات کوئی بھی سننا پسند نہیں کرتا 1۔"

ہندوستان اور فارس میں کسی کو 'نگورا' یا 'بے پیر' کہنا اس کی بہت بڑی بے عزتی سمجھی جاتی ہے۔ ہندو شاستروں میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جب نگورا کا سورگ میں داخلہ روک دیا گیا۔ اس سلسلہ میں پرانوں اور ویدوں کے موتف، رشی وید ویاس کے بیٹے سُکھدیو مُنی کی کہانی بہت مشہور ہے۔ سُکھدیو منی جی پیدائش سے ہی برہم گیانی، سولہ گنوں اور اندرونی

---

1 عیسیٰ نے بھی پیٹر کو اپنا جانشین بنایا (میتھیو 19, 18-16) اور اس طرح ایک مجسم مرشد کی ضرورت کا مظاہرا کیا (لوک 11.29.30)

طاقتوں سے بھرپور تھے۔ایک دفعہ انھوں نے وشنو پوری بیکنٹھ یعنی سورگ دیکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب وہ وِشنو پوری کے دروازہ پر پہونچے تو دربان نے ان کو روک دیا۔ انھیں بہت غصہ آیا اور اپنے والد وید ویاس جی سے اپنی اس بے عزتی کی شکایت کی۔ والد نے جواب دیا '' تمہارے ساتھ جو سلُوک کِیا گیا ، وہ بالکل مناسب تھا۔ کیونکہ نگورے (بے پیر) اِنسان شبد کے لئے، خواہ وہ کتنا ہی عالم و فاضل کیوں نہ ہو، سورگ کے دروازے نہیں کُھل سکتے۔"

گرنتھ صاحب میں لِکھا ہے ، "نگورے کا ہے ناؤ بُرا۔"

کبیر صاحب نے بھی لکھا ہے:-

کبیر نگورا نہ مِلے ، پاپی مِلے ہزار
اک نگوڑے کے سیس پر ، لکھ پاپن کا بھار

پنڈت ٹھاکر دت نے پوچھا، "لیکن مُرشد یا گُرو کا ہونا اتنا ضروری کیوں ہے؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، " خدا نے ایسا ہی قانون بنایا ہے ور اس کے قانون پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔ ایک بادشاہ سے کون مِل سکتا ہے؟ کیسے مِل سکتا ہے؟ اس کے لئے بادشاہ خود اپنی مرضی کے مطابق جو قانون چاہے بنا سکتا ہے۔ سنت، فقرائے کامل اس دنیا میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ ان کے بغیر یہ دنیا قائم نہیں رہ سکتی۔ جب ایک سنت فقیر رحلت فرماتا ہے تو وہ اپنا کام دوسرے سنت کے سپرد کر جاتا ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جان اپنے زمانہ کے بہت بڑے فقیر تھے۔ آپ بائیبل میں بڑھتے ہیں' یروشلم ' جوڈیا اور جارڈن کے آس پاس کے سب لوگ ان کی پناہ میں گئے اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے ان سے بعیت کیا۔ جب جان نے دیکھا کہ وہ اس دنیا سے جانے والے ہیں تو انھوں نے اپنے بعد اس کام کو جاری رکھنے کے لئے عیسےٰ کو بیعت کیا۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں، "ہر دور میں ہماری راہنمائی کے لئے فقرا و سنتوں کی ایک پشت

آتی رہتی ہے۔ دنیا میں فقرائے کامل کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔"

امریکن عورت نے کہا، "مہاراج جی، انجیل میں کہا گیا ہے کہ جب عیسےٰ کو بیعت کیا گیا تو خدائی روان کے اوپر ایک سفید کبوتر کی مانند اتر کر آئی۔"

حضور نے فرمایا، "انجیل یہاں موجود ہے، دیکھئے تو کیا لکھا ہے۔"

تب پادری نے بائبل کا یہ حصہ پڑھ کر سنایا (میتھیو، 16-3) اور عیسےٰ، جب ان کو بیعت کیا گیا تو پانی سے سیدھے باہر نکل آئے اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھُل گئے اور انھوں نے 'خدائی رو' کو سفید کبوتر کی مانند اترتے اور اپنے اوپر آتے ہوئے دیکھا۔"

حضور نے فرمایا، "یہ ایک اور حصہ ہے، جس کا ہر ایک لفظ گہرے روحانی راز سے پُر ہے، جسے مُرشد سے بیعت ہوئے بغیر (گورو سے نام دان لئے بغیر) انسان سمجھ نہیں سکتا۔"

تب حضور نے پادری سے پوچھا، "عیسےٰ پانی سے باہر نکل آئے، عام طور پر اس کا کیا مطلب سمجھا جاتا ہے؟"

پادری نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے کہا، "وہ لوگ دریا میں اترے ہونگے اور وہاں سے عیسےٰ ایک دم نکل آئے ہوں گے۔"

حضور مہاراج جی تھوڑا سا مسکرائے اور فرمایا، "کیا اصل تحریر میں کہیں بھی ایسا لکھا ہے کہ وہ بیعت کے لئے دریا میں اترے تھے؟"

امریکن عورت درمیان میں ہی بول اٹھی، "جی، کہیں بھی نہیں۔"

حضور نے پوچھا، "کیا یہ ضروری تھا کہ بیعت کے لئے دریا میں اترا جائے؟"

پادری نے جواب دیا، "نہیں یہ ضروری نہ تھا۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ذرا غور کیجئے، بائبل کے اس حصہ کا ہر ایک لفظ، عیسےٰ کے بیعت کے وقت باطن میں ہونے والے تجربات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بیعت کے وقت

مُرشد اپنے مُریدوں کو اندرونی روحانی راز بتلاتا ہے۔ خدا کی بادشاہت ہمارے اندر ہے۔ مُرشد ہمارے اندر مقام حق کی راہ بتلاتا ہے۔ ہمارا یہ جسم مکمل کائنات کا نمونہ ہے۔ انسانی جسم ایک عالم صغیر (چھوٹی دنیا) جس میں برہمانڈیا عالم کبیر (بڑی دنیا) ظاہر ہوتا ہے۔ مُرشد ہمیں اپنے جسم کے اندر داخل ہونے کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ وہ آپ کو وہ دروازہ دکھاتے ہیں جس کے متعلق عیسےٰ نے فرمایا ہے دستک دو اور وہ کھُل جائے گا۔ مُرشد بتلاتے ہیں کہ اس دروازے پر کیسے دستک دی جاتی ہے۔ روحانی منزلوں کا دروازہ کیسے کھُلتا ہے اور اس کے کھُل جانے پر آپ کیا کیا دیکھیں گے اور یہ روحانی طبقے اور منزلیں کتنی ہیں۔ روحانی ملک آپ کے اندر ہیں۔ باطن میں یہ 'خدائی رَو' آپ پر متواتر نازل ہو رہی ہے۔ مُرشدِ کامِل سے بیعت شُدہ، ہر مُرید پر وہ نازل ہوتی ہے۔"

اس عورت نے پوچھا، "کیا یہ ایک سفید کبوتر کی شکل میں نازل ہوتی ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "جب مُرشد اپنے مُرید کو شبد یا ہولی گھوسٹ سے جوڑ دیتا ہے تو جیسا کہ اپنشدوں میں کہا گیا ہے، اس کو پہلا تجربہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے باطن (اندر) دس آوازیں گونجتی ہوئی سُنتا ہے۔ شروع، شروع میں سنائی دینے والی آوازیں اس طرح ہیں:- ہوا کے چلنے کی آواز، سمندر کی لہروں کی گرج، آبشار کا گرنا، بارش کا ہونا، چڑیوں کا چہچہانا، جھینگروں کی آواز، سنکھ کی آواز، گھنٹے کی آواز، بادلوں کی گڑ گڑاہٹ اور اسی طرح کی دوسری آوازیں۔

رِگ وید کے ناد بندو اپنشد (34 شلوک) میں لکھا ہے، پہلے، پہلے تو یہ آوازیں سمندر، برسات، آبشاروں کی آواز کی مانند ہوتی ہیں۔ بعد میں نقارے کی، بادلوں کے گرجنے کی، سنکھ اور گھنٹے کی آوازیں آئیں گی۔"

امریکن عورت بولی، "حضور عیسےٰ نے بھی کہا ہے، ہوا چل رہی ہے اور تم اس کی آواز کو سُن سکتے ہو۔"

پادری نے کہا، "انھوں نے دنیا سے رحلت فرماتے وقت بادلوں کے گرجنے کی آواز بھی سنی تھی۔"

حضور مہاراج جی نے مزید فرمایا، "جب عیسٰے بیعت ہوئے تو پانی سے سیدھے باہر نکل آئے اور روحانی طبقات کے دروازے ان کے لئے فوراً کھُل گئے۔ یہ فقرے بیعت کے وقت ان کے تجربات اور ان کی روح کی اندرونی چڑھائی کے طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یہاں پانی سے مراد سمندر کی لہروں، برسات اور آبشار وغیرہ کی آوازوں سے تھے، جو اپنی اندرونی چڑھائی میں ان کو شروع، شروع میں سُنائی دیں، جن کو وہ بہت جلد پار کر گئے۔ دیگر لوگوں کو اس منزل کو پار کرنے میں کبھی کبھی کئی سال لگ سکتے ہیں۔ سُرت شبد یوگ کے بیعت شُدہ شخص کے لئے ان الفاظ کا درست مطلب سمجھنے میں کوئی دِقت نہیں۔ فاختہ یا کبوتر امن کی علامت ہے۔ یہاں اس کا مطلب ہے کہ اس وقت حضرت عیسٰے پر خدا کی رحمت کی رو بڑی آسانی، آرام اور خاموشی سے نازل ہوئی، جس کے لئے حضرت عیسٰے کو کوئی کوشش نہیں کرنی پڑی۔ سنت و فقرا ان پوشیدہ روحانی رازوں کو مخفی رکھنے کے لئے بعض دفعہ ایسی زبان کا استعمال کرتے ہیں، جسے ان سے بیعت شُدہ مُرید تو سمجھ لیتے ہیں مگر دیگر لوگ نہیں سمجھ پاتے۔ بیعت یا نام دان کے وقت مُریدوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ نہ تو وہ اسرار باطنی (اندرونی بھید) کسی کو بتائیں اور نہ ہی ان تجربات و نظاروں کا کسی سے ذِکر کریں۔ اس لئے ان کی باتوں کو عام لوگ سمجھ نہیں پاتے۔"

امریکن عورت نے پوچھا، "ان پر روحانی منزلوں کے دروازے کیسے کھُل گئے؟ اس سے کیا مراد ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "تمام روحانی طبقے اور منزلیں آپ کے اندر ہیں، آپ کی آنکھوں کے پیچھے ہیں۔ جب روح مُرشد کے بتائے ہوئے عمل کے ذریعہ اندھیرے کے پردے فاش کر

کے باطن میں جاتی ہے تو وہ پہلے روحانی طبق میں داخل ہوتی ہے ۔ مُرشدِ کامِل وہی ہے، جو ہمیشہ آپ کے ساتھ ہے اور آپ کے اندرونی سفر میں ہر قدم پر آپ کی راہ نمائی کرتا ہے ۔ اول آپ کو ستارے نظر آئیں گے، پھر سورج اور چاند، دیگر کئی طرح کی روشنی نظر آئے گی ۔ یہی روحانی طبقوں کے دروازے کا کُھلنا ہے ۔"

امریکن عورت نے عرض کیا، "حضرت عیسےٰ نے یہ بھی کہا ہے کہ جب تک انسان دوبارہ جنم نہیں لیتا، وہ خدا کی بادشاہت نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے ان کی کیا مراد تھی؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، اس کا بھی ایک گہرا روحانی مطلب ہے ۔ بیعت ہونا، دوسرا جنم ہے ۔ ہندوؤں میں پرانے زمانہ سے برہمن، کشتری اور ویش تینوں 'ورن'، جو بیعت ہونے یا نام دان کے حقدار مانے جاتے تھے 'دو جنما' یا 'دوج' کہلاتے تھے ۔ طالب علم اپنے والدین کے گھر کو چھوڑ کر تعلیم و تربیت کے لئے گورو کے آشرم میں داخل ہوتا تھا، جہاں وہ کئی سال تک رہتا تھا۔ اس کا وہاں دِیکشالینا (بعیت ہونا) دوسرا جنم کہلاتا تھا۔ اس طرح جیو کے جسم کا آغاز، 'پہلا جنم' ہے تو اس کی روحانی زندگی کی شروعات 'دوسرا جنم' ہے ۔ مُرشد کے روحانی کنبہ میں مُرید بیٹے مانے جاتے ہیں ۔ انسان جب تک مُرشد کے قدموں میں جا کر ان سے روحانی سفر کا رازیا 'نام دان' حاصل نہیں کرتا، وہ خدا کی بادشاہت میں کیسے داخل ہو سکتا ہے؟"

امریکن عورت کچھ دیر خاموش رہ کر بولی، "حضرت عیسےٰ نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے یقین کیا ہے اور جو بیعت ہوا ہے، اس کی حفاظت ہو گی۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، " زندگی اور موت سے نجات کے لئے سوامی جی نے بھی یہی شرط رکھی ہے ۔ پریت پرتیت گورو کی کرنا، مارگ شبد گورو سے لینا، مُرشدِ کامِل میں پختہ یقین، ان کے قدموں میں گہری عقیدت اور ان سے شبد کا بھید لے کر روحانی عمل (اندرونی ابھیاس) کرنا ہی نجات کی ترکیب ہے ۔ کال اور مایا کے چنگل سے بچنے کے لئے مُرشدِ حقیقی اور

راہ حقیقی، دونوں ہی بے حد ضروری ہیں۔"

پنڈت ٹھاکر دت نے پوچھا، "ہم مُرشد حقیقی کو کیسے پہچانیں اور یہ کیسے پتہ چلے کہ ان کی بتائی ہوئی راہ ہی سچی راہ ہے۔

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا" آپ کا یہ سوال مناسب ہے۔ اچھا کیا جو آپ نے دریافت کرلیا۔ دنیا میں سینکڑوں قسم کے مُرشد ہیں اور متلاشیٔ حق کا ان میں سے اصلی مُرشد کو پہچان لینا بہت مشکل ہے۔ سنتوں و فقرائے کامل نے اپنے کلام میں سچے مُرشد اور سچے نام کی پہچان کے لئے کچھ علامتیں، اشارے اور نشانیاں دی ہیں۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں کہ مُرشد حقیقی وہ ہے جو ہمیں پانچ روحانی دُھنوں کا بھید سمجھا کر ہمارے جسمانی گھر کے اندر اپنا اصلی گھر دِکھلاوے 1۔ پلٹو صاحب فرماتے ہیں، دھُن آنے جو لگن کی، سو میرا گورو دیو، کبیر صاحب فرماتے ہیں کہ میری بات مانو، صرف، سُرت شبد، کا ابھیاس (عمل) ہی تم کو نجات دلائے گا۔ یہ جسم ہماری روح کا گھر ہے۔ اس میں خدا بھی رہتا ہے۔ آج تک کسی نے اسے کہیں باہر نہیں پایا۔ اس گھر کے نو دروازے ہیں۔"

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے حضور نے سمجھایا، "ہمارے جسم کے دو حصے ہیں۔ ایک آنکھوں کے نیچے ہے جسے پنڈ یا وجود کہتے ہیں دوسرا آنکھوں کے اوپر ہے۔ جو ہمارے ماتھے کے بیچ میں ہے اسے برہمنڈ یا برہم کی بیٹھک کہتے ہیں۔

پنڈ میں چھ چکر ہیں۔ انہیں یوگ شاستروں میں شٹ چکر کہتے ہیں۔ جیسے وجود میں

---

1 گھر میں گھر دکھانے دے، سو ستگورو پُرکھ سجان
پنچ سبد دُھنکار دُھن، تہہ باجے سبد نسان
(آدی گرنتھ۔ مہار۔ محلہ ۱، صفحہ 91-1290)

الگ الگ چھ ناڑی گرتھیاں ہوتی ہیں، تقریباً ویسے ہی چھ چکر ہوتے ہیں ۔ ان چکروں کی گنتی نیچے سے اوپر کی طرف ہوتی ہے اس لئے گدا چکر پہلا چکر ہے ۔سواد چکر دوسرا ہے اور ایسے ہی دوسرے چکروں کا سلسلہ ہے ۔

ان چھ چکروں کو مسلمان درویش درجات صفلی کہتے ہیں اور یہ برہمانڈ کے چھ چکروں کے محض عکس ہیں ۔ نیچے کے چھ چکروں کے الگ الگ مالک ہوتے ہیں جن کا کام جسم کی دیکھ بھال اور حفاظت کرنا ہے ۔

پادری نے پوچھا، "حضور پران کیا شے ہے؟"

حضور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے فرمایا، "معاف کیجئے، میں نے اس لفظ کا مطلب نہیں سمجھایا۔ہندوستان کا بچہ، بچہ جانتا ہے کہ پران کیا ہوتے ہیں ۔ لیکن مغرب والوں کو اسے سمجھانا بڑا مشکل ہے ۔ ویسے پران کا مطلب ہے سانس ۔ لیکن دراصل یہ زندگی کی وہ قوت یا طاقت ہے، جو پانچ قسم کی ہوا کی شکل میں ہمارے جسم کی تمام مشین کو چلاتی ہے ۔

یہ پران پانچ ہیں :۔ (1) پران (2) اپان (3) سمان (4) ویان (5) ادان ۔ان کی کارگزاری کے مطابق ان کی تفصیل یوں ہے :۔مثال کے طور پر یہ پران ہی ہیں جو انتڑیوں سے گندگی کو نکالنے اور دور کرنے میں مدد کرتے ہیں ۔ اس پران کو 'اپان' کہتے ہیں ۔ یعنی وہ ہوا جو نیچے سے نکلتی ہے 'سمان' کا کام نابھی چکر سے سارے جسم میں یکساں طور پر غذا پہونچانا ہے ۔ 'سمان' کا مطلب ہے 'برابر' ۔ 'ویان' نام کے پران کی وجہ سے جسم میں خون دورہ کرتا رہتا ہے ۔ 'ادان نامی' پران بوقت موت روح کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں لے جاتا ہے ۔پران منہ، آنکھ اور ناک میں کام کرتے ہیں ۔جب انسان مرجاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے پران نکل گئے ۔پران وہ بنیادی طاقت ہے، جس سے دنیا کی دوسری طاقتیں پیدا ہوتی ہیں ۔یوگیوں نے پرنایام کے عمل کے ذریعہ پرانوں پر قابو پاکر نفس پر فتح حاصل کرنے کی کوشش کی اور

وہ روحانی طبقات اور منزلوں میں اس بلندی تک پہونچ گئے، جہاں تک کہ پران ان کو لے جاسکتے تھے۔ سارے پران (اور وایو) باطن کے آسمان میں، جو کہ ان کا مقام پیدائش ہے، جذب ہوجاتے ہیں۔ وہ پرانا یام کے عامل کو اس سے اوپر نہیں لیجا سکتے۔ یہ راستہ بہت ہی لمبا اور مشکل ہے۔"

"فقرائے کامل اور سنت ستگورو اپنا عمل 'آگیا چکر' سے شروع کرتے ہیں، جو روح اور من کی بیٹھک ہے اور یہاں سے ہی سیدھا اوپر کے طبقات میں چڑھائی کرتے ہیں۔ وید اور دوسرے شاستر صرف برہم کے مقام یعنی آٹھویں چکر تک کا بیان کرتے ہیں۔ یہ سنت مت کی دوسری منزل ہے۔ اس سے اوپر فقط فقرائے کامل و سنت ہی جاتے ہیں۔ ماسوا مقامِ حق کے، باقی سب طبقات قیامت (پرلیہ) اور قیامت کبیرہ (مہاپرلیہ) میں فنا ہو جاتے ہیں۔ فقط بارہواں طبق، مقام حق ہی لافانی ہے۔"

"اس لئے اس بات کو سمجھنے میں کوئی مشکل نہ ہونی چاہئے کہ انسان کو ایسا مُرشد اختیار کرنا چاہئے، جو اسے قیامت اور قیامتِ کبیرہ سے پرے، اس لافانی مقام تک لے جاسکے۔ 'سُرت شبد یوگ' 'سُلطان الاذکار' یعنی نام کا شغل ہی واحد ایسی راہ ہے، جو ہمیں وہاں تک لے جا سکتی ہے اور صرف مُرشدِ کامل ہی ہمیں حقیقی نام سے بیعت کرسکتا ہے۔ سچا نام یا شبد یا کلمہ نہ لکھا جا سکتا ہے، نہ بولا جا سکتا ہے وہ دنیا کی کسی بھی زبان میں نہیں ہے جیسا کہ گورو انگد صاحب فرماتے ہیں یہ بِنا آنکھوں کے دیکھا اور بِنا کانوں کے سُنا جا سکتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے اپنی آنکھیں اور سُننے کے لئے اپنے کان بند کرو۔"

جوں ہی حضور مہاراج جی کچھ دیر کے لئے رُکے، ایک مسلمان بھائی نے کہا، "حضور صرف ایک سوال اور ہے۔ کچھ مسلمان فقیر کہتے ہیں کہ یہ دنیا 40-50 سال کے بعد ختم ہونے والی ہے۔ کیا آپ بھی ایسا ہی مانتے ہیں؟"

حضور نے پوچھا، "اس پیشنگوئی کی بنیاد کیا ہے؟"

وہ بولا، "مجھے معلوم نہیں۔ لیکن یہ کسی پیغمبر کا قول ہو سکتا ہے۔"

حضور نے فرمایا، "نہیں یہ کسی پیغمبر کا قول نہیں ہو سکتا۔"

وہ بولا، "حضور، اس افواہ نے بڑی فکر پیدا کر رکھی ہے، اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

ایک مسلمان عورت نے بڑی سادگی سے کہا، "جی ہاں، آپ کی رائے سے ہمارا سب خوف دور ہو جائے گا۔"

حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا، "بیٹی، تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ دنیا ابھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔"

ایک گُنہگار اور سٹگورو

اسی وقت بہت سے گورکھا (نیپالی) ست سنگی حضور کے دیدار کیلئے آئے یہ لوگ ڈلہوزی سے قریب دس میل دور بطلوہا چھاونی کے فوجی افسر تھے ۔ وہ حضور کے قدموں میں گر پڑے ۔ان میں سے ایک عورت نے حضور کے قدموں کو آنسوؤں سے تر کر دیا اور انھیں چھوڑ نہیں رہی تھی ۔یورپین وفد کے ایک ممبر نے اعتراض کیا کہ اس طرح قدموں پر گرنا انسانیت کی بے عزتی ہے ۔"

حضور نے ارشاد فرمایا ، " میں اس قدمبوسی کی عادت کو ناپسند کرتا ہوں ۔میں نے کئی دفعہ ان لوگوں کو اس طرح کرنے سے روکنے کی کوشش بھی کی ہے ، مگر یہ مانتے ہی نہیں ۔ "

تب امریکن محترمہ نے آہستہ سے پادری کے ہاتھ سے بائیبل لے کر یہ حصہ پڑھ کر سنایا

" اس شہر کی ایک عورت کو جو بہت گُنہگار تھی ، جب یہ پتہ چلا کہ حضرت عیسےٰ مسیح ایک فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھے ہیں تو وہ ایک بہت بڑھیا ڈبے میں مرہم لائی اور ان کے قدموں میں بیٹھ کر رونے لگی ۔ یہاں تک کہ اپنے آنسوؤں سے ان کے قدم دھو ڈالے اور اپنے سر کے بالوں سے ان کو خشک کیا ، چُوما اور ان پر مرہم لگایا ۔"

"جب فریسی نے یہ دیکھا تو اپنے دل میں کہا اگر یہ شخص پیغمبر ہوتا تو اسے معلوم ہونا چاہئے تھا کہ جو عورت اس کے قدموں کو چھُو رہی ہے ،وہ کیسی عورت ہے ، کتنی بڑی گُنہگار ہے ۔"

" تب حضرت عیسےٰ نے سائمن سے کہا ،" ایک قرضخواہ تھا ، جسے دو قرضداروں سے

رقم وصول کرنا تھی۔ایک سے پانچ سو پچاس اور دوسرے سے پچاس۔دونوں قرضداروں کے پاس ادا کرنے کو ایک کوڑی بھی نہ تھی ۔قرضخواہ نے فراخدلی سے ان دونوں کا قرض معاف کر دیا۔ بتاؤ ان دونوں میں سے قرضخواہ کو کون زیادہ محسن مانے گا؟"سائمن نے جواب دیا، وہ جس کی زیادہ رقم کو معاف کیا ہے،تب حضرت عیسےٰ نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے سائمن سے کہا، 'کیا تو اس عورت کو دیکھتا ہے؟ میں تیرے گھر آیا۔تو نے مجھے پاؤں دھونے کے لئے پانی تک نہیں دیا۔لیکن اس عورت نے میرے پاؤں اپنے آنسوؤں سے دھوئے۔اپنے بالوں سے ان کو صاف اور خشک کیا۔تو نے مجھے چوما نہیں،جب کہ یہ عورت،جب سے میں لگاتار میرے قدم چوم رہی ہے۔تو نے میرے سر پر تیل نہیں لگایا لیکن اس عورت نے میرے پاؤں پر مرہم لگایا۔اس لئے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اس کے گناہ زیادہ ہوتے ہوئے بھی معاف ہو چکے ہیں کیونکہ اس میں محبت وعقیدت بہت ہے۔جس نے کم محبت کی ہے،اسے معافی بھی کم ہی ملی ہے،اور حضرت عیسےٰ نے اس عورت کی طرف مڑ کر کہا،"تیرے گناہ بخش دیئے گئے ہیں،تیری عقیدت اور یقین نے تجھ کو بچا اور بخشوالیا ہے۔تو بے فکر ہو کر جا۔(لیوک 7:37 سے 50)

وِیر بھان جی نے کہا،"بائیبل میں جیسا بیان کیا گیا ہے،ایسا نظارہ ڈیرہ میں تو ہر روز ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔"

پروفیسر جگموہن لال بولے،"حضرت عیسےٰ مسیح اس طرح کے کرشمات دکھاتے رہتے تھے۔دنیا کے سب مسیحا اسی طرح کرتے رہتے ہیں۔اگر حضور اجازت دیں تو میں آپ کو اسی طرح کی ایک بڑی اچھی کہانی سنا سکتا ہوں۔"

امریکن عورت نے کہا،"مہربانی کر کے ضرور سنایئے۔ہم حضور سے عرض کریں گے کہ وہ آپ کو منع نہ کریں۔"

تب حضور مہاراج جی پانی پینے کے لئے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور پروفیسر

صاحب کہانی سُنانے لگے۔

ایک دفعہ حضور ست سنگ کے لئے امرتسر تشریف لے گئے۔ وہ ہر ماہ سنکرات (دیسی ماہ کے پہلے دن) وہاں ست سنگ دیا کرتے تھے۔ حضور اپنی موٹر کار پر مجیٹھہ روڈ پر واقع ست سنگ گھر کی طرف جا رہے تھے۔ سڑک پر بہت بھیڑ تھی۔ لوگ موٹروں، سائیکلوں تانگوں اور رکشاؤں پر ست سنگ گھر کی طرف جا رہے تھے۔ بہت سے لوگ پیدل بھی تھے۔ جب حضور ست سنگ گھر سے قریب دو فرلانگ کے فاصلہ پر تھے تو سڑک کے ایک موڑ پر ایک آدمی اچانک آپ کی کار کے سامنے آ گرا۔ ڈرائیور نے گاڑی روکی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہوا، حضور بھی نیچے اترے۔ ایک شرابی آپ کی کار کے بالکل سامنے آ کر گر پڑا تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ بچ گیا۔ اسے کہیں چوٹ نہیں آئی۔ حضور نے اس شرابی کو، اس کے ہی کچھ ساتھیوں کی مدد سے اٹھانا چاہا لیکن وہ اس قدر نشہ میں تھا کہ کھڑا بھی نہ ہو سکا۔ بہت سے ست سنگیوں نے اسے راستہ سے ہٹانے میں مدد دی۔ جب حضور چلے گئے تو شرابی نے پوچھا کہ کار میں یہ سردار جی کون تھے؟ وہ پوری طرح ہوش میں نہ تھا۔ پھر بھی حضور کی شہنشاہی جلال وصورت اس کے دل پر اثر کئے بغیر نہ رہی۔ اس کے ساتھی جو خود بھی آدھے نشہ میں تھے، مذاق کے انداز میں بولے کہ یہاں کھڑے لوگ کہ رہے تھے کہ وہ تو خدا ہے، جو تم جیسے گنہگاروں کی نجات کے لئے زمین پر آیا ہے۔

اس شرابی کسان نے کہا، "وہ تو خدا ہی معلوم ہوتا ہے۔ میں گناہ بخشوانے کے لئے اس کے پاس جانا چاہتا ہوں، کچھ دیر بعد شراب کی آدھی بوتل جیب میں رکھے، اپنے ساتھی کے کندھے کے سہارے لڑکھڑاتا ہوا، وہ ست سنگ گھر جا پہونچا۔

حضور مہاراج جی ایک آرام کرسی پر تشریف فرما تھے۔ ہمیں تو اس آدمی کا تب پتا چلا جب وہ لڑکھڑاتے ہوئے آ کر ایک دم حضور کے قدموں میں گر پڑا۔ اور حضور کے قدموں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔

اس نے بڑی عاجزی سے عرض کیا، " آپ تو خدا ہیں، میرے گناہوں کو معاف کر دیجئے۔"

مہاراج جی اپنے کو اس سے چھُڑانے کی کوشش کرتے اور فرماتے جا رہے تھے، اُٹھو، بیٹا، اُٹھو، میں خدا نہیں ہوں۔ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔"

کسان نے کہا، "میں تب تک نہیں اُٹھوں گا، جب تک آپ میرے گناہ معاف نہیں کر دیتے۔"

بے ساختہ، حضور مہاراج جی کے منہ سے مہر و کرم سے پر ہنسی نکلی اور ایسا لگا کہ اس کے ساتھ ہی اسے بخش دیا گیا ہے۔

مہاراج جی کے نجی خدمتگار منوہر اور جمعدار پریتم سنگھ نے اسے زبردستی ہٹانا چاہا لیکن حضور نے ان کو منع کر دیا۔

حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا، " اچھا! زبردستی معافی حاصل کرنے کا یہ کیا خوب طریقہ ہے۔"

وہ شرابی زار و قطار رونے لگا اور بولا، " آپ جو چاہیں کہیں مگر جب تک مجھے معافی نہیں ملیگی، میں قدموں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

حضور دِل کھول کر ہنسے اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھتے ہوئے فرمایا، " اچھا بیٹا، اب اُٹھو، تمہیں معاف کیا۔"

کسان نے سر اونچا کرتے ہوئے پوچھا، "میرے سب گناہ معاف کر دیئے؟ کیا مجھے نرک کے دکھوں سے بچا لیا گیا ہے؟"

حضور نے فرمایا، "ہاں، تمہارے یقین نے تم کو بچا لیا ہے۔"

شام کو وہ کسان نام لینے والوں کی قطار میں پایا گیا۔ کچھ لوگوں کو نام لینے کے

لئے نامنظور کر دیا گیا لیکن وہ منظور شدہ لوگوں میں سے تھا۔"

حضور نے اس کسان سے فرمایا، "تم کو شراب وغیرہ نشیلی چیزوں اور گوشت مچھلی انڈے وغیرہ کو بھی ترک کرنا ہوگا۔"

اس نے جواب دیا، "شراب تو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ مجھ سے کبھی نہ ہو سکے گا۔"

حضور نے فرمایا، "تو پھر ایک وعدہ کرو، میرے سامنے کبھی نہیں پیوگے۔"

وہ کسان بولا، "یہ مجھے منظور ہے۔"

حضور نے پوچھا، "تم اپنی روزی کیسے کماتے ہو؟"

اس نے جواب دیا، "چوری اور ڈاکہ زنی سے۔" یہ سن کر سب حیران رہ گئے۔

حضور نے فرمایا، "یہ بھی تمہیں چھوڑنا ہوگا۔ کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرنا ہوگا۔"

اس نے جواب دیا، "میں دوسرا کام جانتا ہی نہیں۔"

مہاراج جی نے فرمایا، "لیکن نام لینے کے بعد تم کو ایمانداری سے روزی کمانے کے لئے کوئی دوسرا کام کرنا ہوگا۔"

"میں نے آج تک دوسرا کام کیا ہی نہیں اور نہ ہی کر سکتا ہوں۔"

حضور نے فرمایا، "ٹھیک ہے۔ تو تم ایک وعدہ اور کرو، تم اپنی ضرورت سے زیادہ چوری نہ کروگے۔ اور چوری کرتے وقت کسی دوسرے کو اپنے ساتھ نہ لیجاؤگے۔"

وہ بولا، "میں اس بات کا تہہ دل سے وعدہ کرتا ہوں۔"

'نام' لے کر جاتے وقت وہ ایک بار پھر حضور کے قدموں میں گر پڑا اور حضور نے اس کے سر پہ دوبارہ ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی۔

'نام' لینے کے بعد وہ ضلع گورداسپور میں اپنے ایک رشتہ دار کی لڑکی کی شادی میں گیا۔ وہاں اس کے پاس رقم ختم ہوگئی۔ ایک رات وہ ایک سرمایہ دار بنئے کے گھر میں گھسا اور

اس کے لوہے کے موٹے صندوق کا تالا توڑ ڈالا۔ جوں ہی اس نے نوٹوں کے ایک گٹھ پر ہاتھ ڈالا، صندوق کا ڈھکنا جو بہت بھاری تھا، اس کے ہاتھ پر آ گرا۔ اس کے ہاتھ میں کافی چوٹ آئی اور ہاتھ صندوق میں ایسے پھنس گیا، جیسے کسی لوہے کے شکنجے میں جکڑا گیا ہو۔ ہاتھ چھڑانے میں اس کی کوئی چالاکی یا ہوشیاری کام نہ آئی۔ جب وہ ہاتھ چھڑانے کی تمام کوششیں کر کے ہار گیا اور سمجھ لیا کہ اب وہ بچ نہیں سکتا تو حضور مہاراج جی اس کے سامنے ظاہر ہوئے۔ اس کے ہاتھ کے چھڑانے میں امداد کرتے ہوئے حضور نے فرمایا، "کیا تم نے میرے سامنے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ضرورت سے زیادہ کوئی چیز نہیں چراؤں گا؟" اب سب کچھ یہاں ہی چھوڑ کر بھاگ جاؤ اور اپنی جان بچاؤ۔"

اس کے بعد اس نے تمام زندگی چوری نہ کی۔ اس کا نام گنگُو تھا۔ وہ بہت مشہور ڈاکو تھا۔

جس دن گنگو لوٹ کر اپنے گاؤں آیا، اس کے پاس اس کے جگری دوست آ دھمکے اور اسے شام کو شراب کی دعوت میں بلایا۔ اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ان کی دعوت میں شامل نہیں ہوگا۔ مگر وہ بضد رہے۔ انھوں نے غیر قانونی دیسی شراب کی بوتلیں کھول کر ایک بھرا ہوا پیالہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ مگر گنگُو نے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہی۔ تب ایک ساتھی، بلونت سنگھ، جو اس کے گروہ کا نمبر دو، سردار تھا۔ اپنے دوسرے ساتھیوں سے بولا، "اپنے سردار کی عقل ماری گئی ہے۔ اب میں اس کی جگہ باگ ڈور سنبھالوں گا۔" اس نے حضور مہاراج جی کے مُرید کو تنبیہ کی، "اگر تم نہیں پیوگے تو تمہارے ہاتھ پاؤں پکڑ کر، زمین پر چت لٹا کر تمہاری ناک بند کر دیں گے اور میں خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے منہ میں پیالہ انڈیلنے کی رسم ادا کروں گا۔"

کچھ جواب نہ پا کر نئے سردار نے گرجتے ہوئے کہا، "قیدی، بولو، تمہیں اپنی صفائی

میں کچھ کہنا ہے؟"

ڈاکوؤں کے سردار گنگو نے جواب دیا، "میں خود کو تمہارے حوالے کرتا ہوں۔"

تب وہ سب خوشی سے شور مچانے اور 'شراب زندہ باد' کے نعرے لگانے لگے۔ انھوں نے اپنے پیالے لبالب کئے اور شراب کی تعریف کے گیت گانے لگے، جیسے، شراب کے ہوتے کون مرتا ہے۔ گنگو پیالہ اٹھا کر اپنے ہونٹھوں سے لگانے ہی والا تھا کہ حضور مہاراج جی اس کے سامنے ظاہر ہو گئے۔

حضور نے کہا، "بیٹا، اپنا وعدہ یاد کرو۔ جونہی تم اپنا وعدہ توڑو گے، میں اپنی دی ہوئی معافی واپس لے لوں گا۔"

گنگو اٹھ کھڑا ہوا، پیالے کو اس نے نئے سردار پر دے مارا اور تیزی سے کمرہ سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ ایک بندوق ہاتھ میں لئے، واپس آیا اور اپنے پرانے ساتھیوں سے بولا، "تم جانتے ہی ہو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ حکم عدولی کے جرم میں میں اپنے ساتھیوں کو بھی بے خطر مار سکتا ہوں۔ اب جیسے اور جہاں بیٹھے ہو، ویسے اور وہیں خاموش بیٹھے رہو اور میری بات غور سے سنو۔ اگر ذرا بھی ہلے تو فوراً ختم کر دئے جاؤ گے۔"

ان کے نئے سردار نے کہنا شروع کیا، "سردار ...."

"کوئی سردار نہیں" گنگو گرج اٹھا اور اس نے اپنی بندوق بلونت سنگھ کی طرف تان دی۔

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ تب گنگو نے پر سکون لہجہ میں کہنا شروع کیا، "میرے بھائیو، سنو! مجھے ایک ایسے مُرشدِ کامل مِل گئے ہیں، جن کی ایک نگاہ کرم نے میری زندگی بدل دی ہے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ نہ کبھی شراب چھوؤں گا اور نہ کبھی کوئی جرم کروں

گا۔ آج ہمارا لٹیروں کا یہ گروہ یہیں ختم ہوتا ہے۔ اب ہم کسی قسم کا جرم کرنے کے لئے جمع نہیں ہوں گے۔ یہ میری تجوری کی چابیاں سنبھال لو۔ تم میں سے کسی میں بھی سردار بننے کی قابلیت نہیں۔ تجوری میں سے ساری رقم نکال کر آپس میں برابر بانٹ لو۔ میرے خیال میں ہر ایک کے حصے میں پانچ پانچ ہزار روپے آئیں گے۔ کسی بڑے شہر میں چلے جاؤ اور اس رقم سے اپنا، اپنا دِل پسند کاروبار جما لو۔ شاید پولیس ابھی تمہارے ناموں سے ناواقف ہے۔ تم آسانی سے اپنی نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔ اگر پچھلے جرموں کی وجہ سے تم میں سے کوئی بھی گرفتار ہوا اور مقدمہ چلا تو اس کی امداد اور بچاؤ کے لئے میں ہمیشہ تیار ہوں۔ میں ان کالی کرتُوتوں سے اپنے ہاتھ ہمیشہ کے لئے دھو چکا ہوں۔ اب اگر تم میں سے کسی کو کچھ کہنا ہے تو بولو۔"

ان میں سے ایک بول اٹھا، "سردار، تمہارے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکیں گے اور اس کے بعد ان سب نے یہی بات دہرائی۔"

گنگُو نے بڑے پُر محبت انداز میں کہا، "اب ہم سب بھائیوں کی طرح رہیں گے، چوروں، ڈاکوؤں کی مانند نہیں" کچھ دیر رُک کر اس نے مزید کہا، "اوہ نہیں! میں تو ایک اشتہاری مجرم ہوں۔ پولیس میری تلاش میں ہے۔ میں اب پولیس سے بچنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جاؤں گا۔ اس لئے تم سب جہاں تک ممکن ہو، مجھ سے دُور رہنے کی کوشش کرو۔ میرے ساتھ رہنے میں تمہارا فائدہ نہیں۔ بس، ایک آخری بات اور— اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار بیاس ضرور جانا اور وہاں کے فقیرِ کامل کے درشن ضرور کرنا۔ اگر تم میں سے کوئی پولیس کو میرے بارے میں مخبری بھی کرے گا تو میں بُرا نہیں مانوں گا۔ لیکن ایسا کرنے میں تم خود نہ پھنس جانا۔" یہ کہہ کر گنگو نے اپنی تجوری کی چابیوں کا گُچھا ان کی طرف پھینک دیا اور ہاتھ جوڑ کر ان سے رُخصت لی۔

کہاجاتا ہے کہ ایک غیر معمولی ذہین اور پاگل میں بال برابر ہی فرق ہوتا ہے ۔اگر ہم گنگو کی شخصیت کو غور سے دیکھیں تو اس میں وہ اوصاف تھے ،جن سے وہ فوج کا جرنیل بن سکتا ہے۔اس میں بے خوفی بلند حوصلہ ،متحد کرنے کی طاقت ،خود اعتمادی، مضبوط ارادہ اور بہادری وغیرہ اوصاف تھے۔وہ جرنیل ہی بنتا لیکن ایک معمولی سے واقعہ نے اس کی ساری زندگی بدل دی۔وہ ایک لمبا، مضبوط ،اور خوبصورت جوان تھا۔وہ صرف 20سال کا ہی تھا، جب اس نے اپنے گاؤں کے کچھ دوستوں کے ساتھ فوج میں بھرتی ہونے کا ارادہ کیا ۔وہ سب سکھ تھے ،جو پیدائش سے ہی بہادر سپاہی ہوا کرتے ہیں ۔ نئے کپڑے پہنے اور لمبی لاٹھیاں لئے یہ سب اپنے گاؤں سے فوج میں بھرتی ہونے گورداس پور کی طرف چل پڑے ۔

لیکن قسمت کو کون بدل سکتا ہے ؟ اگر وہ فوج میں بھرتی ہو جاتا تو ضرور اسے 'وکٹوریہ کراس' اور دیگر تمغے ملتے۔لیکن تقدیر نے کہا، " اس دنیا میں مجھے تم سے ڈاکو کا پارٹ ادا کروانا ہے"۔ اگر گورداس پور کی سڑک پر ایک پولیس تھانہ نہ ہوتا تو گنگو اسی دن فوج میں بھرتی ہو جاتا اور نام ،عزت ،دولت ،سب کچھ اس پر نچھاور ہوتا۔افسوس کہ یہ 'لیکن ، کبھی ، کبھی نہ معلوم کیا سے کیا کر دیتا ہے ۔جب وہ تھانے کے سامنے سے گزر رہے تھے تو انھوں نے تھانیدار کو ایک بڑ کے پیڑ کے نیچے ، ایک چار پائی پر بیٹھے ہوئے، کسی معاملے کی تحقیقات کرتے دیکھا ۔ وہ ایک آدمی کو بُری طرح پٹوا رہا تھا۔ان دنوں پولیس والے مار پیٹ کا طریقہ اکثر استعمال کیا کرتے تھے ۔اس آدمی کی دردناک چیخیں سُن کر یہ تینوں لڑکے ادھر چلے گئے ، حالانکہ وہاں ان کا کوئی کام نہ تھا ۔ کوئی بھی سمجھدار آدمی ،جس کو دنیا اور خاص کر پولیس کا تجربہ ہوتا، ہرگز ادھر نہ جاتا ۔لیکن قسمت میں کچھ اور ہی لکھا تھا ۔لڑکوں نے دیکھا کہ جو آدمی پیٹا جا رہا تھا، وہ ان ہی کے گاؤں کا ایک غریب مہتر (بھنگی) تھا ۔وہ زمین پر اُلٹا پڑا تھا اور دو سپاہی نعلدار جوتے پہن کر اسے روند رہے تھے اور ساتھ ،ساتھ بے رحمی سے ڈنڈوں سے

پیٹ بھی رہے تھے۔ گنگوُ نا سمجھی میں پوچھ بیٹھا،'' اس بیچارے کو کیوں پیٹ رہے ہو''؟ تھانیدار نے گالیاں دیتے ہوئے جواب دیا، "یہ تیرا باپ ہے یا دادا؟ تم لوگ اس کے خاص ساتھی معلوم ہوتے ہو۔"

تھانیدار نے ایک سپاہی کو حکم دیا، "پکڑ لو اسے! ذرا اس کی بھی خبر لے لی جائے۔"

تھانیدار نے گنگوُ کو گاؤں کا ایک گنوار لڑکا سمجھا تھا۔ لیکن یہ اس کی سخت غلطی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کسان کے بیٹے کے اندر ایک فوجی جرنیل کے اوصاف ہیں۔ جیسے ہی سپاہی نے اس پر ہاتھ اٹھایا، اس نے ایک ہی لاٹھی ایسی جمائی کہ سپاہی چکر کھا کر وہیں گر پڑا۔ گنگوُ نے اس مہتر سے کہا، "ارے بے وقوف! اٹھ، بھاگ! یہاں پڑا، پڑا کتے کی طرح پٹتے جا رہا ہے" گنگوُ کے یہ الفاظ اس مہتر پر ایسے اثر کر گئے، جیسے کسی حکیم نے اسے کوئی نئی زندگی دینے والی دوا دے دی ہو۔ اس نے گھبرائے ہوئے سپاہی کو گرا دیا، ایک اور سپاہی کے ہاتھ سے لاٹھی چھین کر تھانے دار کی بھی بے خطر پٹائی شروع کر دی۔ ان کی مار کے سامنے سب سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ تھانیدار کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ گنگوُ اور اس کے ساتھیوں کا فوج میں بھرتی ہونے کا سوال ہی ختم ہو گیا۔ اب ان کے پاس بھاگ کر قانون سے چھُپتے پھرنے کے سوا اور کوئی چارا نہ تھا۔ اس طرح ایک ہونہار زندگی، ذرا سی نادانی کے باعث برباد ہو گئی۔"

[پروفیسر جگموہن لال جی کی سنائی ہوئی کہانی یہاں ختم ہو گئی۔ لیکن اگر یہاں میں یہ نہ بتا دوں کہ گنگو کیسے مرا اور کس بہادری سے اس نے موت کا مقابلہ کیا تو یہ کہانی ادھوُری رہ جائے گی۔ حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے تک ہم گنگوُ کے متعلق کچھ زیادہ نہ جان سکے۔ شاید وہ اپنے ڈاکو گروہ کو ختم کرنے کے بعد، کسی سُنسان پہاڑی میں چھُپا رہا۔ لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس نے کافی عرصہ عبادت میں صرف کیا اور اس میں کافی کامیابی حاصل کی۔ وہ ایک مضبوط اور ہٹا کٹا جاٹ نوجوان تھا اور سب طرح کی مشکلات، محنت

اورمصیبت ہنستے ہنستے برداشت کرنے کا عادی ہو گیا تھا ۔ دراصل ایسے مضبوط ارادہ شخص ہی عبادت و ریاضت میں خوب کامیاب ہوتے ہیں، ایک نازک اور کمزور ارادہ کا آدمی کامیاب نہیں ہو سکتا ۔عبادت کے لئے ایک بہادر کے حوصلہ اورمضبوتی کی ضرورت ہے، جو ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنے کے لئے زندگی کی ہر قربانی دینے کو تیار ہو ۔ پلٹوُ صاحب فرماتے ہیں کہ عبادت و بندگی مصری کی ڈلی نہیں کہ جسے ہر کوئی نگل جائے ۔ یہ تو زہر کا پیالہ ہے ۔ جو بھی پینا چاہے، سامنے آئے ۔

حضور مہاراج جی کے رحلت فرمانے کے بعد گنگوُ اپنی خفیہ جگہ سے باہر نکل آیا ۔ اپنے محبوب مُرشد کے چلے جانے کے بعد اس کے لئے زندگی بےمقصد ہو گئی ۔نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے خود کو حوالہ پولیس کر دیا ۔ اسے کئی ڈاکے، قتل اور دیگر جرائم میں مجرم قرار دیا گیا اور پھانسی کی سزا سنائی گئی ۔ اس نے پھانسی کے حکم کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل تک نہ کی ۔ اسے پھانسی دینے کے لئے انبالہ جیل لے جایا گیا ۔جب جیل کے انسپکٹر جنرل جیل کا معائنہ کرنے آئے اور اس کی کوٹھڑی کے سامنے سے نکلے تو انھوں نے پوچھا، "یہ قیدی کون ہے ؟"

جیلر نے جواب دیا، "یہ مشہور ڈاکو گنگوُ ہے، جسے پھانسی کی سزا ہوئی ہے ۔"

انسپکٹر جنرل جیلخانہ جات نے گھبراہٹ سے کہا، "اوہ! یہ تو لاہور کی سنٹرل جیل سے تین بار بھاگ چکا ہے اور آپ نے اسے معمولی کوٹھڑی میں رکھا ہوا ہے ۔ اسے اس کوٹھڑی میں رکھو، جس میں سزائے موت کے قیدیوں کو رکھا جاتا ہے اور اس پر سخت پہرہ بٹھا دو ۔"

گنگو کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن چپ رہ گیا ۔

انسپکٹر جنرل نے پوچھا، "کیا تمہیں کچھ عرض کرنا ہے ۔"

گنگو نے جواب دیا، "نہیں، کچھ نہیں، بس، مجھے جتنا جلد ہو سکے پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا جائے۔"

جب انسپکٹر جنرل چلے گئے تو جیلر اس کو دوسری کوٹھڑی میں لے جانے کے لئے آیا۔

گنگو نے جیلر سے کہا، "سنئے خان صاحب، آپ مجھے دوسری کوٹھڑی میں تبدیل کریں یا نہ، جو آپ کی مرضی ہو، کریں لیکن اب میں بھاگوں گا نہیں، دیکھیئے!

وہ اپنی کوٹھڑی کی پیچھے کی کھڑکی کی لوہے کی سلاخیں ان کو دکھاتے ہوئے بولا، میں نے دو تین دن پہلے یہاں سے نکل بھاگنے کا پورا انتظام کر لیا تھا لیکن میرے مُرشد میرے سامنے ظاہر ہوئے اور ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اب تیرا اس دنیا سے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔ میں یہ بات آپ کے انسپکٹر جنرل صاحب سے بھی کہنا چاہتا تھا مگر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ ایسا نہ ہو، کہ آپ کا یا آپ کے ماتحتوں کا کوئی نقصان ہو جائے۔"

جیلر نے اس کے ان خیالات پر شکریہ ادا کیا۔ تین دن بعد اسے پھانسی کے تختہ پر لے جایا گیا۔ اس دوران کا عرصہ وہ برابر عبادت و ریاضت میں گزارتا رہا۔ صبح جب جیل کا ڈاکٹر اس کا معائنہ کرنے آیا تو معلوم ہوا کہ اس کا وزن دو پونڈ بڑھ گیا ہے۔

پھانسی کے وقت جیلر اور ڈاکٹر کے علاوہ ایک مجسٹریٹ بھی وہاں موجود تھا۔ انھوں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس کی کوئی آخری خواہش ہے؟"

گنگو نے جواب دیا، "بس، یہی، کہ میرا جسم آخری رسومات کے لئے بیاس میں حضور مہاراج جی کے قدموں میں بھیج دیا جائے۔"

انھوں نے پھر پوچھا، "اور بھی کچھ کہنا ہے؟"

گنگو نے کہا ، " کچھ نہیں ، میں بہت خوش ہوں ، میرے محبوب مُرشد میرے ساتھ ہیں ۔ وہ مجھے اپنے مقام پر لے جا رہے ہیں ۔ "

وہ پھانسی کے تختہ پر اس طرح چڑھا ، جیسے شادی کے موقع پر دولہا گھوڑی پر چڑھ رہا ہو ۔ جب جلاد نے پھندا ٹھیک کرنے میں کچھ دیر لگائی تو گنگو نے اس کے ہاتھ سے پھندا لے لیا اور خود اپنے گلے میں لگا لیا اور پھندے کی گانٹھ باندھنے میں جلاد کی امداد کی ۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے ، " اگر آپ میں سے کوئی خوش قسمت ہے تو ایک بار بیاس ضرور جائے اور وہاں زندہ خدا کے دیدار ضرور کرے ، دھن سنگورو ۔ "

اور وہ تینوں بیاس آئے ۔ وہ آئے ، یہاں کا حال دیکھا اور یہیں کے ہو گئے ۔ انھوں نے بتایا کہ پھانسی کے دن گنگو اس قدر خوشی اور مستی میں تھا جیسے اس کی شادی ہو رہی ہو ۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب روحانی جلال چمک رہا تھا ۔ جیل کے ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کے تجربہ کے مطابق موت کو قریب دیکھ کر بڑے بڑے بہادر قیدیوں کا بھی وزن کم ہو جاتا تھا ، وہ زرد ہو جاتے تھے لیکن گنگو کا حال اس کے برعکس تھا ۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسا واقعہ کبھی نہ دیکھا تھا ۔

گنگو کی لاش اس کے رشتہ داروں کے ذریعہ ڈیرہ لائی گئی ۔ سردار بہادر مہاراج جی کی موجودگی میں اسے نذر آتش کیا گیا ۔]

جب حضور مہاراج جی پانی پی کر اندر سے واپس تشریف لائے تو ایک صاحب نے کہا ، "میں ایک واعظ پادری ہوں ۔ میرا کام امریکہ میں ایک گرجا گھر میں وعظ کرنا ہے ۔ اگر میں سنت مت کا پیرو کار بن جاؤں تو کیا یہ کام مجھے ترک کرنا ہو گا ؟ "

حضور نے فرمایا ، " نہیں اسے ترک کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ دراصل تب آپ اور بھی اچھے واعظ بن جائیں گے ۔ "

اس پادری نے کہا، "مجھے محسوس ہوتا ہے کہ شاید میرا دل اس میں نہ لگے اور میں پوری لگن اور تندہی سے وعظ نہ کر سکوں۔"

حضور نے فرمایا، "کیوں نہیں؟ آج تک آپ نے لوگوں کو بڑے وعظ تو دئے نہیں۔ اور اب جو کچھ بھی علم حاصل کریں گے، اس سے آپ حقیقت کے اور نزدیک ہی پہونچیں گے۔"

واعظ نے پوچھا، "فرض کیجئے، میرے افسران بالا اس پر اعتراض کریں، تو؟"

حضور نے مشورہ دیا، "اگر وعظ کرنا ہی آپ کا واحد ذریعہ معاش ہے تو آپ اسے فرض سمجھ کر کرتے جائیے۔"

واعظ نے کہا، "لوگ ابھی حقیقت کو سننے کے لئے تیار نہیں۔"

حضور نے ارشاد فرمایا، "تب آپ ان کو حقیقت کی اتنی ہی خوراک دیں، جتنی وہ ہضم کر سکیں۔"

واعظ بولا، "میں دوران جنگ فوج میں تھا۔ میں دوبارہ فوج میں جا سکتا ہوں لیکن سپاہی کو قتل کرنا پڑتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "تو کیا ہوا؟ سپاہی اپنی مرضی سے تو کسی کو مارتا نہیں۔ وہ تو اپنے حاکم کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ قتل کا بوجھ اس کے سر پر نہیں، وہ تو صرف فرض ادا کرتا ہے۔ فرض کیجئے، شہر میں فساد ہو رہا ہے یا ڈاکہ زنی ہو رہی ہے تو اس وقت گولی چلانا بہتر ہے یا اپنے فرض سے منہ موڑنا؟"

نجات کے طریق

یہ تو مجھے یاد نہیں کہ کون سے سال کی بات ہے لیکن بڑے دنوں کی چھٹیاں تھیں۔ اور عدالتیں اور دفتر بند ہو چکے تھے۔ ان باتوں کو یاد نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مہاراج جی کی گفتگو بڑی جلدی میں اور بغیر تیاری کے نوٹ کی گئی تھی۔ لوگ حضور کے آرام یا سہولت کا ذرا بھی خیال نہ کرتے ہوئے کسی وقت بھی آ جاتے تھے۔ حضور بھی اتنے مہربان تھے کہ ان سے ملنے فوراً نیچے چلے آتے اور بڑی محبت کے ساتھ ان کے سوالات کے جواب ارشاد فرماتے۔ ان بے وقت آنے والے لوگوں میں اکثر نئے متلاشیان حق ہوا کرتے تھے۔ جو لاہور، امرتسر اور کشمیر جاتے ہوئے گھنٹہ، دو گھنٹہ کے لئے ڈیرہ رُک جایا کرتے تھے۔ ایک دن کی بات مجھے خاص طور پر یاد ہے، جب حضور مہاراج جی صبح سے دوپہر تک باہر سے آنے والے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے اور دوپہر کا کھانا بھی دو بجے کے بعد ہی لے سکے۔ جوں ہی آپ کھانا کھا کر اٹھے کہ فوجی افسروں کا ایک گروہ آ گیا اور حضور کے دیدار کے لئے عرض کیا۔ میں ان سے معافی مانگ ہی رہا تھا کہ حضور خود باہر آ گئے۔ آپ نے کچھ دیر آرام فرمانے کی میری عرض کو اَن سُنا کر دیا۔ ان افسران نے بھی حضور سے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے گزارش کی لیکن آپ نہ مانے۔ آپ نے سب کو بلا لیا اور بڑے جوش کے ساتھ ان کے سوالات کے جواب اس تازگی سے دینے لگے، جیسے رات بھر آرام کے بعد بس ابھی جاگے ہوں۔

ایسے موقع پر اگر ہم ان سے کچھ دیر آرام فرمانے کی ضد کرتے تو آپ جواب میں

ارشاد فرماتے "یہ تو میرے مُرشد کا دِیا ہوا فرض ہے ۔ اس سے نہ میں جی چرا سکتا ہوں، نہ منہ موڑ سکتا ہوں۔"

اسی لئے یہ باتیں جلدی میں نوٹ کی گئی ہیں ۔ تاریخ، ماہ اور دوسری باتوں کو لکھنے کا وقت ہی کہاں ملتا تھا اور نہ اسے میں نے تب اتنا اہم اور ضروری ہی سمجھا تھا ۔ اس کے علاوہ جب بھی میں نے اپنی یادداشت سے کوئی تاریخ وغیرہ لکھنے کی کوشش کی تو کامیابی نہ ملی ۔ اس لئے میں نے تاریخ درج کرنے کا خیال ہی چھوڑ دیا اور چند دن بعد تو مجھے تاریخ وغیرہ درج کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی ۔ کیا حضور مہاراج جی کی باتیں وقت یا زمانہ کی حدود سے پرے نہیں ہیں؟

کچھ لوگوں کی ایک پارٹی اپنی رخصتوں کا کچھ وقت ڈیرہ میں گزارنے کے لئے آئی تھی، جس میں جالندھر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ،رائے صاحب رنجیت گوپال، فوجداری کے مشہور وکیل سردار کیسرا سنگھ، پبلک پروسیکیوٹر پنڈت کیول کرشن کے علاوہ جالندھر کے کئی دِیگر صاحبان بھی تھے ۔ رائے صاحب رنجیت گوپال تو ست سنگی تھے، باقی سب لوگ ست سنگی نہ تھے ۔ لیکن آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح وہ بھی خدا کیا ہے اور موت کے بعد کیا ہوتا، وغیرہ کے متعلق کچھ جاننے کے خواہشمند و شائق تھے، بشرطیکہ اس میں ان کو محنت یا تکلیف نہ اٹھانا پڑے ۔ رائے رنجیت گوپال نے ان سب کا حضور سے تعارف کرایا۔

جالندھر کے ایڈوکیٹ سردار بھگت سنگھ، سردار جگت سنگھ (جو بعد میں حضور مہاراج سردار بہادر بنے) رائے صاحب مُنشی رام جو پنجاب کے ڈسٹرکٹ و سیشن جج تھے (اور بعد میں حضور مہاراج جی کے سیکریٹری بنے) اور اس کتاب کے مصنّف بھی وہاں موجود تھے یہ ست سنگی ہر رخصت کے دن خواہ اتوار ہی کیوں نہ ہو ڈیرہ آیا کرتے تھے۔

حضور جب سب کی خیر و عافیت دریافت کر چکے تو سردار کیسرا سنگھ نے گُفتگو کا آغاز

کیا اور عرض کیا،" روحانی علم حاصل کرنے کے لئے متلاشی کو کس مذہبی کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے؟"

حضور مہاراج جی نے پوچھا، "ابھی تک آپ نے کون سی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے؟"

"میں نے گیتا کا انگریزی ترجمہ پڑھا ہے۔"

حضور نے مزید پوچھا،" کیا آپ نے گورو گرنتھ صاحب بھی پڑھا ہے؟"

انھوں نے جواب دیا،"جی نہیں، میں نے تو صرف گورو گرنتھ صاحب کے کچھ حصے بھائیوں (گورودواروں میں گورو گرنتھ صاحب کا پاٹھ کرنے والوں) سے سُنے ہیں۔اس کی زبان اتنی مشکل ہے کہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔"

حضور نے تجویز کیا،" تب آپ 'سکھ منی صاحب' کا مطالعہ کریں۔یہ آسان اور سلیس ہے۔ ویسے تو گرنتھ صاحب کا بھی کافی حصہ بہت آسان ہے۔"

اب پنڈت کیول کرشن بولے،" کتابیں تو آخر کتابیں ہی ہوتی ہیں، خواہ وہ کتنی ہی مذہبی اور ترغیب دینے والی ہی کیوں نہ ہوں۔اصل ضرورت تو ایک ایسے خدا رسیدہ کامل انسان کی ہے، جس کے روئیں روئیں سے روحانیت کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں۔"

رائے رنجیت گوپال نے کہا،"ارے واہ! پراسیکیوٹر صاحب! اتنی بڑی اصلیت کو آپ نے کس خوبصورتی سے ظاہر کیا۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ اپ ایک چھُپے ہوئے عالم ہیں۔ مولانا روم نے فرمایا ہے کہ کامل فقرہ کی ایک پل کی صحبت سالہا سال کی عبادت و ریاضت سے بدرجہا بہتر ہے 1۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا،"اصل مسئلہ تو من پر قابو پانے کا ہے۔"

---

1 ہم نشینی ساعتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا (مولانا روم)

حضور مہاراج جی نے فرمایا،"میں آپ کو اس موضوع پر بڑے ،بڑے سنتوں اور فقرائے کامِل کے قول سناتا ہوں۔ ہمارے جسم میں من کا ٹھکانہ آنکھوں کے پیچھے تیسرے تِل یا نقطہءسویدا میں ہے۔ یہاں سے ہی من جسم کے نو دروازوں (آنکھ، کان، ناک،منہ وغیرہ) سے دنیا میں چاروں طرف پھیلتا ہے۔جب تک ہم من کی پھیلی ہوئی توجہ کو باہر سے سمیٹ کر واپس اسی جگہ نہ لے آویں، تب تک من پر قابو پانا بہت مُشکل ہے۔لوگوں نے اسے قابو کرنے کے لئے کئی طریقے اختیار کئے لیکن بری طرح ناکام رہے۔"

حضور نے سردار بھگت سنگھ کو شبد کی مہما کے شبدمیں سے گورو ارجن دیو جی کا 'پاٹھ پڑھیو ار بید بچاریو' شبد پڑھنے کو کہا۔یہ کتاب حضور مہاراج جی کے ذریعہ، گورو گرنتھ صاحب میں سے چُنے ہوئے شبدوں کا مجموعہ ہے۔

سردار بھگت سنگھ جی نے پُورا شبد پڑھ کر سنایا

سورٹھ محلہ - 5 -

پاٹھ پڑھیو ار بید بچارو ، نیولی بھوئنگم سادھے
پنچ جنا سیو سنگ نہ چھٹکیو ، ادھک اہنگ بدھ بادھے
پیارے اِن بدھ مِلن نہ جائی ، میں کئے کرم انیکا
ہاری پریو سوامی کے دوارے ، دیجے بدھ بیبیکا
مون بھیو کرپاتی رہیو ، نگن پھرئیو بن ماہیں
تٹ تیرتھ سب دھرتی بھرمیو ، دُبدھا چھٹکے ناہیں
من کامنا تیرتھ جائے بسیو ، سر کروت دھرائے
من کا میل نہ اترے ایہہ بدھ ، جے لکھ جتن کرائے

کنک کامنی ہے ور گے ور ، بہوُ بدھ دان داتارا
ان وستر بھوم بہو ارپے ، نہ ملیئے ہر دوارا
پوُجا ارچا بندن ڈنڈوت ، کھٹ کرما رت رہتا
ہو ہو کرت بندھن ماہیں پریا ، نہ ملیئے ایہہ جگتا
جوگ سِدھ آسن چوراسی ، ایہہ بھی کر کر رہیا
بڈی آرجا پھر پھر جنمے ، ہری سیو سنگ نہ گہیا
راج لیلا راجن کی رچنا ، کرئیا حکم اپھارا
سیج سوہنی چندن چوآ ، نرک گھور کا دوارا
ہر کیرت سادھ سنگت ہے ، سر کرمن کے کرما
کہو نانک تِس بھیو پراپت ، جِس پورب لکھے کا لہنا
تیرو سیوک ایہہ رنگ ماتا
بھیو کرپال دین دُکھ بھنجن ، ہری ہر کیرتن ایہہ من راتا

(آدی گرنتھ صفحہ ، 641-642)

شبد پڑھے جانے کے بعد حضور مہاراج جی نے فرمایا کہ گورو صاحب نے اس شبد میں ان مختلف ذرائع کا بیان کیا ہے ، جن کا عمل پرانے لوگ مالک سے وصال کے لئے کیا کرتے ہیں - اور ساتھ ہی ان کے نتیجوں کا بھی ذِکر کرتے ہیں - ایک ایک کر کے وہ ان سب طریقوں کی بے کاری پر روشنی ڈالتے ہیں - آخر میں گورو صاحب فرماتے ہیں ان میں سے کسی بھی طریق کے ذریعے نہ من پر قابو پایا جا سکتا ہے اور نہ حواس کو دُور کیا جا سکتا ہے -

رائے صاحب رنجیت گوپال بولے ، "میں پچھلے سات ، آٹھ سال سے گیتا کے دوسرے باب کا پاٹھ کرتا آ رہا ہوں لیکن میری آنکھیں آج کھُلی ہیں اور مجھے اپنی بیوقوفی پر

تعجب ہو رہا ہے ، کیونکہ میرا یقین تھا کہ اس پاٹھ سے ہی مجھے نجات مِل جائے گی ۔"

سِکھ وکیل صاحب نے کہا ، "حضور ! میں ہر روز صبح 'جپ جی صاحب' کا پاٹھ کرتا ہوں ۔ کیا اس سے مجھے کچھ فائدہ نہ ہو گا؟"

حضور نے پوچھا ، "آپ یہ پاٹھ کب سے کرتے آ رہے ہیں ۔"

وکیل صاحب نے جواب دیا ، "چودہ سال کی عمر سے یعنی پچھلے گیارہ سال سے "

مہاراج جی نے فرمایا ، "بہت خوب ، اپنی اس عبادت و عقیدت کے لئے آپ مبارک کے حقدار ہیں ۔ آیئے اب اس کے اوصاف پر سکون اور فراخ دِلی سے غور کریں ۔ سبھی مذہبی کتابوں کی ، خواہ وہ اپنے مذہب کی ہوں یا دوسرے مذاہب کی ، یکساں رُوحانی اہمیت ہے ۔۔ یہاں ہم کِسی خاص مذہب یا شخص کی بات نہیں کر رہے ہیں ۔ فرض کیجئے ، ایک عیسائی روزانہ ایک گھنٹہ بائیبل پڑھتا ہے یا ایک بودھ صبح سویرے بڑی عقیدت سے اپنی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے ۔ مگر ان سب مذہبی کُتب کے مطالعہ کا مقصد کیا ہے ؟ یہی نہ ! کہ ان میں جو باتیں درج ہیں ، جو ہدایات دی گئی ہیں ہم ان پر عمل کریں اور فائدہ اٹھایں ۔ اگر آپ کِسی مذہبی کتاب کا فقط ایک بار ہی مطالعہ کرتے ہیں لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں ، اور اس کی ہدایات پر عمل شروع کر دیتے ہیں تو اس کے مطالعہ کا حقیقی مقصد پُورا ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر آپ کسی مذہبی کتاب کو بغیر سمجھے بُوجھے اور فائدہ اٹھائے ، بار بار طوطے کی طرح رٹتے جایں گے ، اس پر عمل نہ کریں گے تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو گا ۔ ایسا کرنا فقط ایک رواج یا رسم کو پورا کرنے کی مانند ہو گا ۔"

وکیل صاحب بول اٹھے ، "لیکن کرتے تو سب لوگ یہی ہیں ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا ، "یہی تو حیرانی کی بات ہے ، یہ تو یوں ہوا جیسے پیٹ درد کو دور کرنے کے لئے کسی ڈاکٹر کے لکھے نُسخہ کو بار ، بار پڑھتے جایں ۔ لیکن درد تب تک دور نہ ہو گا جب تک آپ اس نُسخے کے مطابق دوا بنا کر ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق استعمال نہیں کرتے ۔

کوئی شخص کشمیر جانے کے لئے وہاں کی گائڈ بک خرید لیتا ہے اور صرف اس کا مطالعہ ہی کرتا رہتا ہے، مگر جانے کے لئے ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا۔ تو کیا وہ کشمیر پہنچ جائے گا؟"

وکیل صاحب نے سوال کیا، "تو کیا مذہبی کتب کے مطالعہ کا کچھ فائدہ ہی نہیں؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نہیں، کچھ فائدہ تو ہے ہی۔ ان کے مطالعہ سے نفس کا رجحان عبادت یا بندگی کی طرف ہو جاتا ہے اور خدا سے وصال کی طلب و تمنا، شوق و ذوق پیدا ہوتا ہے لیکن ہم کو یہاں پر ہی نہیں رُک جانا چاہئے۔ یہ کتابیں ہمیں مالک سے ملنے کی راہ دکھاتی ہیں۔ راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بیان کرتی ہیں۔ ان کو دور کرنے کی تدبیر اور طریقے بھی بتاتی ہیں۔ ان کے خدا رسیدہ مصنّف یہ بھی بتلاتے ہیں کہ نفس پر قابو پانے کے لئے انھوں نے کیا طریق اختیار کئے، جیسا کہ ابھی آپ نے جو شبد سنا ہے اس میں گورو ارجن دیو جی اپنے تجربات کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر ہم ان کے تجربات کا فائدہ نہیں اٹھاتے اور ان پر عمل کرنے کی بجائے فقط اس شبد کا پاٹھ ہی کرتے رہتے ہیں تو میرے خیال میں خدا سے وصال کی راہ میں کوئی ترقی نہ کر سکیں گے۔"

تب رائے رنجیت گوپال بولے، "گورو نانک دیو جی خود فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی ہر ماہ، ہر سال بلکہ تمام عمر مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے صرف ایک بات '(سُرت شبد کا جوڑنا) یعنی روح کا کلمہ یا ندائے سلطانی سے منسلک ہونا ہی کام میں آتی ہے۔ باقی سب بیکار ہے 1۔

---

1 پڑھ پڑھ جیتے برس برس، پڑھیے جیتے ماس
پڑھیے جیتی آرجا، پڑھیے جیتے ساس
نانک لیکھے اک گل، ہور ہومے جھکھن جھاکھ
(آدی گرنتھ، صفحہ 467)

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بات یہ ہے کہ صرف مذہبی کتابوں کا مطالعہ ہی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ گورو ارجن دیو جی فرماتے ہیں کہ متلاشیوں نے بڑے غور و خوض سے ویدوں کا مطالعہ کیا 'کُنڈلنی یوگ' کیا اور ساتھ ہی مختلف طریق (دھوتی نیتی بستی اور نیولی وغیرہ) بھی اختیار کئے مگر ان سے ہوّس، حرص، غرور، طمع، تکبّر اور دنیاوی اشیا سے لگاؤ نہ گیا۔ اگر مذہبی کتب کا مطالعہ ہی نجات دلا سکتا تو راون کو نجات کیوں نہ ملی؟ وہ تو ویدوں کا بڑا بھاری عالم تھا۔ آپ سب جانتے ہیں کہ اس کی ذہنیت کیسی تھی اب بھی ہر سال رام لیلا میں اس کا پُتلا جلایا جاتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ مذہبی کتابوں کے مطالعہ، مقدّس مقامات اور دریاؤں کی زیارت اور غسل سے ان کے گناہ دُھل کر ختم ہو جاتے ہیں، حالانکہ اگر وہ گہرائی سے غور کریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ گناہوں کے ختم ہونے کی بجائے گناہوں کے بوجھ میں ایک اور گناہ کا اضافہ ہو گیا، خود کو دوسروں سے زیادہ عالم، زاہد و پارسا سمجھنے کے تکبّر و غرور کا گناہ۔

"لیکن گورو ارجن دیو جی صرف اتنا ہی کہہ کر خاموش نہیں ہو گئے۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ لوگوں نے مون (خاموشی) بھی اختیار کی۔ وہ آبادی چھوڑ کر جنگل و بیابان میں رہنے لگے۔ وہاں ننگے گھومتے رہے۔ انھوں نے اپنا سب اثاثہ ترک کر دیا، کرپاتری بن گئے یعنی برتنوں کی بجائے ہاتھوں پر ہی کھاتے پیتے رہے۔ پھلوں، پھولوں پر ہی گزارا کیا۔ سب مقدّس مقامات کی زیارت کی۔ برفانی کوہساروں پر گئے۔ مقدّس دریاؤں میں غسل کیا۔ کاشی جی میں جاکر 'کروت' (آرہ) کے نیچے اپنے دو ٹکڑے بھی کروالئے لیکن ان سب سے بھی ان کی چشمِ باطن (اندرونی آنکھ) نہ کھُلی۔ کاشی میں ایک بڑے مندر میں ایک آرہ (کروت) تھا، جس کے متعلق یہ اعتقاد تھا کہ اس سے خود کو کٹوانے سے انسان جس خواہش کو لے کر قربانی دیتا تھا، وہ پوری ہوتی تھی۔"

وکیل صاحب حیرانی سے بول اٹھے، "کیا لوگوں نے آرہ سے اپنے دو ٹکڑے کروائے؟ اے مالک! کتنی بے رحمی ہے!"

"اور کتنی بیوقوفی" سردار کیسرا سنگھ بولے۔

حضور نے فرمایا، "نجات حاصل کرنے کے لئے لوگ اس سے بھی زیادہ تکلیفیں برداشت کر چکیں ہیں لیکن ان سب کا نتیجہ کیا ہوا، یہ آپ خود ہی دیکھ سکتے ہیں۔"

نوجوان وکیل نے پوچھا، "حضور ان نیک نیتی سے کی گئی ریاضتوں کا کچھ پھل تو ہوتا ہی ہو گا؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "بے شک، ان ریاضتوں کے نتیجے کے طور پر وہ کسی امیر خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ بادشاہ بنتا ہے یا کوئی بہت بڑا رہنما یا بیوپاری بنتا ہے۔ ممکن ہے وہ لمبے عرصہ تک بہشت کے سُکھوں سے لُطف اندوز ہوتا رہے۔ لیکن وصال خدا ان ذرائع سے نہیں ہوتا۔ گورو ارجن دیو جی ان سب ذرائع اور جسمانی اذیتوں کا ذِکر کرتے ہیں جو انھوں نے نفس پر قابو پانے کے لئے کئے اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ان سب سے انھیں کوئی مدد نہ ملی۔"

سردار کیسرا سنگھ نے پوچھا، "من پر قابو پانے کے لئے گورو صاحب خود کون سے طریقے بتاتے ہیں؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "وہ فرماتے ہیں کہ جب ان سب ذرائع سے جو عام طور پر خدا کے وصال کے لئے کئے جاتے ہیں، وہ خدا کو نہ پا سکے تو مُرشد کے قدموں پر گر پڑے اور مُرشدِ کامل نے ان کو 'انحد شبد' ہری کیرتن یا ندائے سُلطانی کی راہ دکھائی۔ یہی سب فقرائے کامل اور سنتوں کی راہ ہے۔ فقرائے کامل نے ہر ملک و زمانہ میں اسی راہ کو اختیار کیا۔ مسلمان فقرائے کامل اسے ندائے آسمانی یا سلطان الاذ کار کہتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں رشیوں نے اسے آکاش وانی کہا۔ عیسائی حضرات اسے ورڈ یا لوگاس کہتے ہیں۔ یہ ایسا نغمۂ شیریں ہے کہ روح اسے ایک بار سُن لے تو اس کی سب کثافت و غلاظت اُتر جاتی ہے۔"

"مہاراج جی، کیا کوئی ایسی علامت ہے، جس سے ہم کامل فقرا و سنتوں کو پہچان سکیں؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "ہاں، ایسی پہچان ہے ضرور، لیکن فقط رسیدہ روح ہی انہیں جان سکتی ہے۔ ایک الف، ب کے درجہ کا طالب علم اپنے کالج کے پرنسپل، جو کہ ایم۔اے۔پی۔ ایچ۔ڈی ہے، کے علم کے دائرہ کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا اور نہ ہی اسے سمجھ سکتا ہے۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا، "گورو گرنتھ صاحب میں مُرشد ان کامل کو مُجسّم خدا مانا گیا ہے۔اور ان کے تیئں اسی عبادت و عقیدت کا اظہار کِیا گیا ہے لیکن گورو گوبند سنگھ جی فرماتے ہیں جو کوئی مجھے خدا کہے گا 'وہ سیدھا دوزخ میں جائے گا۔میں تو خدا کا بہت ہی ادنےٰ یا حقیر خادم ہوں اور اس دنیا کا تماشہ دیکھنے چلا آیا ہوں، تو گورو گرنتھ صاحب اور گورو گوبند سنگھ صاحب کے فرمان میں یہ اختلاف کیوں ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "کِسی درویش یا سنت نے اپنے متعلق کبھی نہیں کہا کہ وہ کُل مالِک ہیں۔انھوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کا غلام یا خدمتگار ہی کہا ہے۔ دراصل وہ تو عاجزی و انکساری کا مجسّمہ ہوتے ہیں۔اس کے تحت ہی ایسا کہتے ہیں۔ان کے ان اقوال سے ان کی شان و تعریف میں ذرا بھی کمی نہیں آتی۔ گورو نانک صاحب فرماتے ہیں،' کہو نانک ہم نیچ کرما' تو کیا ہمیں ان الفاظ کا مطلب جیوں کا تیوں ہی لے لینا چاہئے؟ پلٹو صاحب فرماتے ہیں 'زندگی بھر میں نے گناہ ہی گناہ کئے ہیں' لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ ان اقوال سے ان کی عاجزی و انکساری کا اظہار ہوتا ہے۔ دراصل حقیقی انکساری تو فقط مُرشد ان کامِل و سنتوں میں ہی ملتی ہے۔ دنیا دار لوگ تو عاجزی و انکساری کا مطلب ہی نہیں جانتے۔حالانکہ سنت یا فقرائے کامِل اپنے آپ کو غلام کہتے ہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ 'کُلّ مالِک' ہی ہوتے ہیں۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا، "حضور جب ہم ڈیرہ پہونچے تو ایک آدمی کبیر صاحب کا پد گا رہا تھا کہ مُرشد مجھے خدا سے بھی زیادہ عزیز ہے۔"

رائے صاحب رنجیت گوپال نے بتلایا، حضور یہ تو کبیر صاحب کا وہ مشہور دوہا تھا:

گورو گوبند دوؤ کھڑے کا کے لاگوں پائے
بلہاری گورُ آپنے جن گووند دئیو ملائے

حضور نے فرمایا "یہ تو مُرید کا اپنے مُرشد کے لئے شکرانہ وعقیدت کے اظہار کا طریقہ ہے۔

سردار کیسرا سنگھ نے پوچھا، "کیا خدا کا بشکل انسان ظاہر ہونا ممکن ہے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "اس میں ناممکن ہی کیا ہے؟ جب بھی خدا اس دنیا میں آتا ہے، اور وہ آتا ہی ہے، تو وہ ہمیشہ انسانی جامہ میں ہی آتا ہے۔ اگر وہ فرشتے یا دیوی دیوتاؤں کی شکل میں آئے، تو نہ ہم اسے دیکھ سکیں گے اور نہ ہی وہ ہم سے گفتگو کر سکے گا۔ گائے، جانور، پرند وغیرہ تو بہرصورت ہم سے ادنیٰ درجے پر ہیں۔ وہ ہمیں نصیحت نہیں کر سکتے۔ اس لئے، انسانی جامہ اختیار کر کے وہ دنیا میں آ کر انسان سے بات چیت کر سکتا ہے۔ اسے سمجھا سکتا ہے۔ صرف انسان ہی انسان کو علم دے سکتا ہے۔ جب بھی لازم ہوا ہے، اللہ تعلیٰ ہر ملک اور زمانہ میں انسانی جامہ میں ہی ظاہر ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا، "مُرشدانِ کامل کو پہچاننے کے لئے کچھ علامتیں یا نشان تو ہونے چاہئیں۔"

حضور مسکرائے اور فرمایا، "نہیں، یہ ضروری نہیں۔ جن روحوں کے لئے وہ آتے ہیں، وہ روحیں با آسانی ان کو پہچان لیتی ہیں۔"

سردار کیسرا سنگھ نے پھر پوچھا، "تو خدا نے خود کو انسان سے پوشیدہ کیوں رکھا ہے؟"

حضور مہاراج جی نے مسکراتے ہوئے فرمایا، "خدا کبھی اس انسان سے پوشیدہ نہیں ہے، جو اصلی معنیٰ میں انسان ہے۔ لیکن کیا ہم سچ مچ انسان ہیں۔ ہم تو ایک بہتر درجہ کے دو ٹانگ والے جانور ہیں، جن میں دیگر جانوروں کی بہ نسبت ذرا سی زیادہ عقل ہے۔ حقیقی انسان تو وہ ہے، جس نے اپنی حقیقی قوت کو دوبارہ حاصل کر لیا ہے، جس نے اس دولت کو تلاش

کرلیا ، جو مالکِ نے اسی کے لئے اسی کے جسم میں محفوظ رکھی ہے ۔ہم تو اپنے جسم اور من کی طاقت پر ہی ناچتے رہتے ہیں ۔ ہمارے اندر قوت بیداری و اندرونی طاقتیں ہیں مگر سوئی پڑی ہیں جب ان کو بیدار کر لیا جائیگا، تب ہی انسان حقیقتاً مکمل انسان بنے گا ۔ مکمل انسان وہی ہے، جو اس کرۂ ارضی سے لےکرکرہ عرشی تک سب کچھ دیکھتا ہے ۔ خدا اس سے پوشیدہ نہیں ۔ ایک نامکمل انسان جس قدر زیادہ اپنی اندرونی قوت و صلاحیت کو بیدار کرتا چلا جائے گا، اتنا ہی زیادہ وہ ایک مکمل اور حقیقی انسان بنتا چلا جائے گا ۔"

سردار کیسرا سنگھ بولے، "یہ تو بالکل واضح اور صاف ہے ۔"

پنڈت کیول کرشن نے کہا، "ہمارے لئے تو یہ سب کچھ ایک پہیلی ہے ۔"

تب حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہاں ، لیکن ایک ایسی پہیلی جسے حل کیا جا سکتا ہے ۔ اصلیت تو یہ ہے کہ ہم نے کبھی اس پہیلی کو حل کرنے کی کوشش ہی نہیں کی ۔"

"خدا تو خود نیکی و پاکیزگی کا خزانہ ہے، پھر اس کی کائنات میں گُناہ کیسے پیدا ہوا؟"

رائے رنجیت گوپال نے کہا، "بدی نام کی چیز کا وجود انسان کے اپنے زاوئیہ نگاہ سے ہے یعنی بدی اگر بدی ہے تو صرف انسانی نکتۂ نظر سے ۔ ورنہ اگر سالمیت کے نکتۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو غیر سالم یا نا مکمل نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں ، یعنی بدی ہے ہی نہیں ۔ ہاں اگر نسبت یا مقابلہ کے زاویہ سے دیکھیں تو بدی و گناہ واقعی ایک تلخ حقیقت ہے اور کائنات کے کاروبار میں بدی بھی ایک اہم فرض ادا کرتی ہے ۔"

پنڈت کیول کرشن نے سوال کیا، "حضور بدی اور گناہ کی پیدائش کہاں سے ہوئی ؟"

حضور نے جواب دیا، "ہر چیز پرماتما سے ہی پیدا ہوئی ہے ؟"

"کیا پاپ بھی ؟"

"ہاں ، عکس ، سایہ اور رات کا وجود ، کس سے ہے ؟ سورج سے ۔"

پنڈت کیول کرشن نے بڑی سر گرمی سے پوچھا، "کیا شیطان، یا جسے سنت کال کہتے ہیں، واقعی ہوتا ہے ؟"

حضور نے فرمایا، "بے شک ہوتا ہے ۔"

"خدا نے اسے کیوں بنایا؟"

حضور نے فرمایا، "ہماری اصلاح و بہتری کے لئے اس کا ہونا ازحد ضروری تھا۔ سانپ کا زہر دوسروں کے لئے زہر ہے، اپنے لئے نہیں ۔"

نوجوان وکیل نے عرض کیا، "حضور، عورت کی کشش و محبت سے کیسے بچا جائے ؟"

حضور مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "محبت اور نفسانیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ عشق اوپر کو اٹھاتا ہے تو نفس نیچے کو گھسیٹتا ہے ۔ عشق روح کا فطری جذبہ ہے اور نفس یا نفسانی خواہشات، حواس کی غلامی ۔ عشق وہ نرالا جذبہ ہے، جو مالک کے کرم سے ظہور پاتا ہے ۔ خواہش نفسانی گندی گلیوں کی طوائف ہے، جس سے ہر نیک و پارسا شخص کو کنارہ کشی کرنی چاہیئے ۔ ہم ان امور کی اصلیت کو نہیں سمجھ پاتے ۔ اگر ہم روزانہ کچھ وقت اس بات پر غور کریں تو ہم نفسانی خواہشات کی کشش سے بچ پائیں گے ۔"

رائے صاحب رنجیت گوپال نے کہا، "حضور، مولانا روم فرماتے ہیں کہ دنیا جسے عشق کہتی ہے، وہ بہت زیادہ گندم کھانے کی گرمی سے پیدا ہوتا ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ہماری آنکھوں پر دنیاوی محبت اور نفسانی خواہشات کا پردہ پڑا ہوا ہے ۔ وہ اس انمول ہیرے، کوہ نور کو، جو ہمارے جسم کی تجوری میں بند ہے، دیکھ نہیں سکتیں ۔ اگر ہم اس خاک وخون سے بنے خاکی جسم سے ذرا پرے دیکھنے کی کوشش کریں تو ہمیں اللہ تعالےٰ کی وہ خوبصورت انوکھی اولاد یعنی روح اسی میں رہتی نظر آئے گی ۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ فانی جسم کا یہ گندہ و میلا پردہ جو چیتھڑوں سے بنا ہوا ہے، انسان کو اس قدر

اندھا کر دے کہ وہ اپنے اندر کے چمکدار سورج سے نکلنے والی نورانی روشنی کو بھی نہ دیکھ سکے۔"

سردار کیسرا سنگھ بولے، "تصویر کا لکڑی کا فریم (چوکھٹا) ہماری توجہ کو کھینچ لیتا ہے اور ہم اسی میں محو، اس کے اندر لگی اس نرالی تصویر اور اس کی بے حد دلکش خوبصورتی کو سمجھ نہیں پاتے اور نہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ ہم صرف اس رنگین کاغذ کی پڑیا کو ہی دیکھتے رہتے ہیں، ان زر و جواہرات کو نہیں، جن کو جوہری نے اس پڑیا میں لپیٹ رکھا ہے۔"

پنڈت کیول کرشن نے پوچھا، "مہاراج جی، خدا نے اس کائنات کو پیدا کیوں کیا؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "ہماری بہتری اور بہبودی کے لئے۔"

پنڈت جی نے پھر کہا، "شاستروں کا کہنا ہے کہ یہ سب 'اس' کا کھیل یا تماشہ ہے۔"

مہاراج جی نے جواب دیا، "ہر بات میں کوئی مقصد ہوتا ہے پرماتما کوئی کام بے مقصد نہیں کرتا۔"

تب ہی راولپنڈی اور پشاور کی طرف کے کچھ ست سنگی آئے۔ حضور کے قدموں میں سجدہ کیا اور بیٹھ گئے۔ حضور نے ہر ایک سے اس کے کنبہ کی خیر و عافیت دریافت کی۔ اس کی بعد ان لوگوں نے حضور کو ریل گاڑی میں ہوئی ایک نوجوان کی دردناک موت کا واقعہ سنایا۔ جلو ریلوے سٹیشن سے ایک نیا شادی شدہ جوڑا گاڑی میں سوار ہوا۔ بوٹاری ریلوے سٹیشن پر نوجوان اپنی بیوی کے لئے کچھ مٹھائی اور پھل لینے کے لئے اُترا۔ خوانچہ والے کے پاس پانچ روپے کی ریز گاری نہ تھی۔ اس لئے وہ ٹکٹ گھر کو ریز گاری لینے کے لئے چلا گیا۔ اس دوران گاڑی چل دی۔ نوجوان نے ہاتھ میں پھل لئے ہوئے چلتی ہوئی ٹرین میں سوار ہونے کی کوشش کی تو اس کا پاؤں پھسل گیا۔ وہ گاڑی کے نیچے آ گیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بے چاری لڑکی کی حال میں ہی شادی ہوئی تھی۔ اور وہ پہلی دفعہ سُسرال جا رہی تھی۔ وہ پردہ نشین عورت تھی۔ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اسے کون سے گاؤں جانا ہے۔ وہ

صرف اتنا بتا سکی کہ پہلے سفر میں اس نے لدھیانہ سے ایک دوسرے سٹیشن کے لئے گاڑی تبدیل کی تھی، جہاں سے اس کے خاوند کا گاؤں پانچ میل تھا۔

پنڈت کیول کرشن بول اُٹھے، "ہے۔ بھگوان! اس دنیا میں کیسا کیسا دُکھ درد ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "مسلمان فقرائے کامل نے اس دنیا کو، دارالمصائب، یعنی مصیبتوں کا گھر کہا ہے۔ کیا کبھی کسی نے اس دنیا میں حقیقی راحت کو پایا ہے؟"

سردار کیسرا سنگھ نے اس بات پر اتفاق نہ کرتے ہوئے کہا، "حضور، ہم ایسا نہیں کہہ سکتے کہ اس دنیا میں غم ہی غم ہیں۔ یہاں رنج و راحت، خوشی و غمی، دونوں اکٹھے ملتے ہیں۔ کچھ لوگ یہاں واقعی بہت خوش ہیں۔"

حضور نے ارشاد فرمایا، "آپ حواس کے وقتی آرام کو ہی حقیقی آرام سمجھ بیٹھے ہیں۔ موت، بیماری، بڑھاپا، غیر یقینی مستقبل اور حادثات کا خوف وغیرہ، ہمیشہ انسان کے سر پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ کہیں بیٹے کی موت کا خوف کھائے جا رہا ہے تو کہیں خود یا بیوی پر بیماری کے حملہ کا خطرہ ہے، کہیں تجارت میں خسارے کا فکر لگا ہوا ہے۔ ان سب کے باوجود، آپ خود کو خوش و خرم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ہسپتالوں میں جا کر دیکھئے؛ لوگ کیسے تڑپ رہے ہیں۔ آپ روزانہ عدالتوں میں دیکھتے ہیں کہ لوگ کس بُری طرح سے لڑ رہے ہیں۔ فوجداری مقدمات چل رہے ہیں۔ قید وغیرہ، سخت سزائیں ہو رہی ہیں۔ غریب قرضداروں کے خلاف قُرقیاں ہو رہی ہیں۔ ان کی جائداد نیلام کی جاتی ہے اور ان کے بیوی بچوں کو بے گھر بار کر دیا جاتا ہے۔ اگر آپ ان سب باتوں کو نظر انداز بھی کر دیں تو بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ موت ایک لازمی امر ہے اور اس کا ایک دن مقرر ہے۔ انسان کو حقیقی اور دائمی سکون تبھی مل سکتا ہے، جب وہ اپنا رخ خدا کی طرف کرے۔ وہی حقیقی سکون کا سر چشمہ ہے۔ جن چیزوں سے یہ کائنات بنی ہوئی ہے، موت و فنا ان کی فطرت ہے۔ تب آپ دائمی سکون کی اُمید کیسے

کر سکتے ہیں۔ آپ دنیا کے کسی بھی سب سے خوش و خرّم انسان سے ملیئے، اس کے دل میں بھی آپ ایک ناامُیدی، اُداسی، تنہاپن اور انتشار کا جذبہ پائیں گے۔ یہ بے چینی، روح کی اپنے اصل، خدا، سے فرقت کے باعث ہے۔ یہ قطرہ کی، واپس سمندر میں سما جانے کی تڑپ ہے۔"

سردار کیسرا سنگھ بولے، "مہاراج جی، میں جانتا ہوں کہ صرف بحث کرنے یا بال کی کھال اتارنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی میرے دل میں بار، بار یہ خیال آتا ہے کہ خدا نے کائنات کی تخلیق کیوں کی؟ اس نے ہمیں مقامِ حق سے نیچے کیوں بھیجا؟ اس نے اس دنیا میں اس قدر رنج و غم کیوں پیدا کئے ہیں؟"

حضور نے فرمایا، "میں ڈاکٹر جانسن سے آپ کو ایک کہانی سنانے کے لئے کہوں گا۔ چند روز پہلے یہ میں نے ان کو سنائی تھی۔ شاید یہ آپ کو پسند آئے گی۔"

ڈاکٹر جانسن ایک امریکن ست سنگی تھے، جو ڈیرہ میں آکر بس گئے تھے۔ وہ دوران گفتگو آہستہ سے آکر ایک کونہ میں بیٹھ گئے تھے۔ وہ مسکرائے اور بولے، "یہ کہانی بڑی دلچسپ بھی ہے اور شکُوک کو رفع بھی کرتی ہے۔ جیسا کہ حضور مہاراج جی نے سنائی تھی۔ میں شاید اسے اسی موئثر پیرایہ میں نہ دوہرا سکوں، تاہم کوشش ضرور کروں گا۔ یہ کہانی ایک اندھے شخص کے متعلق ہے جو کنویں میں گر گیا تھا۔ اس راہ سے ایک ہمدرد انسان کا گزُر ہوا۔ اس نے اس اندھے آدمی کی حالت پر رحم کھا کر اسے کنویں سے باہر نکالنا چاہا۔ اس نے ایک لمبا رسہ کنویں میں لٹکایا اور اندھے سے کہا، "تم اسے پکڑ لو، تاکہ میں تم کو کھینچ کر باہر نکال لوں۔" اندھے آدمی نے رسہ پکڑنے کی بجائے اس شخص سے فضول کے سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ مثلاً میں اتنے گہرے کنویں میں کیسے گرا؟ آپ مجھ کو کیوں نکالنا چاہتے ہیں؟ کیا اس میں آپ کا کوئی ذاتی فائدہ ہے؟ لوگ کنویں کیوں بناتے ہیں؟ سب سے پہلے کنواں کس نے بنایا؟ کیا یقین کہ میں دوبارہ کسی کنویں میں نہ گروں گا۔" وغیرہ، وغیرہ۔

اس کے ان احمقانہ سوالات سے اس رحمدل کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ تب بھی اس نے بڑے تحمّل اور سکون سے جواب دیا کہ آپ کا فائدہ تو اسی میں ہے کہ آپ فی الحال اسے پکڑ کر اوپر آجاویں، اس کے بعد خواہ آپ کتنی دیر تک آرام سے ان سب باتوں پر غور کرتے رہیں۔ لیکن اس اندھے آدمی نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں۔ اس نے اس رحمدل شخص سے پوچھا، "یہ کیا بات ہے کہ میں تو کنویں میں گرا مگر تم نہیں گرے؟"

کنویں سے نکالنے والے نے کہا کہ بھائی میں مصروف آدمی ہوں، مجھے اور بھی بہت سے ضروری کام کرنے ہیں۔ اس لئے اگر آپ جلدی سے رسہ پکڑ کر نہیں نکلیں گے تو مجھے آپ کو یہاں ہی چھوڑ کر جانا پڑے گا۔"

اس اندھے آدمی نے کہا، "ٹھیک ہے۔ لیکن آپ پہلے یہ تو بتایئے کہ یہ کنواں کتنا گہرا ہے؟ اور یہ کب اور کیوں بنا؟"

" کنویں سے نکالنے والے نے کہا، "یہ کنواں اتنا گہرا ہے کہ تم جیسے کئی آدمیوں کی قبر بن سکتا ہے، اتنا کہہ کر وہ چلا گیا۔"

اندھے آدمی کی بیوقوفی پر سب لوگ ہنس پڑے۔

تب حضور مہاراج جی نے فرمایا، " کیا ہم سب یہی نہیں کر رہے؟ دراصل ہماری عقل و دلیل ہماری راہ نجات میں بہت بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔"

پنڈت کیول کرشن نے کہا، "حضور یہ بالکل صحیح ہے، مگر مجھے ایک سوال ہمیشہ پریشان کرتا رہتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ پہلے سے ہی طے شُدہ ہے یا ہم کچھ کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں؟ کیا ہماری مرضی و منشا کا بھی کچھ دخل ہے؟"

حضور نے فرمایا، "نہ تو پہلے سے ہی سب کچھ طے شدہ ہے اور نہ ہی ہر ایک بات میں اپنی مرضی کا دخل۔ ایک وقت تھا جب ہماری اپنی خود مختار مرضی تھی۔ ہم جیسا چاہتے ویسا

عمل کر سکتے تھے۔ہم نے اپنے اعمال (کرم) کئے اور ان اعمال کا ایک نتیجہ نکلا۔وہ نتیجہ ہی ہماری قسمت بن گیا۔ہم اس سے بچ نہ سکے۔ہم نے پھر اعمال کئے لیکن اس بار ہماری خود مختار مرضی پر سابقہ اعمال اثر انداز ہوئے اور ہمارے عمل گزشتہ اعمال کے مطابق ہوئے۔ان اعمال سے پھر قسمت بنی اور ہماری اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی کم ہوگئی۔ہم لاکھوں سال سے اعمال اور ان کے نتائج کا ڈھیر لگاتے چلے آرہے ہیں۔اعمال کے نتیجے اور ان کے ردعمل کی یہ زنجیر ہماری نہ ٹلنے والی قسمت بن گئی ہے۔ہمارا جسم عقل اور من وغیرہ انہی کے ذریعہ بنتے ہیں اور یہ ہمیں ایک خاص راہ پر چلنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ہماری موجودہ زندگی ہمارے پچھلے اعمال سے بنی ہوئی ہے اور آئندہ زندگی موجودہ اعمال پر منحصر ہے۔جو کچھ ہم نے پچھلی زندگیوں میں بویا ہے، اسے آج کاٹ رہے ہیں اور جو آج بو رہے ہیں، اسے مستقبل میں کاٹیں گے۔

"ہم اس وقت دو طرح کے کرم کر رہے ہیں۔(1) نئے کرم، جن کو 'کریہ مان کرم' کہتے ہیں (2) مقدر یا مقسُوم (پرالبدھ) جو گزشتہ اعمال کا نتیجہ ہے۔دونوں شانہ بشانہ چلتے ہیں۔اب آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ہم کس حد تک آزاد ہیں اور کہاں تک مقسُوم یا قسمت کی زنجیر سے بندھے ہوئے ہیں، جسے ہم مقسُوم کہتے ہیں۔وہ ہمارے پچھلے اعمال کے نتائج کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ہم نے یہ قسمت بنائی اور ہم ہی آئندہ کی قسمت بنانے میں لگے ہوئے ہیں۔"

ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، کسی خواہش یا تمنا کے زیر اثر کرتے ہیں۔یہ خواہشات ہی ہماری آئندہ زندگی کی زنجیر و بیڑیاں بن جاتی ہیں۔اس لئے ان سے نجات کا فقط ایک ہی راستہ ہے کہ ہم لاغرض عمل (نشکام کرم) کریں۔اپنے فرائض کو لاغرض و لاتعلق طور پر، اپنے اعمال کے نتائج، سزا و جزا کا فکر کئے بغیر کرتے جائیں۔ہم لاغرض و لاتعلق جذبہ رکھ کر عمل کریں اور ان کے پھل، نتائج، سزا یا جزا کے متعلق کوئی تمنا نہ رکھیں۔جسم و جان، زر و

مال، بیوی اور بچے وغیرہ، سب کو خدا کی طرف سے سونپی گئی امانت سمجھیں اور خود کو ان کا امین یعنی سمبھالنے والا مان کر، عمل کریں یعنی خود کو اس مالک کا کارکُن سمجھ کر عمل کریں۔ کارندہ کے سب اعمال کی ذمہ داری اس کے مالک پر ہوتی ہے۔ کارندہ کسی نفع یا نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ تکلیف تو تب ہوتی ہے، جب ہم امانت میں خیانت کرنے لگتے ہیں۔"

رائے رنجیت گوپال کے ایک رشتہ دار، جناب ماتھر نے کہا، "حضور، لیکن لاغرض عمل تو بغیر مُرشدِ کامل کے رحم و کرم کے ممکن ہی نہیں ہے۔"

حضور نے فرمایا، "مُرشدِ کامل کی رحمت و کرم تو قدم قدم پر ضروری ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ ست سنگی کے باطن میں بویا ہوا نام کا بیج ایک نہ ایک دن ضرور اُگے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے ختم نہیں کر سکتی۔ مُرشدِ کامل سے بیعت شُدہ روح ایک دن ضرور مقامِ حق پر پہونچے گی۔"

پنڈت کیول کرشن نے کہا، "مہاراج جی، کیا مُرشد کی مدد کا سہارا لینا انسان کی کمزوری یا بزدلی کی نشانی نہیں؟ انسان کو اپنی مصیبت کا سامنا خود ہی کرنا چاہئے، اپنی جنگ خود ہی لڑنی چاہئے۔"

پُر شفقت مسکراہٹ سے حضور کا چہرہ کھِل اٹھا اور انہوں نے ارشاد فرمایا، "اپنے من (خودی) عقل اور خواہشات کو کسی دوسرے کی رضا پر چھوڑ دینے کے لئے بڑی مضبوطی اور بہادری چاہئے۔ پنڈت جی! اگر آپ باطن کا روحانی سفر اکیلے شروع کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مگر جو لوگ باطن میں پیش آنے والی دُشواریوں سے واقف ہیں، ان کی رائے مختلف ہے۔ کیا ہم دنیاوی لڑائیوں میں دوسروں کی امداد نہیں مانگتے؟ آپ بغیر مددگار یا راہ نما کے باطن (اندر) کے سفر میں ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ آپ کو اگر گورو یا مُرشد کا لفظ پسند نہیں تو آپ اسے مُرشد نہ کہیں، اپنا دوست کہہ لیں، ساتھی کہہ لیں، غلام یا خدمتگار بھی کہہ سکتے ہیں۔

لیکن جو کوئی بھی تلاشِ حق کے لئے باطن میں جانا چاہے گا، اسے ایک راہنما کی ضرور ضرورت ہو گی۔ البتہ جو اندر کا سفر کرنا ہی نہیں چاہتا، وہ مُرشد کے متعلق جو رائے چاہے، بنا سکتا ہے۔ اسکے فیصلہ پر کسی کو کیا اعتراض ہو گا۔"

پنڈت کیول کرشن نے پوچھا، "حضور، انسان کو موت کے لئے کیا کیا تیاری کرنی چاہیئے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "یہ تیاری تو تمام زندگی کا کام ہے۔ انسان کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ موت کا ڈنک نکل جائے تاکہ موت کے وقت وہ موت سے خوفزدہ نہ ہو بلکہ خوشی سے اسے گلے لگائے۔ ایک فارسی صوفی کا قول ہے: کیا تمیں اپنا وقت پیدائش یاد ہے؟ اس وقت سب خوشیاں منا رہے تھے اور تم رو رہے تھے۔ اب اس طرح زندگی بسر کرو کہ موت کے وقت سب روئیں اور تم خوشی مناؤ۔

پنڈت کیول کرشن نے پھر پوچھا، "موت کے وقت 'موت کا لطف' لینے کے، لئے انسان کو کیا کرنا چاہیئے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "پنڈت جی، آپ نے بہت ہی خوبصورت لفظ استعمال کیا ہے۔ دراصل جس نے زندگی کا 'حقیقی لطف' نہیں اٹھایا، وہ موت کے حقیقی لطف سے بھی واقف نہیں ہو سکتا۔ بھگوان کرشن گیتا میں فرماتے ہیں، آخری وقت کو نزدیک آتے دیکھ کر، جو انسان اپنے خیال کو نو دروازوں سے نکال کر اپنے من کو سب طرف سے سمیٹ کر، آنکھوں کے درمیان یکسو کرے گا، وہ انتہائی لطف یا دائمی سرور (پرمانند کو) پائے گا۔"
(گیتا 13,8-10)

رائے رنجیت گوپال نے کہا، "حضور، جب تک کوئی زندگی بھر اس کی مشق یا ابھیاس نہ کرے، تو کیا موت کے وقت یہ ممکن ہو سکے گا؟"

حضور نے سمجھایا، "موت کا وقت اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے پیغمبر بھی اس سے خوفزدہ رہے ہیں۔ کبیر صاحب کہتے ہیں کہ موت کے وقت اتنا درد ہوتا ہے جتنا کہ دس ہزار بچھوؤں کے ایک ساتھ ڈنک مارنے سے ہوتا ہے۔ آپ خود ہی خیال فرماویں کہ اتنے بے حد درد کے وقت کوئی شخص اپنے من کو کیسے یکسو کرسکتا ہے، اگر اس نے تمام عمر مشق یا ابھیاس کے ذریعے اس یکسوئی میں مہارت حاصل نہ کرلی ہو۔"

رائے رنجیت گوپال نے شکایت کی کہ جب بھی وہ عبادت میں بیٹھتے ہیں، ان کو نیند بہت ستاتی ہے۔

حضور نے فرمایا، "ہاں، رائے صاحب، اس عمل کی کامیابی کی راہ میں تین بڑی روکاوٹیں ہیں۔ نیند (نِدرا) بھی ان میں سے ایک ہے۔ باقی دو ہیں، سستی (آلس) اور لاپرواہی (پرماد)۔

رائے صاحب نے شکایت کی، "حضور ان تینوں نے مجھ پر قبضہ جمار کھا ہے۔

حضور مہاراج جی نے پھر دوہرایا کہ نیند، سستی اور لاپرواہی ایک عامل (ابھیاسی) کے سب سے زبردست دشمن ہیں۔

رائے رنجیت گوپال نے پوچھا، "مہاراج جی، ان سے چھٹکارا کیسے ہو؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "ابھیاس یا ریاضت کے وقت، جب نیند یا غنودگی آنے لگے تو آپ اس کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ریاضت میں کامیابی کے لئے آپ کو کیا کرنا پڑتا ہے؟ آپ اپنی توجہ کو سب حواس سے سمیٹ کر آنکھوں کے درمیان یکجا کرتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ جب آپ کو نیند آنے لگتی ہے، تو کیا ہوتا ہے؟ اس وقت بھی آپ کی توجہ سب طرف سے سمٹ کر آنکھوں کے درمیان آتی ہے۔ لیکن اس وقت اس کا جھکاؤ نیچے کی طرف (گلے میں) ہوتا ہے۔ اب نیند کے ذریعہ جو یہ سماؤ ہوتا ہے، آپ کو اس کا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس

وقت آپ اپنی توجہ کو آنکھوں کے درمیان قائم رکھیں اور 'تیسرے تِل' یعنی نقطۂ سویدا میں جانے کی کوشش کریں۔ نیند تبھی آتی ہے، جب ہماری توجہ آنکھوں سے پھسل کر گلے (کنٹھ چکر) میں آجاتی ہے۔ یہی توجہ جب آنکھوں سے نیچے باہر نکل آتی ہے تو بیداری کی حالت آجاتی ہے۔ آپ اسے نیچے یا باہر مت جانے دیجئے۔ اپنی توجہ کو عالمِ خواب اور عالمِ بیداری کے درمیان کی حالت میں قائم رکھیئے۔ تب آپ دیکھیں گے کہ آپ کی توجہ باطن میں نقطۂ سویدا کی سِمت جا رہی ہے۔"

رائے صاحب نے کہا، "کاہلی یا سُستی تو روح کی دائمی یا گہری نیند کی مانند ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "اس کا بھی علاج ہے۔ سُستی و کاہلی اکثر زیادہ کھانے سے آتی ہے۔ ست سنگی کو کم کھانا اور کم سونا چاہیئے۔ پرماد یعنی لاپرواہی ریاضت کی سب سے بڑی دُشمن ہے۔ اس پر آپ کو خود ہی قابو پانا ہے۔ یہ کام مصمّم اِرادہ کی زوردار جد وجہد و جھنجھوڑ سے ہو سکتا ہے۔ ہر روز صبح اپنے اس ارادہ کو دوہراتے رہیئے کہ مجھے ہر روز، بلاناغہ عبادت کو پورا وقت دینا ہے۔ اور پھر بلاناغہ وقت کی پابندی سے اسے سرانجام دیجئے۔ اپنے من سے کہہ دیجئے کہ جب تک وہ روزانہ عبادت نہیں کرے گا، اسے کھانا نہیں ملے گا۔ ہر صبح ہمیں مالک کو، اس کی رحمت و کرم حاصل کرنے کے لئے، اپنی ریاضت و عبادت کی نذر پیش کرتے رہنا چاہیئے۔"

رائے صاحب نے کہا، "میرا سب سے بڑا دشمن تو نیند ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "نیند پر دوسرے طریقوں سے بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔ وِرد (سمرن) کو من سے نہ کر کے، زبان سے شروع کر دیں، مانو آپ کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن زبان سے ورد اونچا نہ ہو۔ اس وقت آپ کی آواز فقط آپ ہی کو سنائی دے، کسی دوسرے کو نہیں۔ اس سے نیند دُور ہو جائے گی۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو

اُٹھ جائیے ، منہ ہاتھ دھو لیجئے اور تھوڑی دیر ٹہلیئے یا اپنے کمرہ میں ٹہلتے ہوئے سمرن کرنے لگ جایئے ۔ لیکن عبادت کرنے کا ہمارا اپنا مصمّم ارادہ ہی ان سب برائیوں کا اصل علاج ہے

حضور نے مزید فرمایا ، " آیئے ، اس سوال پر ہم ایک طرح سے بھی غور کریں ۔ فرض کیجئے آپ اپنے کسی افسر کے سامنے پیش ہیں ۔ اس نے آپ کو کسی فرض کے نہ ادا کرنے پر جواب طلبی کے لئے بلایا ہے ۔ تو کیا اس وقت آپ کو نیند آئے گی ؟ یا فرض کیجئے کسی مریض سے ڈاکٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ اس دنیا میں چند گھنٹوں کے مہمان ہیں ، تو کیا اس مریض کو نیند آئے گی ؟ ریاضت کے وقت ہم اس لئے سو جاتے ہیں کہ ہمیں موت کا خوف نہیں ، حالانکہ اسے ایک دن یقیناً آنا ہے ۔ یا نیند ہمیں اس لئے آتی ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس ہی نہیں کہ ہم اس کُل مالک کے شہنشاہی دربار میں پیش ہیں ۔ جو ہمارا سب سے بڑا افسر ہے ۔ اگر ہمارے دِل میں مالک کا ذرا بھی خوف یا پیار ہو تو نیند ہمیں ہرگز نہ آئے گی ۔ ہمیشہ یاد رکھئے کہ موت لمحہ بہ لمحہ نزدیک چلی آرہی ہے اور ہمیں بے کار ضائع کئے ہوئے ایک ایک سانس کا حساب دینا ہو گا ۔"

ایک ست سنگی نے کہا ، " حضور ، صبح تین بجے اُٹھنا تو بہت مشکل بات ہے "

حضور نے فرمایا ، " اگر آپ کو صبح جلد اٹھنے میں دِقت محسوس ہوتی ہے تو آپ ریاضت کے لئے اپنے آرام کے مطابق کوئی اور مناسب وقت نکال سکتے ہیں ۔ لیکن صبح سویرے کا وقت سب سے بہتر ہے ۔"

رائے صاحب نے عرض کیا ، " حضور نفس پر قابو پانا بہت مشکل ہے ۔"

حضور نے ارشاد فرمایا ، " آپ اپنے میں نفس کو منع کرنے ، اِنکار کرنے یا اس کا حکم نہ ماننے کی عادت ڈالئے ۔ پہلے آپ اسے اپنی چھوٹی ، چھوٹی باتوں کو ماننے کے لئے مجبور کیجئے ۔ پھر نفس آپ کی بڑی سے بڑی بات ماننے لگے گا ۔"

انھوں نے شکایت کی، "نفس ہم پر اس قدر حاوی ہو چکا ہے کہ ہمارے لئے اسے اپنی من مانی کرنے سے روکنا ناممکن ہے۔"

حضور نے فرمایا، "نہیں 'ناممکن' صحیح لفظ نہیں، آپ 'مشکل' کہہ سکتے ہیں۔ آپ نفس پر قابو پانے کے لئے اس طرح شروعات کریں۔ فرض کیجئے آپ کو بہت زور سے پیاس لگی ہے اور آپ پانی یا کوئی اور چیز پینا چاہتے ہیں۔ آپ گلاس بھر کر سامنے میز پر رکھ لیجئے اور اپنے نفس سے کہہ دیجئے، 'یہ پانی تجھے دس منٹ بعد ملے گا' آپ دس منٹ بعد پانی پیجئے۔ میرے خیال میں ایسا کرنا تو آپ کے لئے آسان ہو گا"

اس ست سنگی نے اعتراف کیا، "جی ہاں، یہ تو آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔"

حضور نے فرمایا، "یہ آپ کی نفس پر فتح ہے، فرض کیجئے آپ کو مٹھائی بہت پسند ہے اور آپ نے کھانے کیلئے ایک ٹکڑا اٹھایا ہے۔ آپ اسے واپس ڈبے میں رکھ دیجئے اور نفس سے کہیے کہ یہ پانچ منٹ بعد ملے گی۔ پانچ منٹ تک نہ کھائیں۔ اس طرح نفس پر چھوٹی، چھوٹی کامیابی آہستہ، آہستہ آخر میں اس پر پوری طرح قابو پانے میں مدد گار ثابت ہو گی۔ اسی کے بعد نفس کو قابو کرنے کی دوسری کوشش بھی کر سکتے ہیں، دن بھر میں کم از کم ایک ایسا اچھا کام ضرور کریں جو نفس کو اچھا نہ لگتا ہو۔ چند دن کی مشق یا عمل کے بعد آپ کو ایسے نتائج دیکھنے کو ملیں گے کہ آپ خود حیران رہ جائیں گے۔"

اسی ست سنگی نے کہا، "کبھی، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بھجن، سمرن یعنی ریاضت پر بیٹھتے وقت نفس اس سے صاف انکار کر دیتا ہے۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "ایسی حالت میں نفس کے ساتھ کچھ سمجھوتہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نفس سے کہئے کہ دو گھنٹہ یا زیادہ بیٹھنے کی بجائے وہ ایک آدھ گھنٹہ ہی بیٹھے۔ اتنا ہو جانے پر آہستہ، آہستہ وقت بڑھاتے جائیے۔ بعض اوقات نفس کو ضدی بچے کی مانند منانا بھی

پڑتا ہے ۔مقررہ وقت کے علاوہ، ہر روز سونے سے پہلے سمرن (ورد) کو آدھ گھنٹہ دیویں ۔ اسے روزانہ کی عادت یا اصول بنا لیجئے ۔ باقاعدگی سے بہت کامیابی حاصل ہوتی ہے ۔"

جناب ماتھر صاحب نے کہا، "حضور، دنیاوی جھگڑوں، جھمیلوں میں رہتے ہوئے کامیابی سے روحانی شغل کرتے رہنا بہت مشکل ہے ۔"

حضور نے فرمایا، "سنت مت، زندگی کی صحیح بسر واوقات سکھانے والا ایک عملی سکول ہے ۔ یہ دنیا کی تمام ذمہ واریوں کو سر انجام دیتے ہوئے وصال خدا کی راہ ہے۔ جب آپ دنیاوی قدروں اور رشتوں کے اصل راز سے واقف ہو جاتے ہیں ۔ تب ان کو سر انجام دیتے ہوئے بھی روحانی شغل کرنا آسان ہو جاتا ہے ۔ دو بات ہمیشہ یاد رکھئے :اولین ہے "موت ۔ یہ مت بھولئے کہ ہمیں یہاں ہمیشہ نہیں رہنا ۔جلد یا بہ دیر اس دنیا کو الوداع کہنا ہوگا ۔ تمام عمر جد وجہد کر کے جو کچھ بھی جمع کیا ہے، سب یہاں ہی چھوڑ جانا ہو گا ۔ دوئم، ہماری انسانی زندگی کا اصل مقصد وہ نہیں، جس میں ہم اپنا قیمتی وقت برباد کر رہے ہیں بلکہ کچھ اور ہی ہے ۔ اپنے زندگی کے اصل مقصد پر غور کرنے کے لئے کچھ وقت نکالیئے ۔میں کون ہوں ؟ کیا ہوں ؟ کہاں سے آیا ہوں ؟ انسانی زندگی کا اصل مقصد کیا ہے ؟ اس کا انجام کیا ہو گا ؟ اس کا بہترین استعمال کیا ہو سکتا ہے ؟"

جناب ماتھر صاحب نے کہا، "حضور، مجھے آپ کی رحمت و کرم کی ضرورت ہے ۔ اس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ۔"

حضور نے ارشاد فرمایا، "سنت تو مجسم رحم و کرم ہوتے ہیں ۔ ان کے لاانتہا رحم و کرم اور رحمت و شفقت کو بہت کم لوگ سمجھ پاتے ہیں ۔سنت یا فقرائے کامل اپنے پرسکون اور ابدی سرور کے مقام کو چھوڑ کر اس رنج و فکر اور غم و آلام کی دنیا میں کیوں آتے ہیں؟ کیا کشمیر کی خوبصورت و جانفزا وادی کا کوئی باشندہ موسم گرما کے مہینوں میں تپتے و جلتے

ریگستان میں رہنا پسند کریگا؟ لیکن سنت اس روئے زمین پر آکر جو جو تکالیف و اذیتیں برداشت کرتے ہیں، ان کے سامنے کشمیر والی مثال کیا معنی رکھتی ہے۔ وہ اپنے پُر سکون اور پُر آرام، پاک مقام کو چھوڑ کر اس ناپاک، غلیظ اور مکر و فریب سے پُر دنیا کے قید خانہ میں آتے ہیں۔ وہ صرف ہم لوگوں کی بہبودی کے لئے ہی اس فانی دنیا میں انسانی جامہ اختیار کرکے دُکھ اور تکلیفیں اٹھانے آتے ہیں۔ ان کا گوشت، پوست و خون کا یہ میلا انسانی جامہ اختیار کرنے کا واحد مقصد ہم لوگوں کو اس تاریک عالمِ فانی سے نکال کر واپس اپنے اصل مقام یعنی لاانتہا مسرت پُر سکون و پُر نور مُلکِ بقا میں لے جانا ہوتا ہے۔ وہ ہماری نہ صرف ہمارے اصل مقام تک راہ نمائی کرتے ہیں بلکہ ہمارے اعمال کا بارِ گراں (کرموں کا بھاری بوجھ) بھی اپنے سر لے لیتے ہیں اور بالائی روحانی طبقات تک ہماری رسائی بھی کراتے ہیں۔ فقرائے کاملِ یا سنت خدا کا ہی مجسمہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی عزیم روحانی طاقت سے ہماری روح کو بیدار کرتے ہیں اور ہمیں روحانی طبقات میں جانے کے قابل بناتے ہیں۔ ایسا کون جواں مرد، ماں کا لال ہے، جو مُرشد کامل کی امداد کے بغیر فقط اپنی ہی کوششوں سے نفس اور دنیاوی آلائش کی زنجیروں کو توڑ کر مقامِ حق پر پہنچ جائے؟"

رائے رنجیت گوپال نے کہا، "دراصل فقرائے کاملِ ہی ہمارے سب سے بڑے مہربان، داتا ہیں۔

حضور مہاراج جی نے مزید ارشاد فرمایا، "مُرشد و مُرید کا رشتہ ایک لامحدُود محبت کا رشتہ ہے۔ دنیا کے کسی بھی تعلق یا رشتہ سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے رشتہ دار تو کبھی نہ کبھی جلد یا بہ دیر ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں گے مگر مُرشد ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا۔ موت کے بعد بھی وہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس رشتہ کو گورو نانک صاحب نے کتنے خوبصورت طریق سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، جیسے ایک ماں بچے کی پیدائش کے بعد اسے بڑی محبت اور حفاظت

کے ساتھ پالتی ہے، گھر اور باہر اس پر ہمیشہ نظر رکھتی ہے، مقررہ وقت پر اسے کھلاتی پلاتی ہے اور ہر وقت اسے محبت کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح مرشد اپنے مرید کو روحانی محبت سے پالتے اور سنبھالتے رہتے ہیں۔"

حضور جب ذرا سا رُکے تو پنڈت کیول کرشن نے کہا، "مہاراج جی ہم آپکے دیدار کے لئے یہاں آنے کی کوشش سال ڈیڑھ سال سے کرتے آرہے تھے لیکن کوئی نہ کوئی رکاوٹ آہی جاتی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔"

حضور مہاراج جی کا چہرہ شیریں مسکراہٹ سے چمک اٹھا اور انھوں نے ارشاد فرمایا، "دنیا میں ایک ایسی مخالف یعنی منفی طاقت بھی ہے، جسے ہم 'کال' کہتے ہیں۔ یہ ترلوکی کا مالک ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی روح مُرشدِ کامل سے ملے۔ یہ روح کو مرشد کامل سے دور رکھنے کے لئے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ 'کال' اور مُرشدِ کاملِ کے کام ایک دوسرے کے بالکل بر عکس ہیں۔ کاملِ مُرشد روحوں کو اس دنیا کے جیل خانہ سے رہائی دلانے کے لئے آتے ہیں اور کال اس جیل خانہ کا داروغہ ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا قید خانہ کبھی خالی ہو۔ اس لئے وہ ہر ایک روح کو اس قید خانہ میں رکھنے کے لئے مُرشدانِ کاملِ سے زبردست لڑائی کرتا ہے۔"

پنڈت کیول کرشن نے کہا، "یہ تو واقعی صحیح معلوم ہوتا ہے۔"

رائے رنجیت گوپال نے پوچھا، "حضور، کاملِ مرشد جن کو بیعت کرتے ہیں یا نام دیتے ہیں، کیا ان مُریدوں کے سب گناہوں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتے ہیں؟

حضور نے جواب دیا، "ہاں، جنہیں وہ نام دیتا ہے، ان سب ست سنگیوں کے کرموں کا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہے۔"

"کیا نام دیتے وقت ہی؟"

"ہاں، اور بعد میں بھی یہ عمل جاری رہتا ہے۔ رائے صاحب، آپ نے مجھے ایک ایسے

راز کو ظاہر کرنے پر مجبور کیا ہے، جواب تک پوشیدہ تھا۔ سنئے، ایک مُرشد کامل کا ' نام دان ' فقط پاک ناموں کا ورد یا ندائے آسمانی کے سننے تک ہی محدود نہیں ہوتا۔ مُرشد کامل بیعت کرتے (نام دیتے) وقت مرید کی روح کی ڈور، جو کال سے بندھی ہوتی ہے، کھول کر ستگورو کے اندرونی قدموں سے باندھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد جیسے، جیسے مُرید کی عقیدت و عبادت بڑھتی جاتی ہے، ویسے ہی مُرشدِ کاملِ اس ڈور کو اور اوپر کے طبقات میں باندھتے جاتے ہیں۔ کال کا مقام کنج کمل یعنی دونوں آنکھوں کے درمیان کے مقام کی بائیں طرف ہے۔ اور مُرشد کامل کا داہنی طرف ہوتا ہے۔ موت کے وقت نام سے محروم لوگوں کی روح خود بخود کال کے منہ میں پہنچ جاتی ہے، جیسے کسی سپرنگ سے بندھی کھنچی آتی ہو۔ اگر نام دان یعنی بیعت کرنے کا مطلب صرف پانچ مقدّس ناموں کا بتلانا ہی ہوتا تو یہ کام تو ایک دس برس کی بچی بھی کر سکتی تھی۔ لیکن کال کے منہ سے روحوں کو نکالنا کوئی آسان کام نہیں۔ روح کو کال کے جال سے نجات فقط کاملِ مُرشد ہی دلا سکتے ہیں۔"

رائے صاحب نے پوچھا، "حضور، ایک ست سنگی کو سچ کھنڈ یعنی مقام حق پہنچنے میں کتنا عرصہ لگتا ہے؟"

حضور نے ارشاد فرمایا، "اس کے لئے کوئی مقررہ اصول نہیں ہے۔ یہ تو مُرید کی محبت، عقیدت عبادت، لگن اور کوشش پر منحصر ہے۔ اس میں مالک کے رحم و کرم اور مُرید کے اپنے اعمال کا بھی ہاتھ ہوتا ہے۔ مجھے وہ لوگ بھی معلوم ہیں، جن کی روح بیعت کرتے وقت ہی اندر چلی گئی اور اپنے مُرشد سے روبرو گفتگو کر لی۔ دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں، جن کا خیال نام لینے کے دس برس بعد بھی باہر ہی بھٹکتا پھرتا ہے۔ یہ صرف محبت و عقیدت کی راہ ہے۔ اگر مُرید کی اپنے مُرشد کے تیئں محبت و عقیدت ہے تو خواہ وہ عبادت و ریاضت (بھجن سمرن) کو زیادہ وقت نہ دے پایا ہو، تو بھی مُرشد کی رحمت اسے اوپر کے روحانی طبقات میں

لے جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنے اوپر برے اعمال کا بوجھ نہ لادتا جارہا ہو۔ مگر یہ بات یقینی ہے کہ بیعت ہونے یا نام لینے کے بعد کوئی بھی روح انسانی جامہ سے نیچے کسی بھی درجہ میں پیدا نہیں ہوگی اور بیعت شدہ روح کو مقام حق پہونچنے میں چار جنموں سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ انسانی زندگی پانے کی قدر و قیمت کا احساس بہت کم لوگ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی یہ بیش قیمت زندگی فضول کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں۔"

ایک ست سنگی نے کہا، "حضور، بعض اوقات مہینوں تک ایسا لگتا ہے کہ شبد کہیں غائب ہو گیا ہے۔"؟

حضور مہاراج جی نے اسے یقین دلایا، "شبد کبھی بند نہیں ہوتا۔ وہ ہمیشہ لگاتار ہمارے اندر گونج رہا ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بند ہو جائے تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ شبد دھُن، یا ندائے آسمانی تو ہماری زندگی کی لہر یا جیون دھارا ہے۔ یہ ہمیشہ ہمارے اندر ہے۔ لیکن ہمارا خیال باہر، دنیا میں ادھر، اُدھر بھٹکتا رہتا ہے۔ اس لئے ہم اسے سُن نہیں پاتے۔ ہمارا من بڑا غیر متوازن ہے۔ یہ بے لگام گھوڑا ہے۔ چنچل ہے۔ یہ کبھی نچلا نہیں رہتا۔ جب تالاب کا پانی ہلتا رہتا ہے تو ہم اس میں اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتے، اور اگر پانی میں کیچڑ ہو پانی گندلا ہو تو وہ ایک اور رکاوٹ بن جاتا ہے۔ جب پانی ساکن ہو جاتا ہے اور کیچڑ نیچے بیٹھ جاتا ہے تو صاف و شفاف پانی میں ہمارا چہرہ صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسی طرح جب من کی ہلچل مادیت کے پردے کی وجہ سے پیدا ہوئی، لہریں جو ہمارے من میں ہمیشہ بے آرامی اور ہلچل پیدا کرتی رہتی ہیں، ہٹ جاتی ہیں اور ہمارے دل کا آئینہ پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔ تب اس میں اندرونی روحانی خوبصورتی اور شان جھلکنے لگتی ہے۔ من یعنی نفس کو پاک کرنے کا یہ کام ورد و عبادت یعنی بھجن سمرن کے ذریعے ہوتا ہے۔"

ست سنگی نے پھر عرض کیا، "حضور میں ہر روز دو گھنٹے سمرن یا ورد کو دیتا ہوں لیکن آخر میں خود کو وہیں کا وہیں پاتا ہوں ۔ شاید میں سمرن صحیح طریقہ سے نہیں کر رہا ہوں ۔"

حضور نے فرمایا، "سمران یا ورد ہمیشہ من کی پوری توجہ سے کرنا چاہیئے، جیسے کسی دشمن پر تلوار سے حملہ کر رہے ہوں ۔ موسم گرما میں آپ نے ایک پرندے، 'پپیہے کو'، سواتی بوند، کے لئے لگاتار رٹ لگاتے ہوئے سنا ہوگا وہ بغیر رکے لگاتار رٹ لگاتا رہتا ہے ۔ 'مینو مینو' (بارش، بارش) بار، بار گھنٹوں تک وہ یہی رٹ لگائے جاتا ہے ۔ آپ کو پپیہے سے سبق سیکھنا چاہیئے ۔ آپ کا سمرن لگاتار ہونا چاہیئے ۔ من اگر سمرن کرتے وقت باہر بھٹکتا ہے تو زبان یا ہونٹوں سے سمرن یا ورد کر کے اسے تھکا دیجئے ۔ یاد رکھئے کہ آپ کی من کے ساتھ یہ لگاتار زبردست جنگ ہے اور اس میں فتح یاب ہونے کے لئے فقط مالک کی رحمت و محبت ہی آپ کی مدد گار ثابت ہو سکتی ہے ۔"

ست سنگی نے پھر عرض کیا، "حضور، یہی تو مسئلہ ہے ۔ مُرشد سے محبت کیسے پیدا کی جائے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "مالک کے لئے محبت پیدا کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ آپ یقین، عاجزی و انکساری کے ساتھ عبادت ریاضت، بھجن سمرن کو وقت دیں ۔ آپ جتنا زیادہ شبد سے جڑیں گے، اتنا ہی آپ مُرشد کے قریب پہنچیں گے، اور ان کے لئے آپ کی محبت و عقیدت میں اتنا ہی زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا ۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا، "مہاراج جی، گورو گرنتھ صاحب میں گورو صاحبان نے پریم و محبت کی بہت تعریف کی ہے ۔"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "تب بھی بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ عشق کیا ہے؟ لوگ سچے عاشق کے پاؤں کی خاک تک بھی نہیں پہنچتے ۔ عاشق کا درجہ دیگر سب عاملوں (ابھیاسیوں) سے کہیں زیادہ بلند ہوتا ہے ۔"

سردار کیسرا سنگھ نے عرض کیا، "حضور، براہ کرم پریم یعنی عشق حقیقی کے متعلق کچھ اور مفصل سمجھائیے۔"

حضور نے فرمایا، "عشق کا مطلب ہے، اپنی ہستی کو بالکل فنا کر دینا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں:

جب میں تھا تب گورو نہیں، اب گورو ہے ہم ناہیں

پریم گلی اتی سانکری، تامیں دو نہ سماہیں

پلٹو صاحب فرماتے ہیں، "سیس اتارے ہاتھ سے، سہج عاشقی ناہیں۔"

سردار کیسرا سنگھ نے کہا، "یہ بات صاف، صاف سمجھ نہیں آئی۔"

حضور نے فرمایا، "اس کا مطلب یہی ہے کہ عاشق کے لئے کوئی بھی قربانی بہت بڑی نہیں ہے۔"

ایک ست سنگی نے پوچھا، "حضور، کیسی قربانی؟"

مہاراج جی نے ارشاد فرمایا، "عاشق کو اپنا تن، من، دھن، زر و مال، دل و جان یعنی اپنا سب کچھ عشق کی دہلیز پر قربان کر دینا پڑتا ہے۔"

اسی ست سنگی نے پوچھا، "لیکن کس طرح، حضور؟"

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا، "فرض کیجئے، آپ ریاضت (بھجن) میں بیٹھے ہیں اور جسم سے روح کے سمٹاؤ کی وجہ سے آپ کے اعضا میں درد ہونے لگتا ہے۔ اگر آپ درد کے باعث ریاضت کے عمل (بھجن) سے اٹھ جاتے ہیں تو آپ سچے عاشق نہیں۔ سچا عاشق اپنے مرشد کی دید کی فقط ایک جھلک پانے کے لئے ہر طرح کے درد کو برداشت کرے گا۔ فرض کیجئے آپ کو زر و مال سے محبت ہے تو آپ کے لئے اندر کے دروازے نہیں کھلیں گے۔ خدا کے عشق کے سامنے باقی سب اُنس اور لگاؤ ختم ہو جانے چاہئیں۔ عشق حقیقی نفس کی سب غلاظتوں کو

جلاکر خاک کر دیتا ہے۔ وہ حجرہ دل کو پاک و صاف کر کے، اسے مالک کے جلوہ کے قابل بنا دیتا ہے۔ بے غرض عبادت اور پاکیزہ عقیدت ہی وہ زینہ ہے، جو ہمیں سیدھا مالک کے محل تک پہنچاتا ہے۔ عشق کسی قسم کے قاعدے، قانون سے ناواقف ہے۔ عشق بنئے کی دوکان نہیں۔ وہ نفع ونقصان کے حساب کتاب سے ناآشنا ہے شائد آپ اس دودھ بیچنے والی لڑکی کی کہانی جانتے ہوں گے، جو ایک آنہ میں ایک پاؤ دودھ بیچا کرتی تھی۔ خریدار آتے، ایک آنہ دیتے اور پاؤ بھر دودھ لیکر چلے جاتے۔ لیکن جب اس کا عاشق آیا تو وہ سب حساب اور ناپ، تول بھول گئی اور اس کے برتن میں پاؤ کے بعد پاؤ دودھ ڈالتی چلی گئی۔ تب اس کی ماں نے اسے ڈانٹا کہ کیا دودھ اس طرح لُٹایا جاتا ہے؟"

لڑکی نے جواب دیا،" ماں، جس سے میں پیار کرتی ہوں، اس کے ساتھ حساب کیسے رکھ سکتی ہوں؟ کیا تم نہیں جانتی کہ عشق سب حساب کتاب بھُول جاتا ہے؟"

" اگر ہم خدا سے سچا عشق رکھتے ہیں تو وہ بھی ہمارے لین دین کا سب حساب بھول جائے گا۔"

حضور نے مزید فرمایا، 'رام چرتر مانس' کے مصنف، مشہور سنت، گوسوامی تلسی داس کی جوانی کی ایک کہانی ہے۔ ان کی نئی، نئی شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنی بیوی سے اتنی محبت کرتے تھے کہ ایک دن کے لئے بھی اس کا فراق برداشت نہ کرپاتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی بیوی کو کچھ دن کے لئے باہر جانا پڑا لیکن اسے اسی دن واپس بلانا پڑا، کیونکہ اس کے جانے کے کچھ ہی گھنٹے بعد وہ بیمار ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی بیوی بغیر ان کے کہیں باہر نہیں جاتی تھی۔ لیکن ایک دفعہ ایسا موقع آیا کہ اسے سسرال سے کچھ میل دور ایک گاؤں میں اپنے ماں باپ کے ہاں جانا پڑا۔ تلسی داس کو درد ہجر نے آن ستایا۔ ان سے رہا نہ گیا اور وہ پیدل ہی اپنے سسرال کی طرف چل دیئے۔"

اس پر پنڈت کیول کرشن ہنس پڑے۔

حضور مہاراج جی نے مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا، "گھائل کی حالت گھائل ہی جان سکتا ہے، عاشق لوگ تو اس سے بھی زیادہ بیہودہ باتیں کر چکے ہیں۔ سنئے آگے کیا ہوا۔ راستے میں ایک چھوٹا سا دریا آتا تھا۔ جب وہ دریا کے کنارے پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور دریا میں طغیانی تھی۔ اس خطرناک وقت میں کوئی ملاح چوگنی مزدوری پر بھی جان خطرہ میں ڈالنے کو تیار نہ ہوا لیکن عاشق کبھی ہمت نہیں ہارتے وہ لکڑی کا کندہ (چھوٹا شہتیر) یا خالی کنستر ڈھونڈنے لگے تاکہ اس کے سہارے دریا عبور کرلیں مگر ان کو ایسی کوئی چیز نہ ملی۔ لہذا دریا کو تیر کر پار کرنے کے لئے وہ اس میں کُود پڑے۔ ان کو تھوڑی دیر بعد بہاؤ کی طرف بہتا ہوا ایک مردہ نظر آیا، اس کے سہارے وہ دریا عبور کر گئے۔

"آدھی رات کے قریب وہ اپنے سسرال پہنچے۔ مگر مکان کے سب کھڑکیاں، دروازے بند تھے۔ اندر جانے کی راہ کی تلاش میں مکان کے چاروں طرف چکر لگایا مگر کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ تھک، ہار کر وہ اپنی بیوی کے کمرہ کی کھڑکی کے نیچے جا بیٹھے۔ وہ کھڑکی مکان کی دوسری منزل کے کمرہ کی تھی۔ وہاں بیٹھ کر وہ اپنی بیوی کی توجہ اپنی طرف دلانے کے لئے بار، بار کھانسنے اور طرح طرح کی آوازیں نکالنے لگے۔ وہاں بیٹھے، بیٹھے وہ اوپر، چھت پر پہنچنے کے لئے کوئی طریقہ سوچ ہی رہے تھے کہ ان کو کچھ سرسراہٹ کی آواز سنائی دی، جیسے کوئی اوپر سے رسی لٹکا رہا ہو۔ ایسا دکھائی دیا جیسے ایک بڑی رسی نیچے کی طرف لٹک رہی ہے۔ اس کی مدد سے وہ اپنے بیوی کے کمرہ میں پہنچ گئے۔ اوپر پہنچ کر انھوں نے رسی کی امداد دینے کے لئے اپنی بیوی کا شکریہ ادا کیا۔ بیوی نے حیرانی سے پوچھا، "کیسی رسی؟"

تلسی داس بولے، "کیا تم نے میرے اوپر آنے کے لئے رسی نہیں لٹکائی تھی؟"

بیوی نے جواب دیا، "نہیں، میں نے کوئی رسی نہیں لٹکائی۔"

وہ دونوں اس دیوار کی طرف گئے تو دیکھا کہ وہاں ایک بڑا سانپ لٹک رہا تھا، جسے محبت میں شرابور تُلسی داس رسی سمجھ بیٹھے تھے۔ تب انھوں نے بیوی کو بتایا کہ راستے میں دریا طغیان پر تھا اور انھوں نے اسے ایک مُردے کے سہارے عبور کیا۔

ان کی بیوی نے کہا، "میرے مالک، اگر آپ اس محبت کا دسواں حصہ بھی خدا کے لئے پیدا کر لیتے تو وہ آپ کے لئے نجات کے دروازے کھول دیتا آپ کو میرے اندر ایسی کیا چیز نظر آتی ہے؟ میں محض ایک غلاظت سے پُر گوشت و پوست کا پُتلا ہوں۔ آپ اپنے اس جذبۂ عشق کا رخ مالک کُل کی طرف کیجئے تا کہ ہم دونوں اس بحرِ حیات سے پار اتر جائیں۔"

"اس ان پڑھ لڑکی کے سیدھے اور صاف الفاظ نے تُلسی داس کی آنکھیں کھول دیں۔ انکی زندگی کا رخ ہی بدل ڈالا۔ وہ اپنی بیوی کے قدموں میں جُھک کر بولے، "محترمہ، تم نے مجھے روشنی دی۔ خدا تم پر رحمت کرے۔ تم میری حقیقی مُرشد ہو۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنی بیوی کو الوداع کہا اور تلاش حق میں نکل پڑے۔"

سردار کیسرا سنگھ نے پوچھا، "کیا یہ حقیقی واقعہ ہے یا صرف کہانی ہی ہے؟"

حضور مہاراج جی نے فرمایا، "تُلسی داس کے لگ بھگ سبھی سوانح نگاروں نے اسے بیان کیا ہے۔"

گفتگو ختم ہوتی ہے

افسوس! وہ درد ناک لمحہ آ ہی گیا ــــ جس کے صرف تصور سے ہی آنکھیں آنسوؤں سے پُر ہوجاتی ہیں اور دل گہرے غم میں ڈوب جاتا ہے۔

2 اپریل 1948 کو صبح آٹھ بجے، حضور نے پانچ عناصر کے اس خاکی جسم کو الوداع کہا۔ نوے سال پہلے مقام حق کے لاانتہا سمندر سے جو لہر اٹھی تھی، واپس اسی میں سما گئی۔ جس سورج نے ہمارے تاریک دِل کے کونہ کونہ میں نور کی کرنیں بکھیری تھیں، وہ یکایک غروب ہو گیا۔ ہماری محبت و خوشی کی زندگی پر آخری پردہ گر گیا۔ اب ہماری زندگی میں رہ ہی کیا گیا تھا؟ اب تو ہم صرف موت کے منتظر تھے۔ بغیر پیارے مُرشد کے اب زندگی میں کوئی مسرت نہ رہی تھی۔ اب تو وہ صرف دُکھ، درد کی کہانی بن گئی ہے۔ وہ ہمیں چھوٹے بچوں کی طرح دلارتے اور پیار کرتے تھے۔ ہمارے سر کو ان کے ہاتھوں کا چھُونا ہی ہمارے دل و دماغ کو سکون و چین بخش دیتا تھا۔ ان کا دیدار کرتے ہی ہمارے سب دنیاوی فکر اور روحانی شکوک رفع ہوجاتے تھے۔ ان دنوں ہمارا دل اس ازلی نغمہ محبت کی لَے پر ناچتا رہتا تھا: 'دور دیش کا پریتم پیارا آیا گرام ہمارے'، آج وہی نغمہ بےسُر اور ناموزوں ہوگیا ہے۔ آج اس دور دراز ملک کے باشندے نے ہماری طرف پیٹھ کر لی ہے اور واپس اپنے اصل مقام کو چلا گیا ہے۔ ہمارے سرتاج؛ ہمارا بادشاہ ہم سے چھن گیا ہے۔ ہماری زندگی کے جہاز کا کپتان اس جہاں سے اٹھ گیا۔ ہم یتیم و بےسہارا ہو گئے۔ ہائے، کاش دو اپریل کی وہ منحوس صبح آتی ہی نہ۔ ہم ان کے ساتھ اپنی تمام زندگی رات کی تاریکی میں ہی گزار لیتے۔ وہ زندہ ہیں،

بس اتنا سا خیال ہی ہماری تاریک راتوں کو روشن کرنے کے لئے کافی ہوتا۔

جب ہم حضورِ مُرشد کے جسمِ خاکی کو دریائے بیاس کے کنارے سپُردِ آتش کر کے واپس آئے تو ڈیرہ ہمیں سنسان، ویران لگنے لگا۔ جس جانفزا ہوا نے ڈیرہ کو گلستاں بنایا تھا، وہ یکایک بند ہو گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے موسم سرما کے پالے اور کُہرے نے اس گلستاں کی سب کلیوں کو مُرجھا ڈالا تھا۔ جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور صرف ٹھونٹھ رہ جاتے ہیں، اسی طرح ڈیرہ بھی سنسان و بے جان لگ رہا تھا۔ نہ صرف بوڑھے اور جوان، امیر اور غریب ہی زار و قطار رو رہے تھے، بلکہ بچوں کے چہرے بھی اداس اور غمگین تھے۔ وہ بھی سسکیاں لے رہے تھے۔ ہماری آہ و پکاریں قدرت بھی ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ خوفناک آندھی اٹھ رہی تھی، جس کی گرد نے سارے آسمان پر چھا کر اسے تاریک کر دیا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے زلزلے کے جھٹکے آ رہے تھے، جیسے زمین بھی کہہ رہی تھی کہ کوئی افسوسناک واقعہ ہونے والا ہے۔

ایک عزیز دوست، خواہ وہ بیوی، بیٹا، بیٹی، ماں، باپ، دوست، احباب، خادم، ہمسایہ یا کوئی اور عزیز ہو، ہماری زندگی کی راہ کو بدل دیتا ہے۔ محبت ہی زندگی کو بناتی ہے، ہمیں زندہ رہنے کی خوشی دیتی ہے۔ جب یہ محبت ختم ہو جاتی ہے تو خوبصورت سے خوبصورت باغیچہ بھی ریگستان نظر آنے لگتا ہے۔ تنہائی سب خوشیوں کو ختم کر دیتی ہے۔ میرے جیسے بوڑھے اور محبت سے عاری انسان کے لئے مُرشد کے بے پناہ عِشق نے میرے اندر باقی سب محبتوں یعنی بیوی، بچے، ماں، باپ، بھائی، دوست وغیرہ کی محبت کی جگہ لے لی تھی۔ مجھے ہر چیز اداس اور غمگین نظر آتی تھی۔ دل پر تنہائی اور سونے پن کی ویرانی چھا گئی تھی۔ اب زندگی میں کوئی دِلکشی و دلچسپی نہ رہی تھی۔ اور میں زندگی کے خاتمہ کے لئے دعا کر رہا تھا لیکن اس کے ختم ہونے میں کافی وقت لگ رہا تھا۔ سنگورو کے ساتھ گزاری ہوئی

شیریں یادیں، دردِ ہجر میں اور اضافہ کر رہی تھیں۔ آہ، اس دلکش، خوبصورت چہرے کو کہاں تلاش کروں؟ وہ دلکش چہرہ کہ جس کے ایک لمحہ کے دیدار سے ہی رنج و غم دور ہو جاتے تھے اور ایسا سکون ملتا تھا کہ جیسا جلتی دھوپ سے جُھلستی ہوئی فصل کو ساون کی بوچھاڑ سے ملتا ہے۔ لیکن افسوس، وہ خوبصورت نورانی چہرہ ہماری آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو گیا۔ وہ شیریں آواز آج ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی، صرف اس کی گونج ہی رہ گئی ہے، ہمیشہ کے لئے۔

لیکن نہیں، کامل مُرشد و سنت کبھی نہیں مرتے۔ وہ روحانی روشنی کبھی گُل نہیں ہوتی۔ وہ تو ہمیشہ جگمگاتی رہتی ہے۔ کیا انھوں نے نہیں کہا تھا، "میں وعدہ کرتا ہوں، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہونگا۔"

بے شک وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ انھوں نے صرف لباس تبدیل کیا ہے۔ وہی نور آج بھی ہماری راہ نمائی کر رہا ہے، وہی شان، وہی دلنواز چہرہ، وہی دلکش مسکراہٹ، اور ویسا ہی لاانتہا رحمت و شفقت کا وسیع سمندر آج بھی موجود ہے۔ آج بھی محبت کی وہی کرن، وہی نور، چمکتے ستارے کی طرح سب پیرو کاروں کی راہ نمائی کر رہا ہے ہمیں تو صرف محبت، عقیدت اور انکساری کے ساتھ اُنکے رحم و کرم کو پانے کے قابل بننا ہے۔

حضور نے رحلت فرمانے سے پندرہ روز پہلے ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سردار بہادر جگت سنگھ جی کو اپنا روحانی جانشین مقرر کر دیا تھا۔ 20 مارچ 1948 کی صبح کو میں رائے صاحب مُنشی رام جی (رٹیائرڈ ڈسٹرکٹ و سیشن جج، پنجاب) کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ رائے صاحب 1941 سے حضور مہاراج جی کے سیکریٹری کے طور پر کام کر رہے تھے۔ حضور کا سیوادار گاندھی، ہمارے پاس آیا اور بولا کہ حضور رائے صاحب کو بلا رہے ہیں۔ رائے صاحب فوراً چلے گئے۔ جب پندرہ بیس منٹ کے بعد لوٹے تو مجھے بتایا کہ حضور نے سردار بہادر جگت

سنگھ جی کو اپنا روحانی جانشین مقرر کیا ہے اور ان کے حق میں ایک وصیت نامہ تیار کرنا ہے۔

سردار بہادر جگت سنگھ جی زراعتی کالج لائل پور (پنجاب) کے رٹائرڈ وائس پرنسپل تھے۔ ان کی اعلیٰ درجہ کی عبادت، مُرشد کے تئیں خدمت اور عقیدت کے لئے، ساری سنگت ان کی بہت عزت کرتی تھی۔ ان کی عاجزی اور انکساری کا اندازہ آگے دئے گئے واقعہ سے لگے گا۔ وصیت نامہ پر دستخط کرنے سے پہلے حضور نے سردار بہادر کو بلایا اور کہا، "روحانیت اور بیعت کرنے (نام دان) کی جو ذمہ داری میرے مُرشد بابا جی مہاراج (بابا جیمل سنگھ جی) نے مجھے سونپی تھی، وہ میں تمہیں سونپتا ہوں۔ میں تمہیں اپنا جانشین بنانا چاہتا ہوں۔" یہ سنتے ہی سردار بہادر جی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ہاتھ جوڑ کر عاجزی کے ساتھ عرض کیا، "حضور، آپ تو سنتوں کے شہنشاہ ہیں اور میں صرف آپ کے قدموں کا ایک ادنےٰ غلام ہوں۔ یہ شہنشاہوں کی گدی شہنشاہوں کو ہی زیب دیتی ہے۔ حضور ہمیشہ سلامت رہیں۔"

حضور مہاراج جی کچھ نہیں بولے، صرف سردار بہادر جی پر ایک پر محبت نظر ڈالی۔ سردار بہادر جی باہر آ گئے، ان کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ حضور نے ان کو پھر بلایا۔ اس وقت تک وصیئت نامہ پر دستخط ہو چُکے تھے۔ حضور مہاراج جی نے فرمایا، "میرے حکم کو ماننا پڑے گا۔" اس پر سردار بہادر جی حضور کے قدموں میں گر پڑے اور کہا، "مالک میں آپکے حکم کے سامنے سر جُھکاتا ہوں۔"

حضور مہاراج جی کی گرتی ہوئی صحت کی خبر سنتے ہی میں اپنے دلی جذبات کو نہ روک سکا اور رائے صاحب کو وصیت نامہ تیار کرنے کے لئے وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ شام کو مجھے وصیت نامہ دکھلایا گیا تو میرے منہ سے بے ساختہ نکل گیا کہ حضور مہاراج جی روحانیت میں تو مرشد کامل ہیں ہی، دنیاداری کے کاموں میں بھی ان کی حکمت عملی اور

دانشمندی تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ وصیت نامہ پر خود حضور کے دستخط تو تھے ہی، گواہ کے طور پر انکے سب سے بڑے لڑکے، سردار بچنت سنگھ جی اور ان کے پوتے، سردار چرن سنگھ جی، جو موجودہ مُرشد کامل (سنت سنگورو) ہیں [1]، کے بھی دستخط تھے حضور کے کہنے پر ڈاکٹر سمتھ نے بھی، جو کہ جنیوا کے مشہور ڈاکٹر اور حضور کے عزیز ست سنگی ہیں اور جو حضور کے علاج کرنے کے لئے خاص طور پر سوئٹزرلینڈ سے آئے تھے، اپنے ہاتھ سے ایک نوٹ لکھا تھا کہ وصیئت نامہ پر دستخط کرتے ہوئے حضور پورے ہوش و حواس میں تھے۔

29 مارچ، 1948 کو ست سنگ ہوا۔ یہ حضور کے عرصۂ حیات کا آخری ماہانہ ست سنگ تھا۔ ست سنگ کے بعد سردار کرپال سنگھ نے سنگت کو بتلایا کہ ڈاکٹروں کے مطابق حضور مہاراج جی کی طبیعت کافی ناساز ہے اور انھوں نے اپنا وصیئت نامہ تحریر کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سردار کرپال سنگھ نے حضور کے جانشین کا نام نہیں بتلایا۔ اس کی وجہ تو وہ ہی جانیں، ان کے دِل میں کیا خیال تھا۔ لیکن بعد کے واقعات سے اس کی وجہ بہت کچھ ظاہر ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے جانشین کے نام کو پوشیدہ رکھنے کی کافی کوشش بھی کی لیکن پھر بھی جانشین کا نام سنگت کے واپس جانے سے پہلے ہی سارے ڈیرہ میں ہر ست سنگی کی زبان پر تھا۔

بدقسمتی سے سردار بہادر جگت سنگھ جی بہت کم عرصہ ہمارے درمیان رہے۔ وہ اپریل 1948 میں گدی نشین ہوئے اور اپنی پوری روحانی شان سے جگمگانے لگے۔ اپنی ناساز صحت کے باوجود آپ نے اپنی ذمہ داری کو بڑی عقیدت اور مضبوطی سے سر انجام دی۔ 22 اکتوبر 1951 کو آپ اس فانی دنیا سے کُوچ کر گئے موجودہ سنت سنگورو، مہاراج چرن

1 حضور مہاراج چرن سنگھ جی 1 جون 1990 کو جوتی جوت سما گئے۔

سنگھ جی کو اپنا جانشین مقرر کر کے ، وصیئت نامہ پر دستخط کرتے ہوئے آپ نے فرمایا، "میں اپنے مُرشد کا خزانہ واپس انھیں ہی سونپ رہا ہوں مجھے خوشی ہے کہ میں اس امانت کو واپس لوٹا رہا ہوں ۔"

موجودہ مُرشد کامل (سنگورو) اکتوبر 1951 میں گدی پر جلوہ افروز ہوئے ۔ اس چھوٹی سی کتاب میں موجودہ مہاراج جی اور ان کے پیشرو ، سردار بہادر جگت سنگھ جی ، کے کارہائے نمایاں اور تعلیم کا ذکر ممکن نہیں ۔ یہ کام کسی بعد میں آنے والے مصنف کے لئے چھوڑتا ہوں ۔

لیکن حضور مہاراج جی کے الفاظ اب بھی میرے کانوں میں گونج رہے ہیں "میرا جانشین مجھ سے دس گُنا طاقت اور رحم و کرم لے کر آئے گا ۔ سنگت اور ڈیرہ بہت ترقی کریں گے ۔ تمہاری محبت و عقیدت میں بھی اضافہ ہوگا اور تمہیں اور زیادہ دیا و مہر اور بخشش ملے گی ۔"

ہندوستان اور غیر ملکوں کے ست سنگیوں اور متلاشیان حق کو اس بات کی حقیقت کا پورا احساس و تجربہ ہو رہا ہے ۔

روحانیت کے سچے متلاشیوں کے لئے مرشد کا در ہمیشہ کھُلا ہے ۔ وہ جب چاہیں اپنی مشکلات و شکوک رفع کرنے کے لئے ان کے پاس آ سکتے ہیں ۔ ایسی ملاقاتیں ہمیشہ سُود مند ہوں گی اور لوگوں کو اپنے تجربات کے ذریعے حضور مہاراج جی کی پیشنگوئی کی حقیقت کا علم ہو سکے گا ۔ ان کو موجودہ سنگورو مُرشد کامِل سے وہ علم الہٰی ، انوکھا گیان ، اور روحانی دولت ملے گی ، جو آج کی دنیا میں نادر و نایاب ہے اور جو مُرشدِ کامل کی اصل نشانی ہے ۔

مصنّف

ڈاکٹر پیری سمتھ

جنیوا

آخری دِیدار

حضور مہاراج جی کا آخری سفر اور رسمِ سپرُدِ آتش

جب مہاراج جی نے آخری سانس لی، تب میں اپنے پیارے مُرشد کے مقدّس ہاتھ کو تھامے ہوئے ایک چھوٹے اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا اور ان کی نورانی آنکھوں کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا۔ میں نے آخری سانس کو دیکھا اور ان کے دل کی آخری دھڑکن کو محسوس کیا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اپنے غیر معمولی فرض کا مجھے احساس تھا۔ سنجیدہ خاموشی سے میں نے کمرہ میں بیٹھے ست سنگیوں کو دیکھا جن کے سر جھکے ہوئے تھے اور جن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ساتھ کا کمرہ بھی ست سنگیوں سے پُر تھا، جو آنسو بھری آنکھوں سے سر جُھکائے بیٹھے تھے۔ میں نے ٹوٹے دل اور گہرے غم کے ساتھ اپنے عظیم مرشد کے قدموں میں سر جُھکا دیا۔ اس کا مطلب یہ اعلان کرنا تھا کہ سب کچھ مکمل ہو گیا۔

2 اپریل 1948، کا دن تھا۔ اس وقت ڈیرہ بابا جیمل سنگھ میں صبح کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔

کیسا دردناک وقت تھا! ہر ست سنگی کے دل پر کتنا کاری زخم تھا! کیا سچ مچ یہ سچ تھا؟ کیا واقعی یہ حقیقت تھی؟ کچھ لمحوں کے لئے ہم بُت بن گئے۔ لمحہ، لمحہ یہ اُمید کر رہے تھے کہ کوئی کرشمہ ہو جائے۔ پھر اچانک اوپر کے کمروں سے اپنے پیارے مُرشد کے فراق اور گہرے صدمہ کو ظاہر کرنے والی آہ و پکار کی آواز گونج اٹھی اور نیچے صحن میں اکٹھی سنگت کو اس

دردناک واقعہ کی خبر ہو گئی۔

گزشتہ دو دن سے مہاراج جی کا کمرہ اور نزدیک کے کمرے ست سنگیوں سے بھرے ہوئے تھے، جو بغیر کھائے، پیئے دن رات ان کی طرف نظر لگائے بیٹھے تھے۔ حضور مہاراج جی نے چند روز پہلے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ فقط خاموشی سے سمرن کرنے والے ست سنگی ہی ان کے کمرہ میں رہیں۔

مہاراج جی کے لڑکے اور پوتے اور ان کے دو تین نزدیکی نوکر، اپنے ستگورو کے مقدّس جسم کو آخری رسم کے لئے تیار کرنے لگے۔ انھوں نے مہاراج جی کے جسم کو صابن اور پانی سے نہلانا، سفید کرتا اور گہرے رنگ کا لباس پہنانا شروع کیا۔ ادھر سب لوگ حضور کو نہلانے میں مصروف تھے۔ کوئی ان کا سر دھو رہا تھا تو کوئی ان کا مبارک چہرہ کوئی ان کے ہاتھوں کو دھو رہا تھا تو کوئی کندھوں کو۔ اس وقت حضور کا وفادار کمپاؤنڈر، ہزارہ سنگھ کمرے کے ایک کونے میں، افسوس اور درد کا مارا، بے سہارا پڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس میں بولنے یا ہلنے جُلنے کی بھی طاقت نہیں تھی۔ میں کمرہ کے دوسرے کونے میں سردار بہادر جگت سنگھ جی کے قریب دعا میں جُھکا ہوا بیٹھا تھا۔ یکا یک نئے ستگورو اُٹھے، پُرسکون انداز سے اپنا شال اتارا، پیتل کا ایک چھوٹا سا لوٹا لیا، اس میں پانی بھرا اور اس بھیڑ میں سے نکل کر چپ چاپ اپنے پیارے مرشد کے مقدس قدموں میں جا پہنچے، جہاں کوئی نہ تھا۔ انھوں نے حضور کے قدموں پر سے کپڑے ہٹائے اور بڑے ادب اور عقید تمندی سے ان کے مبارک پاؤں کو آخری بار دھویا اور بڑی احتیاط سے اس پاک پانی کو ایک برتن میں اکٹھا کرلیا۔ انھوں نے یہ کام جس طریقہ سے کیا۔ اس میں کتنا ادب و وقار تھا! یہ دوسروں کی جذباتی سرگرمی سے کس قدر مختلف تھا! یہ اہم کام اس قدر خلوص، عاجزی، بلا دکھاوے، سادگی اور خاموشی سے کیا گیا تھا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ ان کے اس پاک کام کی طرف کسی کا خیال ہی

ہی نہیں گیا۔ وہ اپنا یہ مقدس فرض ادا کرکے، ایک سائے کی طرح واپس آئے اور اپنا شال اوڑھ کر میرے پاس چپ چاپ بیٹھ گئے۔ باقی لوگ اپنا اپنا کام کرتے رہے۔

سنگت کی اُمڈتی بھیڑ کو روکنے کے لئے، مہاراج جی کی کوٹھی کی پہلی منزل کے دروازے پر کچھ سیواداروں کو مقرر کرنے کی دور اندیشی نے دروازوں کو ٹوٹنے سے بچا لیا۔ اپنے محبوب مُرشد کے دیدار کے لئے بے قرار، لاتعداد سنگت کی بھیڑ، بار بار اندر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ باہر سے ہمیں چیخ و پکار، شور اور رونے چلانے کی پر درد آوازیں آ رہی تھیں۔ کمروں کے اندر اور باہر کا ماحول بہت غمگین اور دردناک تھا۔ میں اندر ہی بیٹھا رہا۔

ست سنگ کے اہم مرکزوں پر اس غمناک خبر کی اطلاع بذریعہ تار دینے اور آخری رسم کے لئے چندن کی لکڑی اور دیگر ضروری سامان لانے کے لئے حضور مہاراج جی کے ایک پوتے فوراً، براستہ ریلوے سٹیشن بیاس، امرتسر کی لئے روانہ ہو گئے۔

اسی دوران ڈیرہ میں لوگوں کی ایک بھاری تعداد اکٹھی ہو گئی۔ میرے سامنے غم کے ایسے دِل سوز نظارے تھے جو کسی انسان نے شاید ہی اپنی زندگی میں دیکھے ہوں۔ خبر فوراً ساری کالونی میں پھیل گئی۔ اس ناقابل برداشت جدائی پر سنگت کی چیخ و پکار اور ماتم بے حد دردناک تھا۔ ایک گھنٹہ کے اندر تین ہزار سے زائد لوگ آ گئے۔ اور دس بجے تک تو قریب کے گاؤں اور شہروں سے دس ہزار سے زیادہ لوگ آ پہنچے۔ اپنے مُرشد کی محبت و عقیدت میں روتے ہوئے، آنسو برسانے والے لوگوں کی بھاری تعداد کی آہ و پکار اور گہرے ماتم کا اظہار، بے حد دل سوز تھا۔ کئی لوگ بے ہوش ہو گئے۔ ایک نوجوان ست سنگی نے کچھ کھا کر اپنی جان دے دی۔ وہ اپنے مُرشد کے بغیر زندہ نہ رہ سکا تھا۔ غم اور ماتم کے نظاروں کا بیان ہی نہیں ہو سکتا۔

مُرشد عالی کے جسم کو تیار کر لینے کے بعد، سب لوگوں کے دیدار کے لئے نیچے

صحن میں لایا گیا۔ جس گدّے پر حضور کے جسم کو رکھا گیا تھا وہ خوبصورت بیل، بوٹے دار چادر سے سجا ہوا تھا۔ گدا ایک بڑے خوبصورت غالیچے پر رکھا ہوا تھا۔ حضور کا جسم دروازے کے پاس والے پورچ کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ آنے والے ست سنگی ایک، ایک کر کے، نزدیک سے دِیدار کرتے ہوئے نِکلتے جا رہے تھے۔ یہ سلسلہ لگاتار پانچ گھنٹے چلتا رہا۔ وہ اپنے محبوب مُرشد کے قدموں میں اپنی آخری عقیدت پیش کرنے اور ان کے مبارک چہرہ کے آخری دیدار کے لئے اُمڈے چلے آرہے تھے۔ حضور کا مبارک چہرہ گو سنگ مرمر کی طرح سفید اور ساکن تھا لیکن اس پر اب بھی گہرا سکون اور شان قائم تھی۔

سنگت کی فریاد، آہ و پکار، غم و ماتم کا نظارہ بیان سے باہر ہے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ محبت و عقیدت کا اصل مطلب کیا ہے۔ نیچی سے نیچی ذات سے لے کر اونچی سے اونچی ذات کے لوگ، اچھوت اور مہتر سے لے کر برہمن اور پنڈت، مسلمان، ہندو۔ تمام مذہبوں کے لوگ آکر مہاراج جی کے مقدّس جسم کے سامنے عقیدت سے سجدہ کر رہے تھے۔ حقیقتاً یہ سجدہ پُرخلوص تھا۔ ہر شخص ان کے دِیدار کرنے اور ان کو چھُونے کے لئے بے تاب تھا۔ سنگت کو ضبط میں رکھنے کے لئے سیوا داروں کی ایک خاص ٹولی بنائی گئی، کیونکہ کوئی بھی اس تلخ حقیقت پر یقین نہیں کر رہا تھا کہ مہاراج جی رحلت فرما چکے ہیں، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہی یقین کرنا چاہتا تھا۔ سب لوگ ان کے سامنے پھول و عطر وغیرہ رکھ رہے تھے۔ آخری رسم کے لئے ان کے جسم کے اردگرد خوشبودار چیزیں رکھی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد ان کو ایک ارتھی پر لٹایا گیا۔ ارتھی لال کپڑے اور سنہری اور روپہلی چیزوں سے سجی ہوئی تھی۔

اب اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ آخری رسم اسی دن ادا کی جائے یا بعد میں۔ کیونکہ کئی ست سنگیوں نے بڑے خلوص سے عرض کی تھی کہ رسم سپردگی آتش، کچھ دِن بعد کی جائے تا کہ ان کے دوست احباب اور رشتہ دار، جن کو اب تک خبر نہ مِل پائی تھی، آکر اپنے

محبوب مُرشد کے آخری دیدار کر سکیں۔ لیکن ہندوستان میں رواج ہے کہ یہ رسم اسی دن ادا کی جائے ۔ اس ملک کی آب و ہوا اور گرم موسم کو دیکھتے ہوئے اس آخری رسم کو مُلتوی کرنا مشکل بھی تھا۔ لہذا یہ طے پایا کہ اسی دن سورج غروب ہونے کے وقت یہ رسم ادا کر دی جائے ۔

شام کو تیز ہوا اور آندھی چلنے لگی ۔ آسمان پر گرد چھا گئی ۔ماحول گرد آلود ہو گیا ۔ ایسا لگتا تھا جیسے قدرت بھی اس سانحہ سے بہت بے چین ہو۔ حضور کے جسم کو خوب سجے ہوئے ارتھی لے جانے والے تختہ پر رکھا گیا، جسے مُرشد عالی کے بارہ نزدیک ترین ست سنگیوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا، جن میں نئے مُرشد، سردار بہادر جگت سنگھ جی بھی شامل تھے ۔ سفر آخرت ڈیرہ سے تین میل دور، دریائے بیاس کے کنارے کی طرف شروع ہوا۔ ارتھی اٹھا کر لے جانے والوں کو ریت کے ٹیلوں اور گھٹنوں تک گہرے پانی میں چل کر جانا پڑ رہا تھا۔ ہزاروں لوگوں کا اکٹھ پھول پھینکتا اور ایک دوسرے کو دھکیلتا ہوا چل رہا تھا۔ان کے قدموں سے اُٹھنے والی گرد سارے ماحول پر چھا رہی تھی، جس میں ارتھی اور اس کے اٹھانے والے چھپ سے گئے تھے ۔ ارتھی اٹھانے والے راستے میں کندھا بدلتے جاتے تھے اس سارے سفر میں ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا۔

چتا کے چاروں طرف رسی کا ایک گھیرا بنا دیا گیا تھا۔ لیکن بھیڑ اتنی زیادہ تھی کہ چند منٹوں میں ہی یہ گھیرا ٹوٹ گیا، کیونکہ ہر شخص چتا کے قریب رہنا چاہتا تھا۔ چتا چندن وغیرہ بیش قیمت لکڑیوں سے تیار کی جا رہی تھی ۔ چندن کی لکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑے سنگت میں ایک سے دوسروں کے ہاتھ دئے جا رہے تھے ۔ چتا کے تیار ہو جانے پر حضور کے جسمِ خاکی کو اس پر رکھا گیا اور اُوپر سے اور لکڑیاں رکھی گئیں ان کے درمیان گھی، عنبر، چندن، مُشک کافور وغیرہ خوشبودار چیزیں رکھی گئیں ۔ اور پھر چتا کو نذر آتش کر دیا۔

میں اپنے مدد گار، ڈاکٹر پوری کے ساتھ اس شور وغل اور بھیڑ سے ایک طرف ہو کر پیچھے کی طرف آ گیا تھا ۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے ہم سب سے بچھڑ کر تنہا کھڑے تھے اور

دل ہی دِل میں اپنے مرشد سے دعا کر رہے تھے ۔مرشد عالی ظاہرہ طور پر ہمیں چھوڑ کر جا چُکے تھے۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ میں ایک بے سہارا، غیر ملکی آدمی ہوں اور سوچ رہا تھا، کیا میں واقعی زندہ ہوں ۔میں اپنے آپ سے کہہ رہا تھا، "میں اب ایک ایسا یتیم ہوں، جس کا سب کچھ کھو گیا ہے، جو بے یار و مددگار رہ گیا ہے، جس کا کوئی سہارا نہیں، کوئی مددگار نہیں ۔میں دنیا کے ریگستان میں گم گشتہ راہ، ایک عاجز روح ہوں ۔" عین اسی وقت ہجوم دونوں طرف ہٹ گیا اور اس میں سے ایک نرالی شخصیت آگے آئی، جس کا چہرہ نورانی خوبصورتی اور آنکھیں شفقت ومحبت سے پُر تھیں ۔ وہ تھے، نئے مرشد انور، جو اپنے دونوں بازو بڑھائے ہوئے میری طرف آ رہے تھے اور مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کیا وہ میرے پاس بیٹھ سکتے ہیں ۔ میرے ٹوٹے ہوئے دِل اور ناامیدی کا یہ کیسا خوبصورت، موزوں جواب تھا 1 ہم خاموش بیٹھے تھے ۔میں آخری رسم کے طریقے دیکھ رہا تھا ۔چتا سے اُونچے اُونچے شولے اُٹھ رہے تھے۔سنگت شبد گا رہی تھی۔ لوگ چتا میں سپاری، کھجور، جائفل وغیرہ ڈال رہے تھے ۔ہوا تیز چل رہی تھی ۔ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی ۔ قدرت بھی اداس و غمگین تھی ۔

کچھ دیر بعد سردار بہادر مہاراج جی اٹھے اور مجھے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا ۔میں بارش اور تیز ہوا میں اپنا چھاتا سنبھالے ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی ایک ہاتھ سے اپنی پتلون اوپر کھینچے ہوئے تاکہ بارش و کیچڑ میں گندی نہ ہو جائے ۔ جب ہم نے یکا یک رُک کر، پیچھے مڑ کر، چتا کی طرف دیکھا تو آندھی اور بارش رُک گئے تھے ۔ ڈیرے کے پیچھے ڈُوبتے ہوئے سورج نے ایک لامثال منظر پیدا کر دیا تھا ۔مُرشد عالی کے تعمیر کردہ وسیع ست سنگ گھر کی لکیریں ڈوبتے سورج کی سُرخی کے پس منظر میں صاف دکھائی ___

---

1 ست گورو کے رحم و کرم کا کیسا مؤثر اور پُر رمز اشارہ تھا۔

دے رہی تھیں۔ آسمان کی اس لالی کے پسِ منظر میں ست سنگ گھر کا یہ منظر بڑا ہی شاندار اور پُر اثر تھا۔ ایک طرف تو سنگت کی بھاری بھیڑ کے درمیان چتا میں مُرشد عالی کا خاکی جسم تھا اور دوسری طرف تھا، چِتا کے عین سامنے ہی سرخ آسمان، جیسے آسمان ان ناقابل فراموش آخری رسوم کا ہی عکس ہو۔

چتا پر چار سیواداروں کا پہرا بٹھا دیا گیا۔ چتا میں ڈیڑھ دن تک آگ رہی۔ 2 اپریل کی وہ رات بے حد بھیانک تھی۔ خوفناک آندھی و غبار، گرجتے ہوئے بادلوں کی گڑگڑاہٹ، باربار چمکتی ہوئی بجلی، تیز بارش کی بوچھاڑ؛ باوجود اسکے وہ چاروں سیوادار چتا پر لگی سیوا میں مضبوطی اور ثابت قدمی سے ڈٹے رہے۔ آگ ست گورو کے خاکی جسم کو اپنے شعلوں میں سمیٹتی جا رہی تھی، جیسے اسے قدرت کے جوش، آندھی اور طوفان کا کچھ فکر ہی نہ ہو۔

4 اپریل کی دوپہر کو استھیاں چُننے کی رسم ہوئی۔ ان کو ٹھنڈا کرنے کے لئے چِتا پر دودھ ڈالا گیا۔ اس کے بعد مہاراج جی کے کنبہ کے لوگوں اور نزدیکی مُریدوں نے بالٹیوں میں استھیاں اور راکھ کو سمیٹنا شروع کیا۔ قریب تین سو ست سنگی ایک قطار بنا کر چتا سے لے کر دریا کے درمیان تک کھڑے تھے۔ بالٹیاں اسی وقت سے ایک دوسرے کے ہاتھوں سے ہوتی ہوئی دریا کے درمیان تک پہنچائی گئیں۔ استھیاں، راکھ بلکہ چتا کی جگہ کی مٹی تک پانی میں بہا دی گئی۔ اس کام میں پوری دوپہر گُذر گئی۔

سنگت نے بہت مہربانی فرما کر میری واپسی کے لئے گھوڑے کا انتظام کر دیا تھا۔ تین ماہ تک حضور مہاراج جی کی خدمت اور معالجہ کے لئے جس طرح سے لوگوں نے میرا شکریہ ادا کیا، وہ دِل کو چھُو لینے والا تھا۔ نئے مُرشد خود میری جائے رہائش پر تشریف لائے۔ مجھے اپنے بازوؤں میں لے کر بے حد شفقت و رحمت سے شکریہ کا اظہار کیا۔ میرا دل بھر آیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت میں نے ایک مُرشد سے دوسرے مُرشد میں تبدیل ہونے والے نور اور منتقل

ہونے والی حقیقت کو محسُوس کیا اور اس احساس نے میرے باطن میں ایک گہرا نقش بنا دیا۔ وہ لمحہ میرے لئے آج بھی از حد مقدّس اور ایک لافانی رحمت ہے۔ میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

حضور مہاراج، بابا ساون سنگھ جی، شہنشاہؒ درویشاں، ایک حقیقی مُرشدِ کامِل تھے۔ وہ آج بھی اپنے مُریدوں کے باطن میں جلوہ افروز ہیں۔ آج بھی مُرید باطن میں جا کر، ان کے نورانی جلوہ کے دِیدار کر سکتے ہیں۔

حضور مہاراج بابا ساون سنگھ جی کی

وصیت

من کہ ساون سنگھ، خلف سردار کابل سنگھ، قوم جٹ، گریوال، گدی نشین ڈیرہ بابا جیمل سنگھ، تحصیل و ضلع امرتسر کا ہوں۔ بذریعہ دستاویز ہذا مندرجہ ذیل وصیت کرتا ہوں۔

جو کہ میں نے اس سے پیشتر وصیت ہائے متعلقہ اپنی پرائیویٹ جائداد و پرمارتھی جائداد کردی ہوئی ہے۔ مگر ابھی تک کسی کو اپنی جگہ ڈیرہ میں اپنے بعد گدی نشین نامزد نہیں کیا۔ لہٰذا اب بہ درستی حواس خمسہ و ثباتی عقل و ہوش اپنی مرضی سے سردار بہادر جگت سنگھ، ایم اے، ریٹائرڈ پروفیسر، ایگریکلچرل کالج لائل پور، کو ڈیرہ بابا جیمل سنگھ و جملہ ست سنگ ہائے متعلقہ اس کی نسبت اپنا جانشین مقرر کرتا ہوں۔ جو جو کام میں کرتا رہا ہوں، وہ سبھی کام میرے بعد سردار صاحب موصوف سرانجام دیا کریں گے۔

لہٰذا یہ وصیت نامہ لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔

ڈیرہ بابا جیمل سنگھ	العبد وصیت کنندہ	بہ قلم خود منشی رام
مورخہ 20 مارچ 1948	دستخط انگریزی ساون سنگھ	سیکریٹری

گواہ شد	گواہ شد
چرن سنگھ	بچنت سنگھ بہ قلم خود
ایڈووکیٹ	(خلف الرشید حضور مہاراج جی)

وصیت کے بارے میں ڈاکٹر اسمتھ کا نوٹ

وصیت کنندہ نے جو میرے زیرِ علاج ہے، دستاویز ہذا کو میرے رُوبرُو دو دفعہ خود پڑھا اور آپ کے سیکریٹری لالہ منشی رام نے بھی اس کو پڑھ کر سنایا۔ واصی نے بہ قائمی ہوش و حواس خمسہ بہ رضا و رغبت خویش اپنی آزاد مرضی سے دستخط ثبت کئے ہیں۔

العبد

دستخط ڈاکٹر پیری اسمتھ

ساکن جنیوا (سوئٹزرلینڈ)

20مارچ 1948 - 1.30 بجے بعد دوپہر

العبد

گورنچن سنگھ

(سب رجسٹرار)

مُہر رجسٹرار

جالندھر

رادھا سوامی ست سنگ بیاس کی کُچھ چیدہ مطبُوعات

	پنجابی	ہندی	اُردو
سوامی شیو دیال سنگھ جی مہاراج			
سار بچن - نظم - نثر اور سنگرہ	"	"	"
بابا جیمل سنگھ جی مہاراج			
پرمارتھی پتر حصہ اوّل	"	"	"
بابا ساون سنگھ جی مہاراج			
۱- پرمارتھی پتر حصہ دوم	"	"	"
۲- سنت مت پرکاش حصہ اوّل تا ہفتم	"	"	"
۳- پرماتھی ساکھیاں	"	"	"
۴- گورمت سدھانت حصہ اوّل و دوئم	"	"	"
۵- گورمت سدھانت چوراسی وشیاں والا	"	"	
سردار بہادر مہاراج جگت سنگھ جی			
۱- (الف) روحانی گلدستہ	"	"	"
(ب) رُوحانی پھُول	"	"	"
۲- آتم گیان	"	"	
مہاراج چرن سنگھ جی			
۱- سنت مارگ (ب) سنتوں کی بانی	"	"	"
۲- سنت مت درشن - حصہ اوّل - دوم - سوم	"	"	"
۳- سنت سمواد - حصہ اوّل - دوم	"	"	
۴- جیوت مریئے بھوجل تریئے	"	"	
۵- پارس توں پارس	"	"	"
۶- ست سنگ - ا تا ۴ - (ب) آگرے دِکھے ست سنگ	"	"	

کچھ اور مطبوعات

۱۔ گورمت - حِصّہ اوّل تا چہارم	شری لیکھراج پوری	" " "
۲۔ رُوحانی ڈائری حصہ اوّل تا سوم	رائے صاحب مُنشی رام	" " "
۳۔ (ا) سنت سماگم (ب) فردوسِ بریں بہ رُوئے زمیں -	دریائی لال کپور	" " "
۴۔ (ا) سنت سندیش (اا) سنت کبیر	شریمتی شانتی سیٹھی	" " "
۵۔ اَندر کی آواز	کرنل سانڈرس	" " "
۶۔ صحبتِ مُرشدِ کامل	ڈاکٹر جے۔ پی جانسن	" " "
۷۔ ہنسا ہیرا موتی چُگنا	سردار شنتوکھ سنگھ۔ ڈاکٹر شنگاری	" " "
۸۔ سنت مت وچار	ڈاکٹر شنگاری۔ ڈاکٹر خاک	" " "
۹۔ نام سدھانت	ڈاکٹر شنگاری۔ ڈاکٹر خاک اور دیگران	" "
۱۰۔ سرمد	ڈاکٹر جیت سنگھ سیتل	"
۱۱۔ سنت دریا (بہار والے)	ڈاکٹر اپادھیائے	" "
۱۲۔ گورو رویداس	ڈاکٹر اپادھیائے	" "
۱۳۔ میرداد کی پُستک	میخائل نعیمی	" "
۱۴۔ سنت نامدیو (ب) تُلسی صاحب	پروفیسر پوری۔ شری سیٹھی	" " "
۱۵۔ دادو دیال	ڈاکٹر اپادھیائے	" "
۱۶۔ میرا - پریم دیوانی	شری وی۔ کے سیٹھی	"
۱۷۔ گورو نانک کا روحانی اُپدیش	پروفیسر جنک راج پوری	"
۱۸۔ سنت پلٹو صاحب	شری آر۔ کے سیٹھی	"
۱۹۔ سائیں بُلھے شاہ	ڈاکٹر پوری۔ ڈاکٹر شنگاری	" " "